تحقیق سیّد و سادات

قرآن، حدیث، تاریخ و انساب کی روشنی میں

محمود احمد عباسی

ناشر مکتبہ محمود ۱۶-۲ بی ایریا۔ لیاقت آباد۔ کراچی

جملہ حقوق طبع و اشاعت بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب :- تحقیق سید و سادات (قرآن، حدیث، تاریخ و انساب کی روشنی میں)

مولف :- محمود احمد عباسی - کاشانۂ محمود - بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی -

ناشر :- مکتبۂ محمود ۱/۴ بی ایریا - لیاقت آباد - کراچی -

طابع :- ایجوکیشنل پریس - کچہری روڈ - کراچی -

کتابت :- عبد المقتدر خوشنویس علیسری - کراچی -

تعداد طبع اول :- ایک ہزار -

قیمت مجلد :-

فہرس مضامین و عناوین کتاب تحقیق سید و سادات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	فہرس مضامین	۳	۲۱	شرفائے مکہ	۵۸
۲	پیش لفظ	۵	۲۲	ادریسی خاندان	۶۰
۳	آغاز		۲۳	حسینی خاندان	۶۲
۴	سید	۱۷	۲۴	خلاصہ کلام	۶۳
۵	قریشی گھرانے	۱۸	۲۵	الشریف	۶۴
۶	قریشی سادات	۱۹	۲۶	لقب الشریف بنی ہاشم سے کب مخصوص ہوا	۷۰
۷	آیات قرآنی میں سید کا مفہوم	۲۱			
۸	کلام نبوی میں سید کا مفہوم	۲۲	۲۷	خلافت عباسیہ کا ضعف اور فروغ رفض و تشیع	۷۳
۹	اقوال صحابہ میں سید کا مفہوم	۲۳			
۱۰	لفظ سید شعرائے عرب کے کلام میں	۲۶	۲۸	بنی بویہ	۷۷
۱۱	کتب سیر و تاریخ و انساب میں سید کا مفہوم	۲۹	۲۹	ماتم حسینؓ کی ابتداء	۸۱
۱۲	غیر قریشی قبیلے	۳۳	۳۰	عید غدیر کی ابتداء	۸۲
۱۳	وحدت انسانی	۳۶	۳۱	مشہد علیؓ	۸۳
۱۴	فرامین نبوی و مکاتیب صحابہ کرام	۳۷	۳۲	تدفین	۸۴
۱۵	مکاتیب خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۸	۳۳	مزار شریف نزد بلخ	۹۰
۱۶	مکاتیب امیر المومنین عمرؓ و دیگر خلفاء	۳۸	۳۴	نجفی قبر کی دریافت	۹۳
۱۷	مکاتیب حسین بن علیؓ	۴۱	۳۵	دریافت قبر کی جعلی حکایتیں	۱۰۲
۱۸	بنی ہاشم و سیادت نسبی	۴۵	۳۶	واہی اور جعلی روایتیں	۱۰۶
۱۹	حسنی خاندان	۴۷	۳۷	تعمیر مشہد حسینی	۱۱۷
۲۰	خاندان عبداللہ بن حسن مثنیٰ	۵۳	۳۸	مغالاۃ فی البشر	۱۲۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۹	تصنیف نہج البلاغۃ	۱۳۰
۴۰	فروغ رفض کے کارنامے	۱۳۳
۴۱	الشریف بطور لقب خاندانی	۱۳۴
۴۲	نقیب بنی ہاشم	۱۵۱
۴۳	عبیدی فاطمیت و نسبی سیادت	۱۶۱
۴۴	مختصر تکذیب دعوے فاطمیت	۱۷۰
۴۵	ذریت حسنین اور لقب الشریف کی تخصیص	۱۸۳
۴۶	خروج مہدی	۱۹۱
۴۷	مہدی المنتظر	۲۰۲
۴۸	اسماعیلیہ و متصوفیہ	۲۱۱
۴۹	امام مہدی اور صوفیہ کے قطب	۲۱۸
۵۰	نسبی شرفی برتری کی چند وضعی حدیثیں	۲۲۳
۵۱	پنجتن پاک	۲۳۲
۵۲	پنج جناد پنج تن	۲۳۵
۵۳	نادِ علی	۲۳۶
۵۴	سادات اہل الجنۃ	۲۳۹
۵۵	جوانانِ جنت اور خاتونِ جنت کی سرداری کی چند وضعی حدیثیں	۲۴۳
۵۶	خطبات جمعہ و عیدین	۲۵۳
۵۷	خطبہ جمعہ و مدح اشخاص	۲۵۸
۵۸	خطبہ صدیق اکبرؓ	۲۶۰
۵۹	نعت و ثنائے رسول اکرم	۲۶۰
۶۰	مضمون خطبہ	۲۶۱
۶۱	صلوٰۃ و سلام	۲۶۳
۶۲	خطبہ میں دعائے خیر کی ابتداء	۲۶۴
۶۳	ذکر و ثنائے خلفائے اربعہ کی ابتداء	۲۶۶
۶۴	خطبہ عباسیہ	۲۷۰
۶۵	تصانیف خطبہ	۲۸۳
۶۶	خطبہ تفضیلیہ	۲۸۶
۶۷	نگاہ بازگشت	۳۰۶
۶۸	التحیات اور درود	۳۰۹
۶۹	آل محمدؐ	۳۱۲
۷۰	صلوٰۃ علی النبی	۳۱۷
۷۱	خاتمۂ سخن	۳۲۳
۷۲		

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

از قلم علامہ تمنا عمادی زید مجدہ مقیم ڈھاکہ

خالق کائنات تبارک وتعالیٰ نے دو طرح کے مخلوق پیدا کئے، ذوی العقول اور غیر ذوی العقول۔ غیر ذوی العقول میں ذی روح اور غیر ذی روح۔ ذی روح میں صرف روح نباتی والے نباتات ہیں، اور جو روح حیوانی بھی رکھتے ہیں وہ حیوانات ہیں، اور جو روح نباتی بھی نہیں رکھتے وہ جمادات ہیں۔ جمادات میں بھی اعلیٰ و ادنیٰ پیدا کئے ہیں مثلاً جواہرات اور سونا چاندی وغیرہ قیمتی ہیں اور معمولی پتھر اور لوہے بھی۔ اسی طرح حیوانوں کی بھی جس نوع میں آپ کو اعلیٰ و ادنیٰ ملیں گے چاہے وہ شکلی تفریق کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے۔ عرب کے گھوڑے چین کے ہرن مشہور ہیں جس کو جو فضل و شرف ملا ہے فطرت کی طرف سے ملا ہے اس لئے کہ ان میں سے کسی کو بھی کسبی سعی سے شرف حاصل کرنے کی کوئی ایسی صلاحیت نہیں دی گئی کہ خود اس کو حاصل کر سکے۔ کوئی انسان کسی اچھے پتھر کو خوبصورا اور آب دیکر قیمتی بنا دے کسی درخت کو سینچ کر یا قلم لگا کر اس کو اس کے دوسرے ہی نوع سے ممتاز کر دے کسی جانور کو کچھ تعلیم دیکر کوئی خصوصیت اس میں پیدا کر دے تو یہ انسان کا فعل ہے ان چیزوں کی اس سے زیادہ کوئی خوبی نہیں کہ ان چیزوں نے انسان کے عمل کو قبول کر لیا۔

ذوی العقول میں جن و انس دونوں ہیں قوم جن کے حالات ہمیں معلوم نہیں مگر اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح مامور و مکلف ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (جن و انس دونوں اللہ تعالیٰ و تبارک کی عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں) ابلیس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ قوم جن سے تھا كَانَ مِنَ الْجِنِّ (الکہف) انسانوں کی طرح شاید ان میں بھی نسبی فرق و امتیاز ہو انسانوں میں یہ فرق و امتیاز نسبی ہی نہیں آب و ہوا کی وجہ سے بھی ہیں بعض ملکوں کے لوگ لمبے تڑنگے تنومند قد آور ہوتے ہیں بعض جگہ کے پست قد اور کمزور۔ بعض گورے ہوتے ہیں بعض کالے۔ اسی طرح ہر طبقے میں بعضے حسین و جمیل ہوتے ہیں بعضے بدصورت، بعضے خوش گلو ہوتے ہیں بعضے بدگلو۔ بعضے ذہین و قوی الحافظہ ہوتے ہیں بعضے غبی و ضعیف الحافظہ۔ غرض اس طرح کی جتنی خوبیاں بھی جبری ہیں وہ اس کو فطرت سے ملی ہیں انسان کو جو شرف اس کی نباتی حیثیت سے حاصل ہے مثلاً قد آور ہونا یا حیوانی حیثیت سے حاصل ہے مثلاً نسلی امتیاز یہ اس کی غیر اختیاری خوبیاں ہیں ان کے حاصل کرنے میں اس نے خود کوئی سعی و عمل نہیں کی ہے حیوانوں میں بھی اچھی نسل کے گھوڑے اچھی نسل کے مرغ وغیرہ بری نسل والوں پر ضرور شرف رکھتے ہیں مگر انسانوں کے لئے عقل کی بدولت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔ دنیاوی حیثیت میں اور دینی حیثیت سے بھی۔ صرف بدوم سلطان

ہو سکا تو وہ کسی شاہزادے کے لئے جو اس وقت بھیک مانگتا پھرتا ہو باعث فضل و شرف نہیں ہو سکتا۔ کوئی نبی زادہ چوری کرے تو وہ صرف نبی زادگی کی بدولت سزا سے بچ نہیں سکتا۔ نہ دنیاوی قانون کی رو سے نہ شرعی قانون کی رو سے۔ دنیا والے بھی علم و ہنر دیکھتے ہیں ایک بھنگی کا لڑکا اگر علم و فضل حاصل کرے تو وہ ایک جاہل نبی زادے اور جاہل شاہزادے سے ضرور افضل سمجھا جائیگا۔ ایک پی۔ ایچ۔ ڈی بھنگی وزارت کی کرسی پر متمکن ہو سکتا ہے مگر ایک جاہل نبی زادہ یا شاہزادہ دربانی سے زیادہ کوئی عہدہ نہیں پا سکتا۔

دینی حیثیت کو اللہ تعالےٰ نے خود فرمایا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ بزرگ قرار پائے گا جو تم میں زیادہ متقی ہوگا اس لئے آخرت کی زندگی میں ایک بھنگی اگر مومن صالح اور متقی ہو تو غیر متقی نبی زادے اور غیر متقی شاہزادے سے زیادہ عند اللہ مکرم و محترم ثابت ہوگا۔

غرض نسبی شرافت پر ناز کرنے والے درحقیقت ابلیس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اس نے بھی اپنی تخلیقی نسبت پر فخر کرکے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اس لئے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں اس سے اچھا ہوں اسی طرح جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نبی کی اولاد میں یا نبی کے خاندان سے ہیں جو لوگ ہمارے ہم نسب نہیں ہیں ان سے ہم اچھے ہیں ان سے اعلیٰ و افضل ہیں مگر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں۔

ع:۔ بندگی باید پیمبر زادگی منظور نیست

نسب کی حیثیت سہاگہ کی سی ہے۔ ایمان صحیح و حسن عمل اصل سونا ہے نسبی شرافت اگر ایمان صحیح و حسن عمل کے ساتھ ہو تو سونے پر سہاگہ ہے جس کے پاس ایمان صحیح و حسن عمل تو ہے مگر نسبی شرافت نہیں ہے تو اس کے پاس سونا تو ہے سہاگہ نہ ہوا نہ ہو مگر جس کے پاس ایمان صحیح و حسن عمل نہیں وہ اگر نبی زادہ بھی ہو تو صرف سہاگہ رکھ کر اس پر کیا ناز کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی نسلی نسبت کو نہ ذریعہ نجات بتایا ہے نہ عند اللہ موجب عزت و شرف۔ سارا فضل و شرف اور ساری عزت و کرامت ایمان صحیح و عمل صالح ہی پر موقوف ہے۔ ع:۔

کاندریں رہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

تمنا عمادی غفرلہ

آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِىِّ الْكَرِيْمِ ۝

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیا)

(اے رسول) ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر جہانوں کے لئے رحمت

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف)

(اے رسول) کہہ دے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف

وَكَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (البقرہ)

اور سب انسان ایک ہی امت میں۔

خالق ارض و سما نے ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ذات اقدس کو اور سب نبیوں اور رسولوں میں جن کی دعوت ان ہی کی قوم و ملک کے لئے مختص تھا ذکر کے کل نوع بشر کی ہدایت و رہنمائی کے لئے چھٹی صدی عیسوی کے اس زمانہ میں مبعوث فرمایا جب ظلم و استبداد شرک و الحاد فسق و فجور اور طرح طرح کی بدکاریوں نسل و رنگ وقبائلی عصبیتوں کی تاریکیوں نے دنیائے انسانیت کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا خشکی و تری پر انسانوں کے ہاتھوں فساد پھیل چکا تھا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ پھر جس خطۂ ارض کو آپ کے ظہور قدسی کی سعادت نصیب ہوئی اس کے باشندوں کی حالت اور بھی بدتر تھی ان کی روزمرہ کی زندگیوں میں وحشت و بربریت سرایت کئے ہوئے تھی۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ایک خاندان دوسرے خاندان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ انتقام کی آگ نسلاً بعد نسلٍ ورثاً سلگتی رہتی تھی احساس برتری اور غرور نسل و نسب کا جذبہ ہر چھوٹے بڑے پر چھایا ہوا تھا نخوت و غرور

نسب کا یہ عالم کہ جسے اپنے برابر کا نہ سمجھتے اس سے تیغ آزمائی بھی موجب عار جانتے۔ غزوۂ بدر کا مشہور واقعہ ہے مشرکین قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ نے انصاری غازیان اسلام سے لڑنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ تیغ آزمائی کریں گے تو اپنے ہم قوم قریشیوں سے کریں گے تم سے نہیں۔ مالنا بکم من حاجة انما نرید قومنا ؎

تم سے لڑنا تو ہمارے لیے ہے مایۂ عار — کہ نہیں تیغ قریشی کے سزاوار یہ سر
کہہ کے یہ اس نے کیا سرورِ عالم سے خطاب — اے محمدؐ! یہ نہیں شیوۂ اربابِ ہنر
جنگِ ناجنس سے معذور ہیں ہم آلِ قریش — بھیج ان کو جو ہیں رتبہ میں ہمارے ہمسر

آپ کے حکم سے قریشی مجاہدین میں سے جب حضرت حمزہؓ و علیؓ و عبیدہؓ بن الحارث نے آگے بڑھ کے ہم‌نبرد آزمائی کی اس مغرور قریشی سردار مشرکین اور اس کے ساتھیوں کی نخوت جاہلیہ و تفاخر نسل و نسب کا چند ہی منٹ میں خون ان کا یہ کر خاتمہ ہو گیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال کے اواخر کا ہے یعنی قریش اور حجازی باشندے تھے کہ چند ہی سال کے اندر اسلام کے بنیادی معتقدات توحید اور وحدت مساوات انسانی کی تعلیمات کی برکت سے قبائلی عصبیت النسلی برتری نخوت و تفاخر نسب کے پرستاروں کی کایا پلٹ گئی ؎

یا یہ حالت کہ تلوار بھی تھی طالبِ کفو
یا مساوات کا اسلام کے چھیلا یہ اثر
کہ حضرت بلالؓ نے جو نسلاً حبشی بھی تھے غلام بھی رہ چکے تھے اور تہی دست بھی تھے
جب اپنا نکاح آنحضرت صلعم کے حکم سے قریشیوں میں کرنا چاہا ؎
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادے کی اٹھتی تھی نظر

نسلی غرور و تفاخر کے خوگر قریشیوں کی طبیعت و ذہنیت میں یہ انقلاب عظیم کہ ایک

[illegible]

یعنی [illegible]

[illegible] حقیقت کبریٰ کے دلوں میں جاگزیں

[illegible]

نفس ہی وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ہے۔ پیغمبر خدا نے مواعظ حسنہ و خطبات عالیہ میں بار بار ارشاد فرمایا کہ معیار عزت و تکریم حسن کردار و عمل صالح ہے نہ امتیاز رنگ و نسل و نسب۔ ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے شرف انسانیت کا مستحق ہے خواہ تمدنی و معاشرتی و اقتصادی اعتبار سے کمتر ہو وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ فرمایا گیا ہے یعنی پیدائش کے اعتبار سے ہر بنی آدم عزت کا مستحق ہے کَرَّمْنَا بَنِي هَاشِمٍ یا بَنِي قُرَيْشٍ نہیں کہا گیا۔ معاشرتی و اقتصادی اعتبار سے یہ قریشی گھرانے جنہیں نبی کریم کی ولادت باسعادت کا شرف حاصل ہوا زمانہ قبل اسلام سے یک گونہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے لیکن رسول کی رسالت و نبوت نہ قریشیوں اور ہاشمیوں سے مخصوص تھی اور نہ آپ کا خطاب کسی خاص خطہ زمین کے لوگوں سے تھا مخاطبت تو یا ایہا الناس کے الفاظ میں کل نوع بشر سے تھی اور پروردگار عالم نے بھی آپ ہی سے یہ اعلان عام بھی کرا دیا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنی اے رسول کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف چنانچہ قانون الٰہی کی جو مقدس اور بے نظیر کتاب آپ پر نازل ہوئی اسے تمام عالم کے لئے نصیحت فرمایا گیا۔ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ۔ بعثت عامہ کی بنا پر آپ نے روم و مصر و حبشہ و فارس وغیرہ کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی اور قاصدوں کے ذریعہ فرامین نبوت بھیجے پھر آپ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے:۔

كان النبي يبعث الى قومه خاصة وَبعثت إلى النَّاس عامة

(مجھ سے پہلے) نبی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مگر میں عام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

غرضیکہ آپ کی رسالت جب کَافَّةً لِّلنَّاسِ یعنی کل نوع انسان کے لئے تھی جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ تو کسی خاص قوم و خاندان کے نسلی امتیاز و سیادت کا موجب کیسے ہو سکتی ہے خصوصاً اس حقیقت کے اعتبار سے کہ آپ کے صلب مطہر سے نسل نہیں چلی خالق اکبر نے اس حقیقت کی یوں وضاحت کی ہے وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (اور محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک مرد کے بھی باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)

اس آیت شریفہ نے حتمی طور سے فیصلہ کر دیا کہ سید الوجود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نسل اور خاندان کی نسبت سے نہیں بلکہ اسی منصب جلیل کی حیثیت سے "تا قیام قیامت دیکھا اور سمجھا جائیگا جس کے لئے آپ کو خلق فرمایا گیا یعنی اللہ کے آخری رسول اور اشرف الانبیا کی حیثیت سے آپ کسی ایک مرد کے نہیں بلکہ کل اُمت کے روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات کل اُمت کی مائیں ہیں وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ آپ کی بعثت عامہ کا قانون قرآن مجید ہے جس کا فیض عام ہے کسی خاندان سے مخصوص نہیں۔

علامہ اقبالؒ نے ایک موقع پر نبوت محمدیہ کی غایت الغایات کے بارے میں کہا تھا:۔

"نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ہئیت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس الٰہی قانون کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا با لفاظ دیگریوں کہئیے کہ بنی نوع انسان کو باوجود شعوب وقبائل اور الوان والسنہ کے اختلافات کو تسلیم کر لینے کے انھیں تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے جو زمان، مکان، قوم، نسل، نسب وملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں"

(اقتباس مکتوب بنام مولانا ندوی مرحوم)

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد ہی جو سیاسی وثیقہ شہر کے سب باشندوں کے مابین مرتب کرایا تھا اس میں اوس وخزرج انصاری قبیلوں اور قریشی اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ یہودیان مدینہ کو حقوق وذمہ داریوں میں برابر کا شریک کرتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ ان یھود بنی عوف اُمۃ مع المومنین بہ صراحت کہا گیا کہ یہود اپنے دینی معاملات میں آزاد ہیں اور مسلمان اپنے دینی معاملات میں۔ للیھود دینھم وللمسلمین دینھم۔

نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کی ابتدا فرمانے سے بلا امتیاز رنگ ونسل وبلا اختلاف قوم وقبیلہ اسلامی معاشرہ متشکل ہوا پھر آپ کے شاگرد صحابہ تھے جو تفاخر نسبی ونسلی کی آلودگیوں سے منزہ ہو کر زبان حال سے کہتے تھے ؎

فنحن بنو الاسلام واللہ واحد	واولی عباد اللہ باللہ من شکر
ہم اسلام کے فرزند ہیں اور خدا ایک ہے	اللہ کے بندوں میں اولیٰ وہی ہے جو اللہ کا شکر گذار ہے

ن صحابہ نے اپنی باری باری دوسری اقوام کو بھی ان آلودگیوں سے پاک کیا۔ عہد صدیقی وفاروقی وعثمانی کے مبارک زمانوں میں یہ حجازی قریشی اور دوسرے صحرانشینان عرب توحید کے علمبردار اور وحدت ومساوات انسانی کے پرجوش مبلغین کی حیثیت سے ملک شام وروم ومصر وحبش وفارس وغیرہ پہنچے بفحوائے آیت شریفہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ دین اسلام کی حیات بخش برکتوں سے ان قدیم اقوام کے فرسودہ تہذیب وتمدن میں شرف انسانیت کی نئی روح پھونک دی ہے

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر تک جا کر چمن آرائے بہار

آج کا انسانی شعور جو رنگ ونسل کے محدود نظریوں سے بلند ہو رہا ہے وہ یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ کرۂ ارض کے بسنے والے سب انسانوں کا ایک ہی معاشرہ، ایک ہی معاشی نظام اور ایک ہی ضابطۂ حیات واخلاق ہونا چاہیئے اسلامی نظریہ وحدت ومساوات انسانی کی اس میں صاف جھلک نظر آتی ہے مگر وہ جو مثل مشہور ہے ہر کمالے را زوالے، یہی عرب جنھوں نے وحدت ومساوات کا سبق دنیا کو سکھایا تھا تھوڑے ہی عرصہ بعد سیاسی منافقت میں ایسے مبتلا ہوئے کہ رفتہ رفتہ عصبیت جاہلیہ کی گھنگھور گھٹائیں ان پر آ چھائیں اور خانہ جنگیوں میں خون کی ندیاں بہ گئیں سچ ہے وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (اور یہ دن کہ ان کو باری باری لوگوں میں ہم بدلتے رہتے ہیں) عرب طبعاً سریع الغضب ہوتے ہیں اور جب معاملہ ذاتی عزّ و شرف اور خاندان وقبیلہ کی حرمت وعزت کا ہو جب مشتعل ہو کر تلوار سے فیصلہ کرنے پر تل جاتے تھے۔ اسرع الی السیف واحتکم الیہ۔ عہد رسالت ہی کا واقعہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر کسی مہاجر نے کسی انصاری کی پیٹھ کو اتفاقاً دھکا لگا دیا تھا اس بنا پر لڑائی ہو پڑی دونوں اپنی اپنی قوم کو پکارنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ نے قبائلی عصبیت کے اس مظاہرہ کی شدید مذمت فرمائی صحیح مسلم کی روایت میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے جو کوئی قومی وخاندانی عصبیت سے جدال وقتال کرے اور مارا جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ معلوم ہے انصاری اوس وخزرج قبائل کے تھے جو عربوں کی قحطانی یعنی یمنی شاخ سے تھے اور مہاجر قریشی عدنانی شاخ سے ان دونوں شاخوں قحطانی وعدنانی میں حریفانہ چشمک شروع

ہی سے چلی آتی تھی یہی کیفیت ان متعدد قبیلوں کی تھی جو ان دونوں شاخوں سے متفرع ہوئے مثلاً قحطانیوں میں بنو کلب و تنوخ و الازد جو علاقہ شام میں آباد تھے لخم و ہمدان و کندہ و نخع وغیرہ عراق میں تھے ان کے آپس میں چلتی رہتی تھی عدنانیوں میں دو بڑے قبیلے ربیعہ و مضر ایک دوسرے کے حریف تھے خود ربیعہ کے بکر و تغلب میں نصف صدی تک لڑائی ٹھنی رہی کہتے ہیں پچاس برس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ مضر کی نسل میں تمیم و کنانہ وغیرہ تھے قریش کنانہ ہی کی نسل تھے۔ رحمت عالمین کا معجزہ تھا کہ قبائلی عصبیت کو عصبیت اسلامیہ میں تبدیل کر کے تمام مسلمانوں کو واحد قبیلہ میں متحد و منسلک کر دیا مگر بعض وقت قبیلئی مخالفتوں کی دبی چنگاریاں ہوا لگ کر بھڑک اٹھتیں۔ نبی معصوم کے بعض خطبات کے الفاظ سے مترشح ہے کہ آپ کو عربوں کی جبلت سے اندیشہ تھا کہ مبادا خانہ جنگیوں میں پھر مبتلا ہوں۔ مشہور صحابی عقبہ بن عامر الجہنی کی روایت سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ خطبہ میں صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تمہارے بارے میں مجھے اندیشہ تو نہیں کہ شرک میں مبتلا ہو گے مگر اندیشہ یہ ہے کہ تم دنیوی معاملات میں لڑنے جھگڑنے لگو گے حجۃ الوداع کے یادگار عالم موقع پر کہ اس کے چند ہفتے بعد آپ دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے۔ امت کو وداعی پیغام سنا رہے تھے نصیحتیں اور وصیتیں کر رہے تھے یہی بات کو بلیغ الفاظ میں لوگوں کو ذہن نشین کراتے ہوئے فرمایا تھا "خبردار! میرے بعد تم کافروں کا سا عمل نہ کرنے لگنا (لا ترجعوا بعدی کفارا) کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو؟ آپ کی رحلت فرمانے کے پچیس تیس برس بعد ہی آپ کے محبوب چہیتے داماد حضرت عثمان ذی النورین کی مظلومانہ شہادت کے سلسلے میں جس میں کہ عراق کے قحطانی قبیلہ نخع کے الاشتر اور اس کے ساتھی مفسدین کا زیادہ ہاتھ تھا جو خانہ جنگیاں جمل و صفین و نہروان کی پیش آئیں تقریباً اسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا ہو گئے یہ تعداد بکر و تغلب کی پچاس سالہ مدت کی لڑائی کے مقتولین کی تعداد سے زیادہ ہے جس کا مظاہرہ علوی لشکریوں نے جن میں قحطانیوں کے مختلف قبائل کے لوگوں کی تعداد بیشتر تھی۔ تین چار سال کی قلیل مدت میں مضریین سے [illegible] کیا تھا۔ اس فضا میں اپنے قبیلے کی نسبی برتری اور دوسروں پر طعن بھی لوگ کرتے تھے کسی شاعر نے صاف کہہ دیا تھا۔

دعی القوم ینصر مدعیہ	لیلحقہ بذی الحسب الصمیم
یعنی قوم کا جھوٹا دعی اس قوم کے دعویداری کا ساتھ دیتا ہے	تا کہ اس کو صحیح النسب والوں سے چپکا دے

ابی الاسلام لا اب لی سواہ | اذا افتخروا بقیس او تمیم
گویا باپ تو اسلام ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ | جبکہ دوسرے لوگ قیسی اور تمیمی ہونے پر فخر کریں۔

نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید ہی کا قول ہے کہ آخر عہد علوی میں کوفہ کے مختلف قبیلوں تیم و ربیعہ و کندہ و نخع وغیرہ کی عصبیت و حمیت جاہلیہ کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی سا جھگڑا دو قبیلوں کے افراد میں ہو پڑتا حمایت کیلئے اپنے اپنے قبیلہ کی دہائی پکارتے لوگ دوڑ پڑتے تلواریں سوت لیتے اور فتنہ پھیل جاتا (فتسل السیوف وتثور الفتنۃ ج جزو ۳)۔ اللہ تعالے کو مسلمانوں کی بہتری منظور تھی کہ ایسے نازک اور پر آشوب زمانہ میں سیدنا معظم امیر معاویہؓ کی سیادت و قیادت پر کل امت خوش دلی سے متفق ہو گئی۔ نام ہی اس سال کا عام الجماعت رکھا گیا یعنی امت کے اتحاد و اتفاق کا سال ان کے بیس سالہ عہد خلافت میں امت کا یہ اتحاد و اختلاف برابر قائم رہا۔ امیر المومنین کے حلیمانہ و مشفقانہ حکمت عملی و تدبر سے عصبیت جاہلیہ کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکا کوفیوں نے البتہ ان کی وفات کے بعد انقلاب حکومت کے مقصد سے حضرت حسینؓ کو ذریعہ بنایا سانحہ کربلا کے بعد باغیانہ شورش کچھ عرصہ ہوتی رہی بالآخر امیر المومنین عبدالملکؒ نے اپنے زمانہ میں بغاوتوں کا استیصال کر کے قومی قافلے کو جادہ ترقی پر پھر گامزن کر دیا۔ ان کے نامور فرزندوں کا عہد تو بلا شک و شبہ اسلامی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ امت مسلمہ کو اس زریں عہد میں اقوام عالم پر غلبہ و تفوق حاصل ہوا۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی بشارت پوری ہوئی۔ امیر المومنین ولیدؒ کے مبارک عہد میں تو گویا جنت ارضی کا سماں تھا۔ قصہ آدمؑ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى (یہ قرار دیا ہے تیرے لئے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں نہ ننگا) ایسی حالت عوامی آسودگی کی عہد ولیدی میں تھی اور یہی منشائے شریعت بھی ہے بقول علامہ اقبالؒ ؎

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس | نکتۂ شرع مبین این است و بس

یہ زمانہ چونکہ فتوحات عظیمہ کا تھا عسکری و انتظامی کل مناصب پر صرف عرب ہی فائز تھے غیر عرب قومیں جو اسلام میں داخل ہوئیں۔ ایک صدی کے اندر انہوں نے اپنی عددی قوت

علمی قابلیت ذہانت اور دیگر اوصاف کی بدولت اسلامی معاشرے میں یوں تو اونچا درجہ حاصل کر لیا تھا مگر مناصب حکومت سے محرومی کی بنا پر عام ناراضی و بے چینی ان میں پھیل گئی تھی جو محرک ہوئی عربوں کے خلاف شعوبیہ تحریک کے قائم ہونے کی کیونکہ اس وقت عربوں کی شان بیرونی حاکموں کی سی تھی، اور غیر عرب رعایا کی محکوموں کی سی۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسی عرب و غیر عرب چپقلش میں قومی و نسلی امتیاز کی باتیں پھر شروع ہوئیں متعدد قول ایسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربوں اور قریش کی فضیلت میں منسوب کئے گئے۔ مثلاً من غش العرب لم یدخل فی شفاعتی ولم تنلہ مودتی (ترمذی) جو عرب سے نفرت و دشمنی کرے وہ میری شفاعت میں داخل نہ ہوگا اور نہ میری دوستی کا شرف اسے ملے گا۔ نیز یہ کہ محبت قریش کی ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے محبت عرب کی ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے (الطبرانی) من اهان قریشاً اهانه الله (مسند احمد) جو قریش کی توہین کرے اللہ اس کو ذلیل و خوار کرے۔ عرب و غیر عرب کے تعصب کے علاوہ اس زمانے میں عربوں ہی کے دو خاندانی قبیلوں ربیعہ و مضر کی باہمی عداوت نے ایسی شدت اختیار کر لی تھی کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔ ان واقعات نے اموی خلافت کی بنیادیں متزلزل کر دیں یہی زمانہ عباسی تحریک کے لئے جو تیس پچیس (۲۵) برس پہلے سے ممالک مشرقیہ خراسان وغیرہ میں جاری تھی بڑا سازگار ہوا کیونکہ اس تحریک کا مقصد ایسے نظام حکومت کو بروئے کار لانا تھا جس میں عرب و غیر عرب کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ حکومت کے عہدے اور منصب سب کے لئے یکساں کھلے رہیں۔ اہلیت و قابلیت شرط ہو نہ قوم قبیلہ و نسب کا پاس۔ اسی طرح ان مبلغین نے جو نقیب آل محمد کہلاتے تھے ہاشمیوں کی نسبی برتری اور محامد اہلبیت کی وضعی حدیثیں بھی پھیلانی شروع کیں مثلاً آنحضرت صلعم سے یہ حدیث منسوب کی گئی افضل الناس نسباً بنو هاشم ثم قریش ثم العرب (تبیین الحقائق) یعنی انسانوں میں باعتبار نسب بنی ہاشم سب سے افضل ہیں پھر قریش پھر عرب ہیں۔ تحریک خفیہ طور سے پھیل چکی تھی کہ بنی ہاشم ہی کے ایک فرد زید بن علی بن حسین نے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود امیر المومنین ہشام جیسے مقبول عام اموی خلیفہ کے خلاف اقدام خروج کا کچھ ایسی بے مآلی اندیشی کر دیا کہ مولانا روم کا وہ مشہور شعر صادق آیا کہ ؎

کورکورانہ مرو در کربلا   تا نیفتی چون حسین اندر بلا

خود بھی اور ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بھی گرفتار بلا ہوئے اور خاندان کے اور لوگ بھی بلا
میں پھنسے عباسی تحریک کے قائد ابراہیم الامام گرفتار ہو کر جیل میں بہ ظاہر طبعی موت مارے گئے۔ ان کے
تھوڑے ہی دن بعد عباسی پروپیگنڈے کا وہ سیاسی انقلاب آیا جس کے متعلق گورنر خراسان نصر بن
سیار نے آخری اموی خلیفہ کو رپورٹ ارسال کرتے ہوئے چند مشہور اشعار بھی لکھ دیئے تھے
دراکات کے ۔ یہاں مجھے چنگاری نظر آ رہی ہے ممکن ہے بھڑک اٹھے کاش معلوم ہو جاتا کہ بنی امیہ
جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ یہ چنگاری بھڑک اٹھی اور امویوں کا سیاسی اقتدار ۱۳۲ھ میں ختم
ہو کر عباسی خلافت قائم ہوئی جس کے تیرہ چودہ برس بعد سے اولاد علیؓ میں سے حسنی و حسینی علویان
خلافت کے خروجوں کا تانتا بندھ گیا ۱۴۵ھ سے ۳۴۵ھ تک دو سو برس کی مدت میں ۲۴ بڑے خونریز
علم بغاوت بلند کیا جن کے تفصیلی حالات کتاب "تحقیق مزید" میں ملاحظہ ہوں اکثر و بیشتر ناکام
ہو کر ہلاک ہوئے ان کی منقبت و تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں جن میں کہا گیا کہ مقتولین
کے کفن اور حنوط جنت سے نازل ہوئیں اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے جنت
میں جا پہنچے وغیرہ وغیرہ۔ لقب بھی ان کے تجویز کر دیئے گئے کسی کو شہید کہا کسی کو النفس الزکیہ۔
بنو عباس ان سے خلیفہ وقت اور عمال خلافت کو محض اس لئے غاصب ظالم و جابر و فاسق
بتایا گیا تقبیح اتہامات ان کی سیرت و کردار پر عائد کیے گئے کہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی
میں انہوں نے بغاوتوں کا استیصال کر کے فتنہ کو دور کیا نظم و نسق مملکت بحال کیا یہ اقدامات
بغاوت کسی اصول اور سیاسی پروگرام سے تو دور تھے حسب و نسب کی لیاقتوں پر دار و مدار تھا۔
ان ناکامیوں کے مداوی کے لئے طرفداروں نے بعد میں سیکڑوں حدیثیں اور بہت روایتیں
برتری کی بنا پر ان کے حق و استحقاق کی وضع کیں اکثر کے مسئلہ میں عجیب عجیب نکتے تراشے گئے
مزاکت میں ہاشمی و غیر ہاشمی کا امتیاز پیدا کیا گیا یہاں تک کہا گیا کہ قریشی گھرانے کا غلام ہاشمی گھرانے
کی لڑکی کا ہم کفو نہیں ہو سکتا ۔ العلم الشامخ کے مولف نے بعض زیدیہ و تفضیلیہ کا یہ قول بھی لکھا
کہ ہاشمیہ خاتون کا کسی غیر فاطمی کے عقد میں آنا موجب ہوگا اہلبیت کی ہتک حرمت کا۔
جب دین عدل و مساوات و احکام شریعت میں نئی نئی باتیں پیدا کی گئیں مولانا نظام گنجوی متوفی
۵۹۹ھ نے آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا کہ آپ اپنے دین کو ملاحظہ کریں جیساں نکلے

دیں تازہ و ہے آراستہ اند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ و رپے آرائش و پیرایش کاستہ اند

بت شدہ سکہ بر وی رنگ و ساز   گر تو بینی نقش شیخ باز

آرائش دین سے مراد بدعات و محدثات ہیں جو سیاسی اغراض سے مذہب میں شامل کی گئیں مثلاً درود میں "آل محمد" کا شمول، غیر طبقاتی ملت میں کفو کا مسئلہ یا حصول خلافت سے محرومی کی بنا پر صداقت کے مقابلے میں امامت کا نظریہ، اذان کے الفاظ میں فقرات کا اضافہ اور چوتھے خلیفہ کو خلیفہ بلا فصل کہکر تینوں خلفائے راشدین کو برملا غاصب کہنا اور جزو دین سمجھنا۔ شخصیت پرستی میں اس درجہ غلو کہ مولانا روم کو بھی لطیف پیرایہ میں کہنا پڑا ؎

ہیچ خر ساجد نہ دیدم ہیچ خر   آدمی زیں خر شدہ شد زیر خر

مگر باوجود اس غلو کے جو ہاشمیوں کی نسبی فضیلت اور نسلی امتیاز کے بارے میں وضعی حدیثوں میں کیا گیا ساتویں صدی ہجری تک کسی صحیح النسب ہاشمی نے خواہ عباسی و جعفری و عقیلی ہوں یا علوی و حسنی و حسینی، نہ سیادت نسبی کا ادعا کیا نہ اپنے کو نسباً سید کہا، ورنہ آج تک عرب ممالک میں کوئی ہاشمی و حسنی و حسینی اپنی مادری زبان کے لفظ سید کو اظہار دعوے میں استعمال کرتا ہے نہ اپنے منہ سے اپنے کو سید کہتا ہے نہ اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھتا ہے۔ دوسروں کے لئے احتراماً یہ لفظ محترم و محتری کی جگہ البتہ استعمال ہوتا ہے۔ غیر منسوب کے نام میں بھی مسٹر کی جگہ بالعموم مستعمل ہے جیسے سید جواہر لال نہرو یا سید چو این لائی۔ عہد اکبری کے حسینی النسب بزرگ جو میر عدلی و کوتوالی کے مناصب جلیلہ پر فائز تھے اپنے قلم سے نام "عبد محمد الحسینی" لکھتے سید نہ لکھتے تھے ان کے فرزند کی مہر میں "فقیر ابو الحسن ابن محمد الحسینی" الفاظ کندہ تھے لفظ سید شامل نہ تھا۔

عرب قبائل میں لفظ شریف و سید کے استعمال کے تاریخی حالات پیش کرنے کے ساتھ غیر عرب ممالک خصوصاً ہندوستان میں ان الفاظ کا استعمال کب سے کن حالات میں ہوا جس سے شریف و غیر شریف سید و غیر سید کی تفریق پیدا ہو کر ذاتیں بن گئیں ان سب مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ بحث محض علمی و تاریخی ہے کسی گروہ و خاندان کی نسبی سیادت و شرافت سے اس بحث کا کوئی تعلق نہیں تو اسمائے سید کی شوم حضرات کے ادعا سے کوئی تعلق ہے نہ ان اشخاص کے انساب کی تحقیق سے جو پاکستان بننے سے پہلے "اپنے دیس" تھے۔ یہاں آ کر "کیسے کیسے" ہو گئے۔

محمود احمد عباسی

کاشانہ محمود۔ کراچی

سیّد

اہلِ عرب نے اپنی زبان کے اس مشہور لفظ سیّد کو کبھی نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال کیا اور نہ کوئی عرب و قریشی قبیلہ و خاندان سیّد کہلایا[1]۔ سَادَ یَسُوْدُ وَسِیَادَۃً کے معنی مجد و شرف کے ہیں۔ سیّد واحد ہے سادۃ جمع اور سادات جمع الجمع۔

لفظ سیّد کا صحیح مفہوم ہماری زبان میں سردار، سربراہ، مالک و آقا، مخدوم و معتمد الفاظ سے ادا ہوتا ہے اور مسٹر و مَرّی کا سیّد و سیدی ہے۔ غیر قوم و غیر مسلم اشخاص کو اہلِ عرب مسٹر اور محترم کے معنی میں سیّد کہتے ہیں۔

عرب قبیلے و خاندان

عرب قبائل عدنانی ہوں یا قحطانی ازروئے تحقیق سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل ہیں بمرورِ زمانہ بے شمار قبیلوں اور خاندانوں میں متفرق و منقسم ہو کر اپنے اپنے مورثِ قبیلہ و خاندان کی نسبت سے موسوم رہے جیسے فہر ملقب بہ قریش کی اولاد قریشی، ہاشم بن عبد مناف کی ہاشمی وقس علیٰ ہٰذا۔

ظہورِ اسلام سے بہت پہلے سے قبیلہ قریش کے چھوٹے بڑے بیس خاندان تھے جو اپنے مورثوں کے نام سے موسوم تھے۔ ان بیس قریشی خاندانوں میں یہ دس زیادہ ممتاز و معروف تھے یعنی بنی ہاشم، (ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب کی اولاد) بنی امیہ (امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد) بنی نوفل (نوفل بن عبد مناف بن قصی کی اولاد) بنو عبد الدار (عبد الدار بن قصی بن کلاب کی اولاد) بنو اسد (اسد بن عبد العزیٰ

---

[1] نجرانی عیسائیوں کا لیڈر جو ان کے دنیاوی معاملات کا منتظم تھا لقب السیّد کہلاتا تھا یہ منصب بھی توارث نہ تھا۔ بنو قضاعہ یمنی قبیلہ مالک بن حمیر کی نسل سے تھا اور یمن سے اکھڑ کر ملک شام میں مسکن گزیں تھا ان میں ایک شاخ کلب بن وبرہ کی تھی۔ اس کے دس گھرانے تھے جن کے نام اسد، ثعلب، ذئب اور فہد وغیرہ تھے۔ سیّد بھیڑیے کو کہتے ہیں (السیّد۔ الذئب۔ نیز سِید بھی اسی معنی میں ہے اور بھیڑیے کی مادہ کو السیّدہ کہتے ہیں۔ المنجد) جانوروں کے نام پر عرب جاہلیت میں نام رکھتے تھے مگر لفظ السیّد سے اس نام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بن قصی بن کلاب کی اولاد) دوسرے پانچ خاندان قصی بن کلاب بن مُرّہ کے چچوں کی اولاد میں بنو تیم (خاندان حضرت ابوبکر الصدیقؓ) بنو مخزوم (خاندان سیف اللہ حضرت خالد بن الولیدؓ) بنو عدی (خاندان حضرت عمر فاروقؓ) بنو جمح (خاندان حضرت عثمان بن مظعونؓ) اور بنو سہم (خاندان حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر تھے) بقیہ دس قریشی گھرانے عامر بن لوی اور اس کے بھائیوں و بنو الحرث کی اولاد سے تھے۔ ذیل کے شجرے سے قریشی خاندانوں کے انساب کا مجمل حال معلوم ہو سکے گا (جو اگلے صفحہ پر درج ہے)

قریشی گھرانے

قصی بن کلاب جیسا مندرجہ شجرے سے واضح ہے ہاشمی و اموی و اسدی وغیرہ خاندانوں کے جد اعلیٰ تھے۔ ان کا زمانہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ہے۔ مکہ میں جس شہری جمہوریت کی بنیاد انھوں نے ڈالی تھی اس کے مذہبی و عدالتی و جنگی معاملات اور انتظامات کے چودہ عہدے تھے جو مذکورہ بالا دس قریشی خاندانوں میں منقسم تھے مثلاً بنی ہاشم کے سپرد سقایہ و عمارہ کے عہدے تھے یعنی حاجیوں کے لئے بہم رسانی آب اور خانہ کعبہ کی درستی کے انتظامات۔ ظہور اسلام کے وقت حضرت عباسؓ بن عبد المطلب ان خدمات کو انجام دیتے تھے۔ حضرت عمر الفاروقؓ کے خاندان بنی عدی کے ذمہ نزاعی معاملات کے تصفیے اور سفارت کی خدمات تھیں ان کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ سے قریش اپنے نزاعی معاملات فیصل کراتے تھے۔

نفیل بن عبد العزیٰ وکان یتحاکم الیہ قریش (کتاب نسب قریش ص۳۴۳)

نفیل بن عبد العزیٰ۔ قریش ان سے مقدمات کا فیصلہ کراتے تھے۔

سفارت کی خدمات حضرت عمر الفاروقؓ ظہور اسلام کے زمانہ تک انجام دیتے تھے۔ اشناق کا عہدہ بنی تیم میں تھا یعنی خون بہا اور مالی تاوان کا انتظام جو اس زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ انجام دیتے تھے۔ جنگی عہدوں میں بڑا عہدہ قریش کے قومی نشان کی علمبرداری کا تھا جو العقاب کہلاتا تھا یعنی بحالت جنگ سب قریشی خاندان قومی نشان کے علمبردار کی قیادت میں مجتمع ہوتے تھے۔ یہ عہدہ بنی امیہ میں متوارث تھا۔ حرب بن امیہ کے بعد حضرت ابوسفیانؓ بن حرب قریش کے قائد تھے۔ دیگر خدمات دوسرے خاندانوں کے سربراہ انجام دیتے تھے اور یہ سب قریشی سردار و سربراہ اپنے اپنے خاندانوں کے سید کہلاتے

شجرۂ قبیلہ قریش

فہر لقب قریش بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

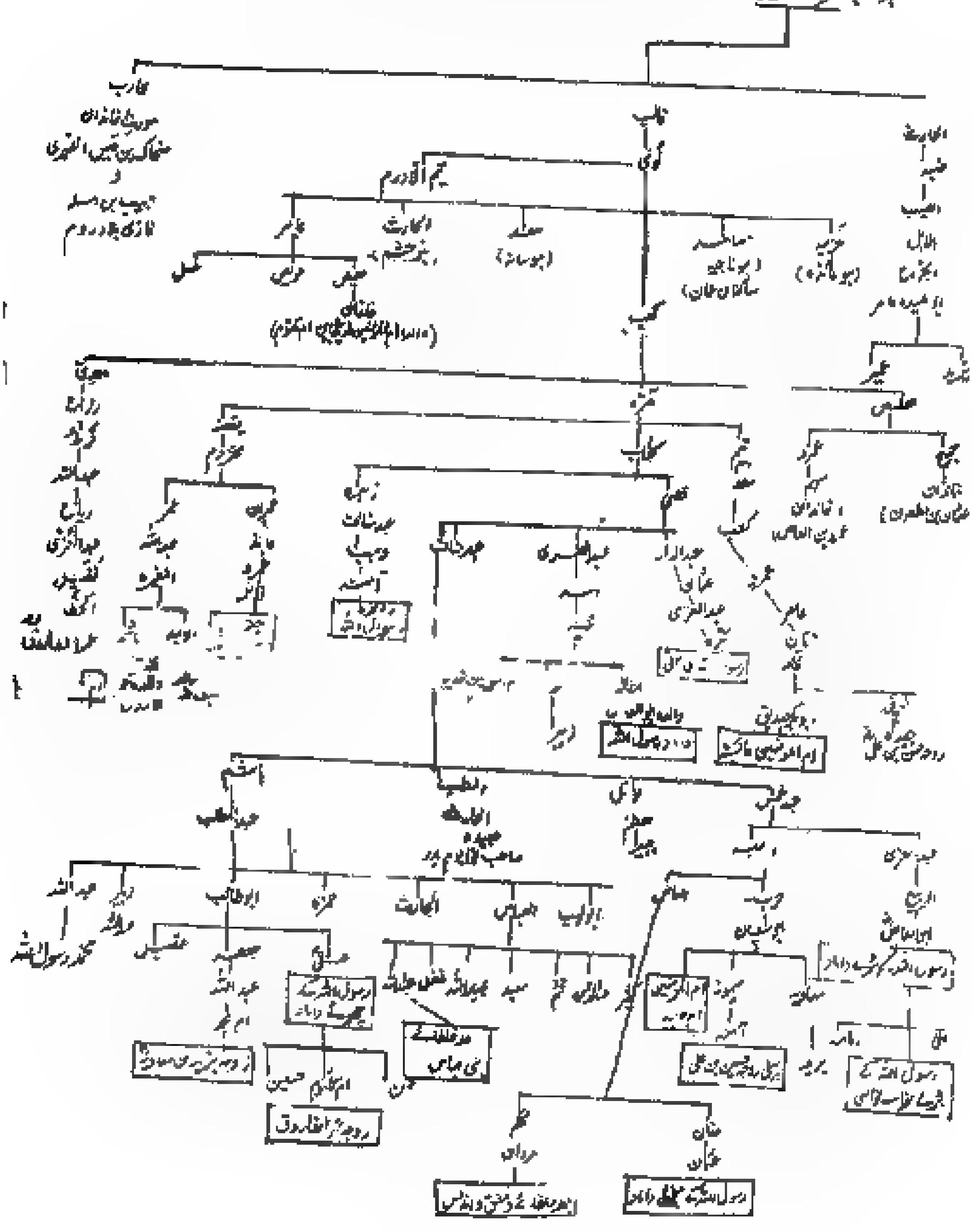

تھے نسب و قومیت کا اظہار ان کی خاندانی نسبت سے ہاشمی و اموی تیمی و مخزومی و سہمی وغیرہ سے ہوتا تھا۔ یہ سب قریشی خاندان تعلقات مناکحت و مصاہرت میں ایک دوسرے کے ساتھ اس درجہ مربوط و منسلک تھے کہ ہاشمیوں کے ناتا مخزومی و زہری اور مخزومی و زہری کے ہاشمی۔ انصاری اور دیگر عربی قبائل سے بھی رشتے ناتے قدیم الایام سے چلے آتے تھے۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ تو دو حقیقی بھائیوں کی اولاد ہیں۔ ان کے آپس میں بیاہ شادی کے حالات بھی مشہور و معروف ہیں دوسرے قریشی و انصاری خاندانوں کی باہمی قرابتوں کی تفصیلات کتب انساب میں بالتصریح موجود ہیں۔ حضرت خالد بن الولید سیف اللہؓ نسباً مخزومی تھے ان کے خاندان کی ایک شاخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو تھیں اور آپ کی دو پھوپیاں بھی اسی خاندان میں بیاہی گئی تھیں جن سے اولاد بھی تھی۔ آپ کے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی زوجہ بھی مخزومیہ تھیں اور ابوطالب نے بھی ایک بیٹی اسی مخزومی گھرانے میں بیاہ دی تھی۔ حضرت عمر الفاروقؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن المغیرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی فاطمہ بنت عمرو دو حقیقی بھائیوں یعنی عبداللہ و عمران فرزندان مخزوم کی پوتیاں تھیں نیز حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے دادا نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف آپس میں اخیافی بھائی تھے۔ (کتاب نسب قریش ص ۱۲)

قریشی سادات

قریشی خاندانوں کے سربراہ اور ممتاز اشخاص عہد جاہلیت ہو یا زمانہ اسلام سید کہلاتے تھے اسی طرح انصاری اور دوسرے عرب قبیلوں کے سردار و سربراہ بھی اپنے اپنے قبیلے کے سید تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جو قریش میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ سردار قریش کہلاتے تھے:۔

فکان عبدالمطلب سید قریش فی عصرہ (حذف من نسب قریش ص ۷)	عبدالمطلب اپنے زمانہ میں قریش کے سردار تھے۔

ابوسفیانؓ بن حرب اموی کی سیادت کے بارے میں ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ

بھی فرماتے ہیں:۔

هو سيّد قريش كلها في زمانه (ج صـ۳۸۰)	وہ یعنی ابوسفیانؓ اپنے زمانہ میں تمام قریش کے سردار تھے۔

مخزومی خاندان قریش کا ممتاز خاندان تھا۔ ہشام بن المغیرہ مخزومی اور ان کے بیٹوں کی سیادت و سرداری کا شہرہ مکہ میں تھا۔

وكان لهشام وبنيه صيتٌ بمكة وذكرٌ عالٍ وكان هشام سيّد قريش في دهره (کامل ابن اثیر صـ۳۰)	ہشام اور اس کے بیٹوں کا شہرہ اور ذکر عالی مکہ میں تھے اور ہشام اپنے زمانہ میں قریش کا سردار تھا۔

بنوتیم یعنی خاندان حضرت ابوبکر صدیقؓ میں عبداللہ بن جُدعان جو رشتے میں حضرت صدیقؓ کے چچا ہوتے تھے اپنے زمانہ میں قریش کے بڑے دریادل اور ہردلعزیز سردار تھے:۔

وكان عبد الله بن جُدعان سيّد قريش في الجاهلية (کتاب نسب قریش صـ۲۹۰)	عبداللہؓ بن جُدعان زمانہ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے۔

انہی عبداللہ بن جُدعان کے گھر[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر حلف الفضول کا مشہور تاریخی معاہدہ ہوا تھا اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے تایا کے ساتھ موجود تھے۔ آنحضرتؐ کی ان ہی تایا زبیر نے ابتدائی پرورش کی تھی۔

یہی چند مثالیں اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ قبیلہ و خاندان کے سربراہ و سردار سیّد کہلاتے تھے۔ اور یہ تخصیص کچھ قریشی خاندانوں ہی کی نہیں تھی ہر عربی قبیلے کا سربراہ خواہ انصاری ہو یا کسی دوسرے عرب خاندان کا اپنے منصب سربراہی و سرداری کے اعتبار سے سیّد کہلاتا تھا جس کی مثالیں اپنے مقام پر آرہی ہیں۔

یہود و نصاریٰ جو جزیرہ نمائے عرب میں صدیوں سے آباد تھے اور جن کی زبان بھی عربی تھی ان کے سردار و سربراہ بھی سیّد کہلاتے تھے بلکہ نجران کے نصرانی عیسائیوں کے

[1] عبداللہ بن جُدعان کی سخاوت و بخشش و عطا کے بہت سے واقعات کتب تاریخ و تذکرہ میں جابجا ملتے ہیں حضرت صہیب بن سنان رومی جو نسباً نمر بن قاسط کی نسل سے تھے اور رومیوں نے غلام بنا لئے گئے تھے۔ انہی نے ان کے مالک سے خرید کر آزاد کرایا تھا۔ واقعہ [illegible] پہلے آ چکا ہے۔

یہاں سرداری کے تین عہدے تھے یعنی اسقفؑ (مذہبی سردار) العاقبؑ (امور داخلیہ کا منتظم) اور السیّد جو امور خارجیہ کا منتظم تھا یعنی:-

وھو الذی یدبر امورھم الخارجیة ویتولی امور العلاقات بینھم وبین القبائل الاخری۔ (نور اسلام ص۲۲)

اور وہ (یعنی سیّد) ان کے امور خارجیہ کی تدبیر کرتا اور دوسرے قبائل کے اور ان کے مابین معاملات کو طے کرتا۔

یہ نجرانی عیسائی السیّد جس کا نام الایہم تھا نجرانی وفد کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تھا، ومباہلہ سے گریز کر کے معاہدہ کیا تھا جس کی تفصیلات کتب سیرو تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیاتِ قرآنی میں سیّد کا مفہوم

قرآن شریف کی ان تین آیات میں لفظ سیّد آیا ہے اور سردار و آقا ہی کے معنی و مفہوم میں آیا ہے۔ نسب و قومیت کے لئے ہرگز نہیں:-

(۱) أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

(سورۂ آل عمران آیت ۳۹)

کہ اللہ تجھکو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی دے گا اللہ کے حکم کی اور سردار و پاکباز ہوگا اور نبی صالحین میں سے۔

(۲) يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝

(الاحزاب آیت ۶۷)

جس دن کہ ان کے (کفار کے) چہرے آگ میں سیاہ ہو جائیں گے وہ کہنے لگیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور وہ یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا کہا مانا انھوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا۔

(۳) وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ

(سورۂ یوسف آیت ۲۵)

اور دونوں دوڑے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے خاوند (آقا) کو دروازے کے پاس۔

پہلی دو آیتوں میں سید اور سادتنا کے معنی سردار کے ہیں اور آخری آیت میں سیدھا سے مراد اس کے آقا (خاوند) سے ہے۔ ان تینوں آیتوں کے سوائے کلام اللہ میں اور کہیں یہ لفظ نہیں آیا۔

کلام نبوی میں سید کا مفہوم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں لفظ سید سردار و سربراہ ہی کے معنی و مفہوم میں آیا ہے نسب و قومیت کے لئے ہرگز نہیں۔ چند مثالیں کلام نبوی کی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت سعد بن معاذؓ انصاری اپنے قبیلہ اوس کے سردار تھے سید الاوس کہلاتے تھے (الاصابہ و انساب الاشراف) نیز صحابی جلیل تھے ان کے قبیلہ اوس کی حلیفی عہد جاہلیت سے بنی قریظہ یہود سے تھی۔ غزوہ خندق کے زمانہ میں یہود نے خطرناک سازش اور غداری کی تھی۔ سزا اور سرزنش کے لئے ان کا محاصرہ کیا گیا تھا مجبور ہو کر اپنے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد انصاریؓ کو اپنے معاملہ میں حَکَم مان لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرمایا۔ حضرت معاذ جب یہود کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آرہے تھے آپ نے صحابہ سے فرمایا:۔

قوموا الی سیدکم او خیرکم۔ — اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کی پذیرائی کرو۔

صحیح بخاری ج ص ۳۳۳ و ص ۵۳۶

(الاصابہ و دیگر کتب۔)

(۲) حضرت قیس بن عاصم بن سنان بن خالد بن منقر غیر قریشی عرب تھے بعد فتح مکہ وفد تمیم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔

سید اہل الوبر (المعارف ص ۱۳۱ والعقد الفرید ج ص ۲۲۶)

یعنی اہل بادیہ کے سردار مورخین نے ان کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں کان شریفاً سیداً یعنی وہ معزز سردار تھے۔

(۳) غزوہ حنین میں ہوازن و ثقیف قبائل کے تیر اندازوں نے بڑی شدت سے جنگ آزمائی کی تھی ان میں بنی کنانہ کا ایک بہادر جوان الجلاح نام بے جگری سے لڑ کر

مارا گیا تھا ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بلغہ قتل الجلاح قتل الیوم سید شباب ثقیف
(طبری ج ص)

جب الجلاح کے قتل ہو جانے کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے فرمایا: آج ثقیف کے جوانوں کا سردار قتل ہو گیا۔

(۴) حضرت بشر ابن البراء بن معرور انصار کے بنی سلمہ میں سے بدری صحابی تھے۔ یہی وہ انصاری صحابی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے اول کعبہ کے رخ سے نماز ادا کی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے پوچھا تھا من سیدکم؟ یعنی (تمہارا سردار کون ہے) لوگوں نے جد بن قیس کا نام لیا جن کی طبیعت میں بخل کا مادہ تھا آپ نے فرمایا :-

سیدکم الابیض الجعد بشر بن البراء۔
(انساب الاشراف بلاذری ج ص ۲۴۶)

تمہارا سردار سفید بالوں والا بشر بن البراء ہے۔

خیبر کی ایک یہودیہ نے جو مسموم گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیتہً پیش کیا تھا آپ نے دہن مبارک میں لے کر تھوک دیا تھا حضرت بشر تو نگل گئے تھے۔ یہی سبب اُن کی موت کا ہوا تھا۔

(۵) صحیح بخاری میں ایک باب ہے "العبد راع فی مال سیدہ ونسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم المال الی السید (ج ص ۳۴۴) یعنی غلام اپنے آقا کے مال میں چرواہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو سردار کی طرف منسوب کیا ہے اس حدیث کے مضمون میں لفظ سید جو متعدد بار آیا ہے وہ سردار کے معنوں میں آیا ہے۔

(۶) غزوہ احد میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی جانبازی سے تیغ زنی کر کے شہید ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید الشہداء فرمایا اور اسد اللہ (شیر خدا) کا لقب دیا۔

ولقبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسد اللہ وسماہ سید الشہداء
(الاصابہ ج ص ۳۵۳)

انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیر خدا کا لقب دیا اور سید الشہداء سے موسوم کیا۔

کلام الٰہی ہی کی طرح کلام نبوی میں سید سردار و سربراہ و آقا ہی کے معنی میں آیا ہے۔ کسی خاندان یا کسی شخص کے اظہار نسب و قومیت میں ہرگز نہیں۔

اقوال صحابہؓ میں سید کا مفہوم

۱۔ ابن جریر طبری نے سردار قریش ابو سفیانؓ کے قبل فتح مکہ تجدید معاہدہ صلح حدیبیہ کے سلسلے میں مدینہ آنے کی جو روایت درج کی ہے اس میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے اثنائے گفتگو میں ان سے کہا تھا کہ میں نہیں جانتا تمہارے مفید مطلب کیا بات ہو سکتی ہے لیکن تم بنی کنانہ کے (یعنی قریش وغیر قریشی عربوں کے) سردار ہو کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ صلح قائم ہے۔ حضرت علیؓ کی گفتگو کا یہ فقرہ نقل ہوا ہے۔

ولکنك سید بنی کنانة	لیکن تم بنی کنانہ کے سردار ہو
(طبری ج ۳ ص ۱۱۲ و جوامع السیرة ص ۲۲۷ و دیگر کتب)	

۲۔ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے رومی عیسائیوں کی دشمن اسلام زبردست طاقت کے مقابلہ میں جب مجاہدین اسلام کے دستے بھیجنا شروع کئے قیس بن ہبیرہ بن مکشوح المرادی بھی اپنے قبیلے کے غازیوں کے ساتھ حضرت موصوف کی خدمت میں آئے وہ حرب وضرب کے ماہر شجیع و بہادر تھے حضرت صدیق اکبرؓ نے اثنائے گفتگو میں اُن سے فرمایا۔

انك شریف بأس سید مجرب	تم تو شریف دلیر اور سردار آزمودہ کار ہو۔
(فتوح الشام ازدی ص ۲ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء)	

۳۔ امیر المومنین عمر فاروقؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو سفیانؓ سردار قریش کا اکرام کرتے گدّے پر اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

وکان عمر بن الخطاب یفرش له	حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ خلافت میں
فراش فی بیته فلا یجلس علیه	ان کے گھر میں نشست کے لئے فرش بچھایا
احد الا العباس بن عبد المطلب	جاتا اس پر سوائے حضرت عباس بن

وابوسفیان بن حرب ۔

(العقد الفرید ج ص ۲۹۳)

عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور کوئی نہ بیٹھتا تھا۔

ابوالجہم بن حذیفہ العدوی نے جو حضرت عمرؓ کے قبیلے کے تھے ایک مرتبہ جب یہ کہا تھا کہ ہم کو بنو عبد مناف سے توقع کسی راحت کے پہنچنے کی نہیں حضرت عمرؓ نے اس پر فرمایا۔

ھٰذا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا سید قریش

(شرح ابن ابی الحدید ج ص ۴۸)

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں (یعنی حضرت عباسؓ) اور یہ سردار قریش ہیں (یعنی حضرت ابوسفیانؓ)

۴۔ احنف بن قیس مشہور تابعی اپنی قوم کے وفد کے ساتھ بصرے سے امیرالمومنین عمرالفاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنی قوم کے سردار (سید) تھے اہل بصرہ کے معاملات پیش کرتے ہوئے ایسی فصیح و برجستہ تقریر کی کہ امیرالمومنین نے سنکر فرمایا۔

ھذا واللہ السیّد ھذا واللہ السیّد

(العقد الفرید ج ص ۱۹۱)

یہ شخص واللہ سردار ہے یہ شخص واللہ سردار ہے۔

ان ہی احنف کو امیرالمومنین نے جہاد خراسان پر متعین کیا تھا جہاں خدمات لائقہ انجام دیں ان کے دوسرے کوئی عزیزوں کو جو اپنی قوم کے اکابرین سے تھے ابن قتیبہ نے کہا ہے سیّدھم بالکوفۃ (المعارف ص ۱۸۲)

۵۔ حضرت ابی بن کعب انصاریؓ کاتب وحی اور سابقون الاولون میں سے تھے۔ خلافت فاروقی میں جب ان کی وفات ہوئی امیرالمومنین نے فرمایا تھا۔

الیوم مات سیّد المسلمین

(المعارف ص ۱۱۳)

مسلمانوں کے سردار کی آج وفات ہوگئی۔

۶۔ حضرت بلال بن رباحؓ نسباً حبشی تھے اور ایک قریشی کے غلام بھی ان کا آقا اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انھیں سخت اذیتیں دیا کرتا تھا حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے رقم ادا کر کے انھیں آزاد کرا دیا تھا امیرالمومنین عمرالفاروقؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

ابوبکر سیّدنا واعتق

ابوبکر ہمارے سردار تھے اور انھوں نے

سَیِّدنا یرید بلالاً۔	ہمارے (دوسرے) سردار کو آزاد کرایا
(صحیح بخاری والعقد الفرید ج ۲ ص۹۵)	تھا۔ اس سے مراد حضرت بلالؓ تھے۔

۲؎ حیی بن اخطب بنی النضیر و بنو قریظہ یہود کا سردار تھا اس کی دختر صفیہ جنگی قیدیوں میں شامل ہو کر آئیں حضرت دحیہؓ صحابی کے حصہ میں دے دی گئیں اس پر ایک اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

یانبی اللہ! أعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی سَیِّدۃ بنی قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳)	یانبی اللہ! صفیہ بنت حیی بنو قریظہ و بنو النضیر کی سیّدہ کو آپ نے دحیہ کو عطا فرما دیا ہے مگر وہ تو آپ کے سوائے کسی دوسرے کے شایاں نہیں۔

اسی طرح اور متعدد اقوال صحابہ کرامؓ کے کتب سِیَر و تاریخ میں جا بجا ملتے ہیں جن میں ان حضرات نے اپنی مادری زبان کے اس لفظ سَیِّد کو اس کے اصلی اور صحیح مفہوم یعنی سردار و سربراہ یا مالک و آقا کے معنی میں استعمال کیا ہے، اظہار نسب و قومیت میں کبھی نہیں۔

لفظ سیّد شعرائے عرب کے کلام میں

ہر زبان کے کسی لفظ کے صحیح مفہوم اور استعمال کے لئے اس زبان کے مستند شعراء کے کلام سے سند لی جاتی ہے۔ عرب شعراء کے کلام میں لفظ سیّد سردار و سربراہ و مالک و آقا ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے قومیت و نسبی نسبت کے اظہار میں کبھی نہیں۔ چند مثالیں اس کی بھی ملاحظہ ہوں۔

حماسہ (ابی تمام) کا مشہور شعر ہے:-

[1] اذا سَیِّد منا خلا قام سَیِّد	قؤول لما قال الکرام فعول
جب کوئی سردار ہم میں سے گذر جاتا ہے تو دوسرا سردار اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے	اور وہ وہی باتیں کرتا ہے جو پہلا سردار کیا کرتا تھا۔

۱؎ ۲۹۵ھ میں جب امیر المومنین المقتدر باللہ عباسیؒ سریر آرائے خلافت ہوئے اس وقت ابو جعفر بن ابی موسیٰ الحنبلی نے بیعت کرتے وقت حماسہ کے اسی شعر کا پہلا مصرعہ یوں پڑھا اذا سیّد منا مضی قام سیّد دوسرا مصرعہ اس وقت ذہن میں نہ آیا۔ ([illegible])

۲۔ المفضلیات (المفضل الضبی) کا یہ شعر لفظ سیّد کے صحیح مفہوم میں ہے۔

یا سیّد ما انت من سیّد   مُوَطَّأ البیت رحیب الذراع

اے سردار! اور کیا ہی سردار!   جس گھر کا راستہ مہمان کیلئے ہموار رہتا ہے

۳۔ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ کے دیوان میں بھی مندرجہ بالا شعر کے ہی مفہوم میں یہ شعر ہے:

اذا مات منا سیّد ساد مثله   رحیب الذراع بالسیادة تحضرم

جب کوئی سردار ہم میں سے فوت ہو جاتا ہے   اور وہ دریا دلی کے ساتھ مہمانی کرتا ہے

تو دوسرا اس کی مثل سردار بن جاتا ہے

۴۔ بنو ہاشم و بنو اُمیّہ کے جد امجد عبد مناف بن قصی کا نام مغیرہ تھا کتاب المحبر میں ان کے اور ان کی اولاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

فھولاء سادة قریش حنا عنتھم (ص۱۶۳) | یہ لوگ قریش کے سردار اور ان کے سنبھالنے والے تھے۔

پھر یہ تین شعر مطرود بن کعب الخزاعی کے نقل کئے ہیں جن میں لفظ سیّد سردار و سربراہ کے ہی معنی میں متعدد جگہ آیا ہے:۔

اِن المغیرات وابناء ھم   لخیر آباء وامھاتٍ[1]

آل مغیرہ (عبد مناف) اور ان کی نسل والے   بہترین ماں باپ کے ہیں

لبیض فیض کلھم سیّد   ابناء سادات لسادات

گوری چٹی یعنی شریف عورتوں کے بطن سے   اور جو سرداروں کی اولاد سے ہیں وہ بھی

ہیں اور سب کے سب سردار ہیں   سب سردار تھے۔

(بقایا از صفحہ ۲۶ کا) امیر المومنین موصوف نے جو بقول علامہ ابن کثیرؒ حسن صورت و حسن سیرت دونوں اعتبار سے فی غایة الجمال تھے خود ہی دوسرا مصرعہ جسته پڑھ دیا یعنی قؤول لما قال الکرام فعول۔ الشریف ابو جعفر نے پہلے مصرعہ میں لفظ خلا کے بجائے مضیٰ پڑھا تھا یعنی اذا سیّد منا مضیٰ قام سیّد۔ (البدایہ ج۱۲ ص۱۱۱)

[1] بلاذری نے یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے ع لخیر احیاء و اموات یعنی زندوں و مردوں سب کا بہترین۔

اخلصهم عبد مناف فهم — من لوم من لام بمنجاة

ان میں خالص نسب کے عبد مناف ہیں — اور ملامت کرنے والے کی وہاں تک رسائی نہیں

۵۔ اعشیٰ مشہور شاعر تھے نام عبد اللہ بن اعور المازنی تھا یہ ایک معاملہ میں دادخواہی کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں آئے اور عرض مطلب کے لئے چند شعر کہے جن میں پہلے یہ دو شعر تھے۔

یا سیّد الناس ودیّان العرب — ینمی الی ذروة عبد المطلب

اے سردار عالم! اے شہ عرب — اے عبد المطلب کے نام روشن کرنے والے

تلک قرم سادة قدما نجب — الیک اشکو ذربة من الذرب

اے وہ جو سرداروں کی اولاد نجیب الطرفین گھرانے کا فرد ہے۔ — میں تیرے آگے اس کی زبان درازی کی شکایت کرتا ہوں

۶۔ سلم بن نوفل بنی کنانہ کا سردار تھا (ز ... عقد فرید) اس کے بیٹے اور بھتیجے کو ... نے ... کیا اور مجروح کر دیا۔ یہ مدعیان اسے پکڑ لائے اور اپنے باپ و چچا سے زیادتی اور ظلم کا انتقام ہوئے سلم بن نوفل نے سمجھایا سرداری کے شایاں تو یہ بات ہے کہ غیظ و غضب کو پی جائیں جہلا کی زیادتیوں کو برداشت کریں اور تحمل سے پیش آئیں چنانچہ حملہ آور کو چھوڑ دیا گیا اسی پر ایک شاعر نے کہا تھا۔

یسود اقوام ولیسوا بسادة — بل السیّد الصندید سلم بن نوفل

بہت سے لوگ سردار تو بنتے ہیں لیکن سردار ہوتے نہیں — سرداروں کا سردار تو سلم بن نوفل ہی ہے

۷۔ عبد مناف بن قصی کے بھائی عبد العزیٰ بن قصی کی نسل میں علی بن عبد الرحمٰن بن ابی البختری بن ہاشم بن الحارث بن اسد بن عبد العزیٰ بڑا بہادر اور دلیر نوجوان تھا اور اسی خاندان اسدی کی خاتون برّہ بنت سعید بن الاسود بن ابی البختری کے بطن سے تھا حرورہ میں خوارج کے ہاتھ سے قتل ہو گیا شاعروں نے اس کے مرثیے کہے جن کی بیتیں برسوں زبان پر تھیں ایک بیت میں اسے سیّد الشباب (جوانوں کا سردار) کہا گیا ہے یعنی۔

یا علیّ بن برّة یا سیّد الشباب — یا علی برة یا قاطع السخاب

اے علی برہ کے لخت جگر اے جوانوں کے سردار — اے علی برّہ کے سپوت! اے قلادہ کاٹنے والے

اسی طرح صدہا اشعار میں لفظ سید سرور، سردار، و سربراہ وغیرہ ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قومیت و نسب کے اظہار میں کبھی نہیں۔

کتب سیر و تاریخ و انساب میں سید کا مفہوم

کتب سیر و تاریخ و انساب میں خواہ متقدمین کی تصنیف سے ہوں یا متاخرین کی یعنی آٹھویں نویں صدی ہجری تک کی تصانیف میں سید و سادات و اشراف نیز کبیر و زعیم و عظیم الفاظ سردار یا قبائل و اکابر خاندان کی امتیازی حیثیت کے اظہار میں مستعمل ہوئے ہیں کسی فرد یا خاندان کی قومیت و نسب کے لئے ہرگز نہیں۔

قبیلہ قریش میں مخزومی خاندان ممتاز و مقتدر خاندان تھا اس کے سردار الولید بن مغیرہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

والولید سید من سادات قریش
(حیات محمد ص۱)

اور ولید قریش کے سرداروں میں ایک سردار تھا

اپنے دل میں تو نبوت کا مقر تھا مگر غرور سیادت (سرداری) سے ایک مرتبہ کہہ اٹھا کہ

اینزل علی محمد و اترک انا کبیر قریش وسیدھا ویترک ابو مسعود عمرو بن عمیر الثقفی سید ثقیف ونحن عظیما القریتین۔
(ایضاً)

یہ کیا بات کہ نبوت تو محمد کو عطا ہو اور مجھ جیسے بزرگ قریش اور سردار کو محروم کیا جائے اسی طرح ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی کو بھی ترک کیا جائے جو قبیلہ ثقیف کا سردار ہے حالانکہ ان دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے بڑے بزرگ تو ہم دونوں ہیں۔

مفسرین کا قول ہے کہ کلام پاک کی اس آیت میں ولید کی سرداری کے اسی گھمنڈ کی جانب اشارہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

اور کہا انہوں نے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیا وہ تمہارے رب کی رحمت بانٹتے ہیں ہم نے ان کی زیست کا سامان دنیا کی

الدُّنیا ۔ زندگی میں بانٹا ہے ۔

سورۂ زخرف ،

مندرجہ بالا آیت میں اور اس سے قبل کی عبارت میں رَجُلٌ عَظِیمٌ قوم، سید و سادات وکبیر الفاظ سے اشخاص کی ذاتی و صفاتی حیثیت کا اظہار ہے نہ کسی کی قومیت و نسب کا ۔ عرب جاہلیت کے تاریخی واقعات زیادہ تر لڑائی جھگڑوں اور خونریزیوں کے ہیں ۔ علامہ ابن عبد ربہ نے العقد الفرید جلد ثالث کے سولھویں باب میں بعنوان فی ایام العرب و وقائعہا عرب قبائل کی خانہ جنگیوں کے حالات لکھے ہیں ان میں جا بجا ان کے سادات یعنی قائدین کا ذکر ہے ۔ مثلاً معرکہ شملہ میں جو حرب فجار کا آخری معرکہ تھا اس میں ہر قبیلہ کا سردار مع اپنے قبیلے کے شریک تھا جن کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

وعلیٰ کل قبیلة من قریش وکنانة سیّدھا وکان علیٰ بنی قیس عیلان امر کنانة کلھا الیٰ حرب بن امیة وعلیٰ احد مجنبتیھا عبد اللہ بن جدعان وعلی الاخری کریز بن ربیعة وحرب بن امیة فی القلب وامر ھوازن کلھا الیٰ مسعود بن معتب الثقفی ۔

صفحہ ۳۳

قریش و کنانہ کے ہر قبیلہ کی کمان اس کا سردار کر رہا تھا اور اسی طرح قیس کے قبیلوں کی ان کے سردار البتہ قبائل کنانہ (یعنی قریش و غیر قریش) کی کمان کلیتاً حرب بن امیہ کر رہا تھا ۔ پچھلے ایک دستہ پر عبد اللہ بن جدعان تھا اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ (حضرت عثمان کے نانا) حرب بن امیہ لشکر کے قلب میں تھا اور قبیلہ ہوازن کی قیادت مسعود بن معتب کر رہا تھا ۔

یہی یوم شملہ حرب فجار کی وہ لڑائی تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تایا زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ موجود تھے اور زبیر بن عبد المطلب اپنے خاندان کے سردار کی حیثیت سے شریک جنگ تھے ۔ بلاذری و کتاب المحبر کے مؤلف نے ان سادات قبائل کا نام بنام ذکر کیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ بنی ہاشم کے سالار زبیر بن عبد المطلب تھے ۔ بنی عبد شمس اور ان کے حلیفوں کے حرب بن امیہ ، بنی عبد الدار اور ان کے حلیفوں کے عکرمہ بن ہاشم (بن عبد مناف بن عبد الدار) اور بنی اسد کے خویلد بن اسد (حضرت

لے یاقوت حموی نے اس کا نام ط کے بجائے ظ سے شمظة لکھا ہے ۔

خدیجہ ام المومنین کے والد) بنی زہرہ کے مخرمہ بن نوفل (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے ماموں) بنی مخزوم کے ہشام بن المغیرہ، بنی سہم کے العاص بن وائل حضرت عمرو فاتح مصر کے والد، بنی عدی کے زید عمرو بن نفیل (حضرت عمرؓ کے چچیرے بھائی) یہ سب سالار و قائد اپنے خاندان و قبیلہ کے سیّد یعنی سردار تھے۔

بعض قریشی خاندانوں میں سرداری و سربراہی کئی پشت تک رہی مثلاً بنی امیہ میں حرب بن امیہ کے بعد ان کے فرزند ابوسفیانؓ بن حرب ہوئے زمانہ اسلام میں جیوش اسلامی کی سپہ سالاری ان کے فرزند حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان پھر ان کے فرزند امیر یزیدؒ بن معاویہؓ امیر یزید کے بیٹے پوتے بھی اپنے زمانہ میں فضائل ذاتی کی بنا پر سیّد کہلاتے تھے۔ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

حرب بن خالد بن یزید بن معاویۃ ویزید بن خالد بن یزید بن معاویۃ کانا سیّدین

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۰۳)

حرب بن خالد بن یزید بن معاویہ و یزید بن خالد بن یزید بن معاویہ یہ دونوں سردار تھے۔

اسی خاندان اموی میں حضرت سعید بن العاصؓ بن سعید بن العاص بن امیہ سے متعلق جو صحابہ صغار میں سے تھے ابن کثیر لکھتے ہیں۔

کان من سادات المسلمین والاجواد المشہورین وکان جدہ سعید بن العاص رئیسًا فی قریش یقال لہ ذو التاج۔

وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے اور مشہور سخی لوگوں میں سے تھے ان کے دادا سعید بن العاص قریش کے رئیس تھے جو صاحب تاج کہلاتے تھے۔

یہ اموی و مخزومی سادات فضائل ذاتی اور سرداری کے سبب سیّد کہلاتے تھے ان کے اخلاف نے اپنے باپ دادا کے سیّد کہلانے کی بنا پر کبھی اپنے کو نسبًا سیّد کہا اور نہ سیادت نسبی کے مدعی ہوئے۔ دوسرے قریشی خاندان سہمی و تیمی وغیرہ امویوں اور مخزومیوں کی بہ نسبت کم مشہور و معروف ہیں لیکن ان کے سربراہ و سردار بھی سیّد کہلاتے تھے۔ اب چند مثالیں ان کی بھی ملاحظہ کیجئے۔

بنو سہم۔ اس قریشی خاندان میں قیس بن عدی اپنے زمانہ کے بڑی ذی وجاہت

سردار تھے۔

قیس بن عدی کان سید قریش فی زمانہ (کتاب نسب قریش ص۴۰۲)	قیس بن عدی اپنے زمانہ میں قریش کے سردار تھے۔

مولف کتاب قریش نے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب قیس مذکور کی اعلیٰ منزلت کے اس درجہ معترف تھے کہ اپنے چھوٹے بچے کو جب ہاتوں پر جھلاتے ایک شعر گنگناتے جاتے جس کے پہلے مصرعہ کا مضمون تھا کہ یہ میرا بیٹا شرف و عزت میں قیس بن عدی جیسا ہو۔ کانّہٗ فی العزّ قیس بن عدی۔ انہی قیس کے پوتے خنیس بن حذافہؓ صحابی تھے، غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے ان ہی کی بیوہ حضرت عمر الفاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ تھیں جو ان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور اُم المومنین ہوئیں۔ قیس بن عدی کی بھتیجی ختمہ حضرت عمر الفاروقؓ کی حقیقی ماں تھیں۔ سہمی خاندان کی قرابت ہاشمیوں سے بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیری بہن اروی بنت الحارث بن عبدالمطلب ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی کی زوجہ تھیں اور ابو وداعہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تجارت بھی رہے تھے۔

قیس بن عدی کے چچا کی اولاد میں نبیہ بن الحجاج سہمی بھی اپنی قوم کا سردار تھا یعنی سید بنی سہم (جمہرہ ابن حزم ص۱۵۴) اس کا بھتیجا العاصی بن منبہ غزوہ بدر میں مارا گیا تھا مشہور تلوار ذوالفقار اسی العاصی کی تھی جو اس کے مقتول ہو جانے پر مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے العاصی سہمی کی یہ تلوار غزوہ احد میں حضرت علیؓ کو عطا فرما دی تھی۔

بنو جمح۔ سہمی خاندان کے مورث اعلیٰ سہم بن عمرو کا حقیقی بھائی جمح بن عمرو تھا اس کی اولاد بنو جمح کہلائی ان میں صفوان بن امیہ بن خلف بن جمح مذکور سردار خاندان تھے یعنی سید (جمہرہ ابن حزم) اور ان کے دونوں بیٹے عبدالرحمن و عبداللہ اکبر بھی کہلاتا سید تھے (جمہرہ ص۱۵۰) یہ صفوان ابتداء میں اسلام کے سخت مخالفین میں تھے فتح مکہ کے بعد مکہ سے دوسرے قائدین کی طرح بھاگ گئے تھے ان کے ایک مسلمان عزیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا سید قومی یا رب خوفاً (انساب الاشراف بلاذری ج۱ ص۳۶۱)

کہ میری قوم کا سردار خوف کی وجہ سے بھاگ گیا ہے رحمۃ اللعالمین نے امان دی پھر یہ آ گئے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی خاندان میں وہب بھی سردار تھے کان سَیِّد بنی جمح (کتاب موریخ صـــ۹۲)

بنو معیص۔ اس قریشی خاندان کا سلسلۂ نسب یہ ہے معیص بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر (لقب قریش)۔ بنو معیص میں رواحہ بن المنقذ بن عمرو بن معیص سردار خاندان تھے وکان سَیِّدًا (جمہرہ ابن حزم صـــ۱۶۹) رواحہ کے بھائی الحارث کی اولاد میں بکر بن حفص وغیرہ بھی اسی منزلت کے تھے۔ ابن حزم نے ان کے بارے میں لکھا ہے من سادات قریش (صـــ۱۶۱) یعنی یہ لوگ سرداران قریش سے تھے۔

غیر قریشی قبیلے

انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج کے سادات (سرداروں) کا ذکر آ چکا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انصاریوں کو زبان مبارک سے سَیِّد فرمایا تھا نیز قبیلہ ثقیف کے ایک شخص کو۔ اب چند دوسرے غیر قریشی خاندانوں کے سادات (سرداروں) کی مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ ہوازن :۔ ان کی متعدد شاخیں تھیں ان میں بنو جشم کا سردار درید بن الصمہ تھا۔

کان درید رئیس بنی جشم وسیدہم (طبری ج صـــ۱۲۷)	درید بنی جشم کا رئیس اور ان کا سردار تھا

عہد جاہلیہ میں قریش وبنو کنانہ وہوازن کے مابین چار مختلف اوقات میں جدال و قتال کے معرکے ہوئے تھے آخری لڑائی اس وقت ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف بروایت مختلف چودہ پندرہ برس کا تھا آپ کے تایا زبیر بن عبد المطلب سردار بنی ہاشم شریک جنگ تھے۔ آپ اپنے ان تایا کے ساتھ تھے تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ سبب اس جنگ کا یہ تھا کہ ہوازن کے سردار عروہ کو ایک شخص البراض الضمری نے دھوکے سے قتل کر دیا تھا نیز اس کے دو ساتھیوں کو بھی۔ یہ لڑائی حرب الفجار کہلاتی ہے اس کے ذکر میں سردار ہوازن کے بارے میں کہا گیا ہے "عروہ سید ہوازن" (العقد الفرید ج صـــ) نیز اس کے قتل کا بدلہ قریش کے دو سرداروں کی مار سے

جانے کے بارے میں لکھا ہے "ارادوا ان یقتلوا به سیدا من قریش"۔

(العقد الفرید ج ۳ ص ۲۲۷)

۲۔ بنو قضاعہ:۔ اور حشم بن عمرو بن سعد اپنے خاندان بنو نہد کا سردار تھا:۔

کان حشم سید بنی نہد فی زمانہ (العقد الفرید ص ۲۲۷)	اور حشم اپنے زمانہ میں بنو نہد کا سردار تھا۔
۳۔ بنو ضبیعة۔ الحارث بن عبد بن دوفن وکان سید ضبیعة فی الجاهلیة۔ (المعارف ص ۱۱)	الحارث بن عبد اللہ بن دوفن زمانہ جاہلیت میں ضبیعہ کا سردار تھا۔
۴۔ بنو غطفان:۔ ومنهم حذیفة بن بدر سید غطفان (المعارف ص ۳۱)	اور ان میں حذیفہ بن بدر غطفان کا سردار تھا۔
۵۔ ہمدان۔ کان سعید بن قران سید ہمدان۔ (کتاب المحبر ص ۳۰)	اور سعید بن قران ہمدانی سردار ہمدان تھے۔
۶۔ غسان:۔ کان عبید بن اوس الغسانی سید اهل الشام (کتاب المحبر ص ۲۴۳)	عبید بن اوس غسانی اہل شام کے سردار تھے۔

۷۔ حمیر:۔ رشید بن عریب بن ابرہہ بن الصباح جو حمیر کے فرمانروا کے پروتے ہوتے تھے اور ملک شام میں آ بسے تھے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

کان سید حمیر بالشام (العقد الفرید ج ۲ ص ۲۲۷)	وہ ملک شام میں قبیلہ حمیر کے سردار تھے۔

اسی ابرہہ بن الصباح شاہ حمیر کے پوتے یزید بن ابی شمشا معدی کرب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت سعد بن عباسؓ کی دختر سیدہ لکھا افریقیہ کی خاتون کے بطن سے تھیں شادی ہوئی تھی ان کے فرزند النضر بن

یہ یمم حمیری کا فضائل ذاتی کی بنا پر اہل شام کے سادات میں شمار تھا۔

کان النضر سیّداً من سادات اہل الشام (کتاب نسب قریش ص۳۱۰)

اور نضر اہل شام کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔

۸۔ بنو ذھل :۔ یہ ایک شاخ قبیلہ ربیعہ کی تھی ان الحرث بن وعلہ سردار تھا۔

الحرث بن وعلة كان سیّداً شریفاً (العقد الفرید ج ۲ ص۲۳۴)

الحرث بن وعلہ سردار اور صاحب شرف تھا۔

۹۔ بنو قیس :۔ بنو ذھل کے بنو العم قیس بن ثعلبہ میں جعد بن قیس اپنے خاندان کا سربراہ تھا۔

الجعد بن قیس کان شریفاً سیّداً (العقد الفرید ج ۲ ص۲۳۴)

الجعد بن قیس سردار و صاحب شرف تھا۔

۱۰۔ بنو عجل :۔ یہ بھی ربیعہ کی ایک شاخ تھی ان میں حنظلہ سردار خاندان اور ذی قار کی مشہور جنگ میں قائد تھا۔

حنظلة بن ثعلبة بن سیار کان سیّد بنی عجل یوم ذی قار۔ (العقد الفرید ج ۲ ص۲۳۴)

حنظلہ بن ثعلبہ بن سیار جنگ ذی قار میں بنو عجل کا سردار تھا۔

۱۱۔ شیبان۔ مصلقہ بن ہبیرہ اس خاندان کا سردار تھا۔ بنو شیبان بھی ربیعہ کی ایک شاخ تھی۔

مصلقة بن هبیرة کان سیّداً شریفاً۔

مصلقہ بن ہبیرہ سردار و صاحب شرف تھا

۱۲۔ بنو المصطلق۔ یہ خزاعی خاندان تھا اس کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ اس کی صاحبزادی حضرت جویریہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

کانت جویریة بنت الحارث بن ابی ضرار سیّد بنی المصطلق (جوامع السیرابن حزم ص۲۶)

جویریہؓ بنی مصطلق کے سردار الحارث بن ابی ضرار کی دختر تھیں۔

ان ہی چند مثالوں سے آپ کو واضح ہو گیا کہ اہل عرب عہد جاہلیت میں ہوں یا زمانۂ اسلام کے اپنی مادری زبان کے لفظ سیّد کو نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال

نہیں کرتے تھے خصوصاً عرب جاہلیت جو نسبی قبیلوں اور تفاخر بالآباء کے بری طرح خوگر تھے اپنے خاندانی سرداروں کو منصب سرداری کے اعتبار سے سید کہتے تھے نسب اپنا اپنی خاندانی نسبت سے بتاتے تھے جس پر ان کو فخر و ناز بھی ہوتا۔ ان کی شاعری کا جزو غالب یہی نسبی و قبائلی مفاخرہ ہی تھا۔ جاہلی شعراء کے کلام میں جس کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں لفظ سید سردار و سربراہ و مالک و آقا ہی کے معنی میں آیا ہے اظہار نسب میں کہیں نہیں۔

وحدت انسانی

اسلامی برکات میں توحید پرستانی کے عقیدے کے ساتھ ساتھ وحدت انسانی کا نظریہ بھی ہے اسی نے عربوں کی ذہنیت میں انقلاب عظیم پیدا کر کے نسلی و نسبی نخوت اور فخر و مباہات کی کایا پلٹ دی تھی حمیت جاہلیہ و عصبیت خاندانی کی جگہ تقویٰ و پرہیزگاری، مساوات و اخوت نے لے لی تھی۔ خاندان اور قبیلے سے انتساب غرور و نخوت کے لئے نہیں محض تعارف اور پہچان کے لئے رہ گیا چنانچہ فرما دیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(الحجرات)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک نر و مادہ (مرد و عورت) سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیئے تاکہ باہم جانو پہچانو تحقیق کہ خدا کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے اللہ سب کچھ جانتا اور خبر رکھتا ہے

قریش نے جو نخوت نسبی میں بہت زیادہ مبتلا تھے اپنے مرکزی مقام میں پتھر کے محسوس بتوں کے ساتھ حسب و نسب کے گھمنڈ کا ایک معنوی بت بھی گھڑ رکھا تھا فتح مکہ کے وقت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ سے سیکڑوں بتوں کو جہاں مسمار کر دیا تھا حسب و نسب کے غرور و فخر کے بت کا بھی قلع قمع کر دیا اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا۔

يا معشر قريش! ان الله قد اذهب نخوة الجاهلية وتكبرها بالآباء كلكم من آدم وآدم من تراب

اے دوستان قریش! اللہ نے جاہلیت کے غرور و باپ دادا پر فخر کرنے کو آج سے مٹا ڈالا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کا خمیر مٹی سے تھا۔

فرمانِ والاشان حضرت سیدالمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) بنام سلطانِ مقوقس (حاکمِ مصر)

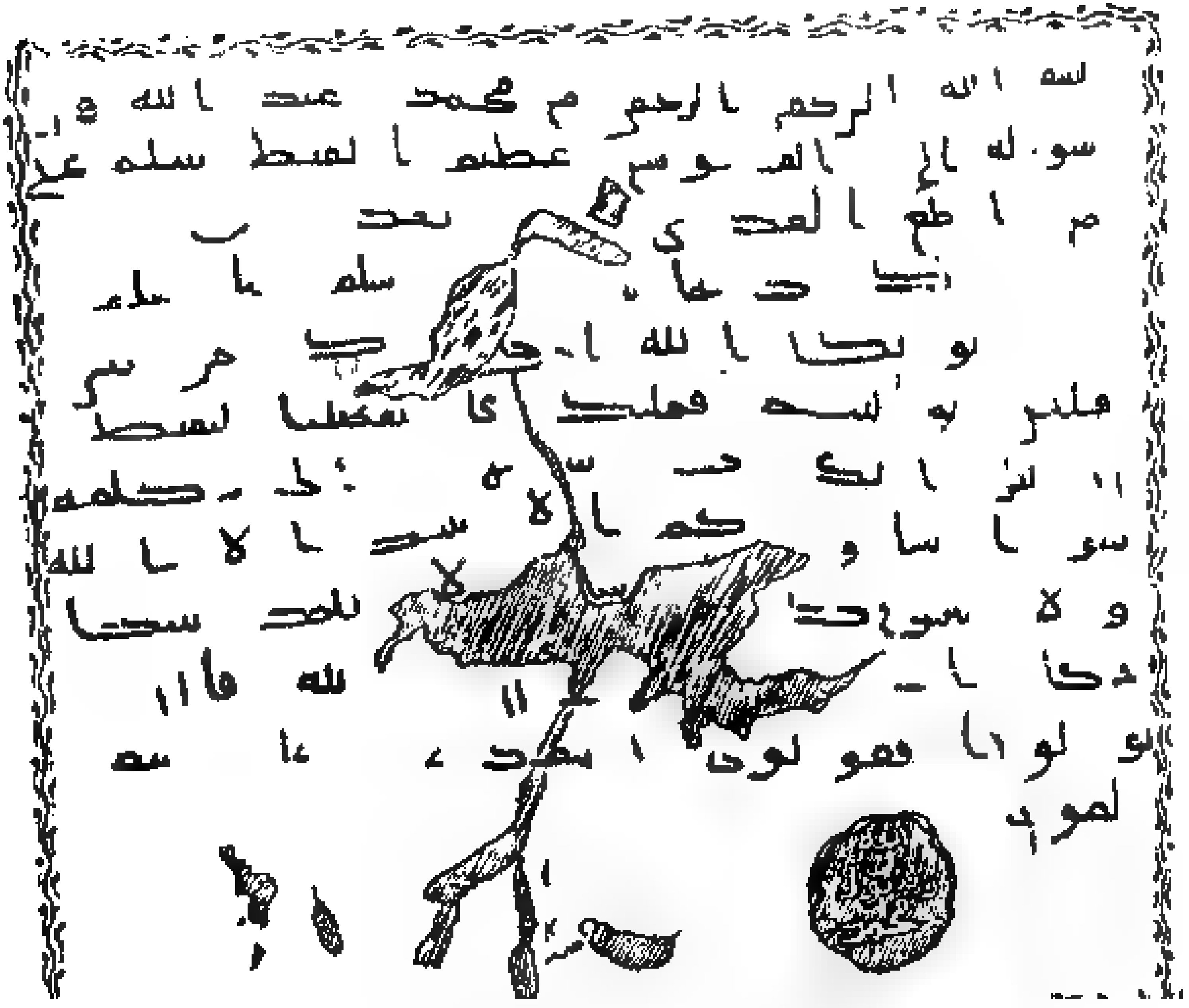

پھر سورۂ الحجرات کی مندرجہ بالا آیت تلاوت فرما کر وحدت انسانی کی تلقین کی ۔
حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں اپنی امت کو جو نصیحتیں اور وصیتیں فرمائی تھیں حاضرین کو جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی یہ حقیقت بتاتے اور ذہن نشین کراتے ہوئے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ صراحتاً اعلان فرما دیا تھا کہ باعتبار نسب و تخلیق کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ۔ ارشاد ہوا تھا۔

یَا اَیُّھَا النَّاس! اِلَّا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِد وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر اِلَّا بالتقویٰ

اے لوگو! خوب جان لو کہ تمہارا پروردگار بھی تنہا (ایک) ہے اور تم سب کا باپ (آدم) بھی ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری نہیں ہاں مگر پرہیزگاری کے طفیل۔

فرامین نبوی و مکاتیب صحابہ کرام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سب انسانوں سے بلند و برتر ہے آپ سید البشر سیدنا بوجوہ ہیں مگر اسم مبارک کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہ کبھی کہلوایا اور نہ لکھوایا آپ کے متعدد نامہ ہائے مبارک اور فرامین کتب سیر و تاریخ میں نقل ہیں جن میں اسم گرامی اس طرح تحریر ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم - من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس......،

خطوط و تحریرات پر مہر کرنے کے لئے جو انگشتری بنوائی تھی اس میں "محمد رسول اللہ" تین سطروں میں اس طرح نقش کرایا تھا محمد رسول اللہ ۔ امت کی خوش بختی سے دو نامہ ہائے مبارک تبرکات نبویہ کی صورت میں موجود ہیں ایک مقوقس حاکم مصر کے نام اور دوسرا منذر بن ساوی حاکم بحرین کے موسومہ۔ پہلے فرمان کا عکس یہاں شامل کیا جاتا ہے۔

مکاتیب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ آپ کی سنت کے اتباع میں خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا یہی دستور العمل رہا۔ آپ کے مکتوبات اور فرامین فتوح الشام مولفہ ابو اسمٰعیل محمد الازدی میں نیز دوسری کتب میں موجود ہیں جو بیشتر امرائے جیوش اسلامی کے موسومہ ہیں یعنی حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ و یزید بن ابوسفیانؓ و خالد بن ولیدؓ سیف اللہ وغیرہم کے نام۔ پھر ان حضرات کی تحریرات اور واقعات کی سرگزشت ہیں۔ کاتب و مکتوب الیہ کے اسم و اسی سادہ طرز پر بغیر کسی تعظیمی لفظ سید وغیرہ کے لکھے گئے ہیں مثلاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من عبد اللہ ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ الی عبیدۃ بن الجراح

دیکھئے اس سرنامہ کی اس عبارت "من عبد اللہ" کے بندے ابوبکر خلیفہ رسول اللہ" کے الفاظ میں تفاخر نسبی تو کجا نہ ولایت کا اظہار ہے اور خاندان و قبیلہ کا اور نہ سردار و سربراہ ملت کی حیثیت سے لفظ سید کا۔

امراء بھی اسی سادگی سے نام اور منصب لکھتے جو مکتوب بھیجتے سرنامہ کی عبارت مثلاً یہ ہوتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لعبد اللہ ابی بکر خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ من ابی عبیدۃ بن الجراح ....

(فتوح الشام ازدی ص۳۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو عبیدہ بن الجراح کی جانب سے۔

مکاتیب امیر المومنین عمرؓ و دیگر خلفاء

حضرت عمر الفاروقؓ حضرت ابوبکر الصدیقؓ خلیفہ رسول اللہ کے جانشین و خلیفہ ہوئے انہیں "خلیفۂ خلیفہ رسول اللہ" سے مخاطب کرنا تکلف سے خالی نہ تھا۔ حسن اتفاق سے چند دن بعد لبید بن ربیعہؓ کوفہ سے مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھ گچھ کرکے کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ اس مختصر سے لقب امیر المومنین کو سب ہی نے

پسند کیا حضرت نے اس وقت سے حضرت عمرؓ کو نام یا کنیت سے انھیں مخاطب نہ کرتے امیر المومنین ہی کہہ کر خطاب کرتے چنانچہ ابو اسمٰعیل محمد الازدی کی کتاب فتوح الشام میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب ملک شام جانے کا قصد کیا تو صحابہ سے مشورہ کیا حضرت عثمانؓ وغیرہ جب اپنی رائے دے چکے حضرت عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا کہ تم صاحب کو کچھ اور کہنا ہے حضرت علیؓ نے کہا "نعم یا امیر المومنین" (جی ہاں۔ امیر المومنین) پھر مختصر سی تقریر کی۔ اور مخاطب میں یہی الفاظ کہے (ص۳۳ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) بلا شبہ باعتبار ان عظیم صفات اور بے مثال کارناموں کے جو حضرت عمرؓ نے تعمیر ملت کے سلسلہ میں انجام دیے اس لقب کے لئے سب سے زیادہ وہی موزوں و مستحق تھے۔ ان کے سوا جلیل القدر صحابہ ان کو سید المسلمین جانتے تھے اور ان کے گوناگوں صفات اور اوصاف حمیدہ کے معترف تھے۔ اپنی پاک زندگی کے آخری لمحات میں جب امیر المومنین حسرت سے کہنے لگے ویل عمر وویل امه ان لم یغفر الله لی یعنی برا ہو عمر اور اس کی ماں کا اگر اللہ اس کی مغفرت نہ کرے۔ حضرت ابن عباسؓ پاس بیٹھے تھے حضرت عمرؓ کے منہ سے یہ حسرت آمیز کلمات سنکر انھوں نے کہا۔

فوالله لقد كان اسلامك عزاً و امارتك فتحاً ولقد ملأت الارض عدلاً فقال اتشهد لي بذلك يا ابن عباس! فقال له علي قل نعم وانا معك۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ص ۱۱۱)

قسم بخدا آپ کا اسلام لانا تو اسلام کی عزت کا موجب ہوا، آپ کی امارت (خلافت) اسلام کی فتح کا باعث ہوئی۔ آپ نے تو عدل و انصاف سے دنیا کو بھر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابن عباس! کیا تم خدا کے سامنے اس کی شہادت دو گے حضرت علیؓ نے اس پر ابن عباسؓ سے کہا کہدو ہاں اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں یعنی شہادت دینے کو۔

یہاں یہ ذکر اس سلسلہ میں آ گیا کہ لقب امیر المومنین حضرت عمرؓ ہی کے لئے سب سے پہلے تجویز ہوا تھا ان کے بعد سب خلفاء امیر المومنین کہلائے۔ مکتوبات و فرامین میں یہی لقب لکھا جاتا مگر عہد نبوی بہ سادہ عبارت میں۔ نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ نہ ہوتا صرف اللہ کے بندے (عبداللہ) کے لفظ ہوتے نہ سیدنا نہ شریف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من عبد اللہ عمر امیر المومنین الی عبیدۃ بن الجراح ۔۔۔۔۔

(فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی جانب سے عبیدہ بن الجراح کے نام ۔۔۔۔۔

جو مکتوبات امیر المومنین کو بھیجے جاتے سرنامہ کی یہی سادہ عبارت ہوتی مثلاً ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعبداللہ عمر امیر المومنین من ابو عبیدۃ بن الجراح ۔

(فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کے نام ابو عبیدہ بن الجراح کی جانب سے ۔۔۔۔

صحابۂ کرام امرائے جیوش اسلامی اپنے مکتوب میں خلیفہ کے نام کے ساتھ سوائے خلیفہ کے مسمّی لقب امیر المومنین کے کوئی تعظیمی کلمہ لکھتے ورنہ اپنے نام کے ساتھ اپنے عہدہ کا یا کسی خاندانی نسبت کا اظہار کرتے ۔ حضرت عمرؓ کے بعد سب خلفاء کا یہی دستور العمل رہا ۔ حضرت عثمانؓ کا وہ مشہور تاریخی مکتوب ہے جو ان ایام میں کہ بلوائیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر رکھا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ مکہ معظمہ بھیجا تھا ۔ کہ حج کے موقع پر دنیائے اسلام کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے مسلمانوں کو سنا دیا جائے اس مکتوب کے شروع کے الفاظ بھی اسی سادگی سے تحریر کئے گئے تھے یعنی :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من عبد اللہ عثمان امیر المومنین الی المومنین والمسلمین

(طبری ج ۵ صفحہ ۱۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ کے بندے عثمان امیر المومنین کی جانب سے مومنین و مسلمین کے نام

یہی صورت و کیفیت دیگر خلفاء حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ امیر یزیدؒ وغیرہم کے مکتوبات کی تھی ناسخ التواریخ کے شیعہ مورخ تک نے وہ مکتوب درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد عامل مدینہ کے نام ارسال کیا تھا شروع کا فقرہ یہ تھا ۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ من عبد الله يزيد امير المومنين الى فلان۔
(ناسخ التواريخ ج ۲ از كتاب دوم ص۱۵۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے یزید امیر المومنین کی جانب سے فلاں کے موسومہ۔

امیر المومنین یزیدؒ کو عمال خلافت و سپہ سالار افواج جو مکتوب و رپورٹ ارسال کرتے اس کے سرنامہ کی عبارت بھی اسی طرح سادہ الفاظ میں ہوتی۔ مثلاً۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ لعبد الله يزيد بن معاوية امير المومنين من مسلم بن عقبة سلام عليك يا امير المومنين ورحمة الله۔
(البداية والنهاية ج ۸ ص۲۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے یزید بن معاویہ امیر المومنین کی خدمت میں من جانب مسلم بن عقبہ۔ اے امیر المومنین تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

مکاتیب حسین بن علیؓ

ابن جریر طبری اور دوسرے شیعہ مورخین نے حضرت حسینؓ کے موسومہ چند مکتوب درج کئے ہیں جو کوفہ کے شیعہ لیڈروں نے ان کو اس غرض سے بھیجے تھے کہ وہ جلد سے جلد کوفہ آجائیں۔ ہم ان کی خدمت اور مدد کے لئے لشکر تیار ہے یہ بھی لکھا تھا کہ جیسے ہی آپ کے آنے کی اطلاع ملی ہم موجودہ حکومت کے گورنر کو نکال باہر کر دیں گے۔ بعد کے مورخین میں سے علامہ ابن کثیرؒ نے ان خطوط کے مضمون کو حضرت حسینؓ کے خروج کا خاص باب قائم کرکے نقل کیا ہے۔ اس باب کا عنوان ہے۔

قصة الحسين بن علي ابن ابي طالب رضي الله عنهما وسبب خروجه باهله من مكة الى العراق في طلب الامارة وكيفية مقتله
(البداية والنهاية ج ۸ ص۱۴۹)

قصہ حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور سبب ان کے مکہ سے عراق کو خروج کرنے کا مع اپنے گھر والوں کے بغرض طلب امارت (خلافت) اور کیفیت ان کے مقتول ہونے کی۔

پہلا خط بقول طبری اس وقت لکھا گیا تھا جب کوفہ کے شیعہ لیڈر سلیمان بن صُرد

کے گھر میں حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر سنکر جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں حاضرین سے کہا گیا کہ تم حسین کے اور انکے والد کے طرفداروں میں ہو اگر ان کے مخالف سے لڑنے میں ان کی مدد کرنا چاہتے ہو تو ان کو کوفہ آنے کی دعوت دو ورنہ خط بھیجو چنانچہ پہلا خط جو بھیجا گیا اس کے شروع کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لحسین بن علی من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبۃ ورفاعۃ بن شداد وحبیب بن مظاہر وشیعتہ من المؤمنین والمسلمین من اھل الکوفۃ۔

(طبری ج ۶ صفحہ [illegible] والامامۃ والسیاسۃ ج وناسخ التواریخ ودیگر کتب)

حسین بن علی کو سلیمان بن صرد و مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر اور کوفے کے شیعہ مومنین و مسلمین کی جانب سے۔

طبری کے اسی صفحے پر ان ہی کوفیوں کا دوسرا مکتوب بھی درج ہے جس کے ابتدائی الفاظ کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لحسین بن علی من شیعتہ من المؤمنین والمسلمین۔ اما بعد۔ فحی ھلا فان الناس ینتظرونک ولا رأی لھم فی غیرک فالعجل العجل والسلام علیک

(ایضاً صفحہ ۹۱)

حسین بن علی کو ان کے شیعہ مومنین و مسلمین کی طرف سے جلدی تشریف لائیے لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ ان کی رائے آپ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ پس جلدی کیجئے! والسلام علیک۔

ملا باقر مجلسی نے ان خطوط کے ابتدائی کلمات کا ترجمہ فارسی میں یوں کیا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم این نامہ ایست بسوئے حسین بن علی از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سائر شیعیان او از مؤمنان و مسلمانان اہل کوفہ۔ (جلاء العیون صفحہ ۳۹)

۳۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ایں عریضہ ایست بخدمت حسین بن علی از شیعیان و فدویان و مخلصان آں حضرت اما بعد بزودی خود را بدوستان و ہوا خواہاں خود برساں کہ ہمہ مردم ایں ولایت منتظر قدوم مسرت لزوم تو اند و بسوئے غیر تو رغبت نمی نمایند البتہ بتعجیل تمام خود را بایں مشتاقان مستہام برساں ۔ والسلام ۔

(جلاء العیون ص۳۹۹)

یہ خطوط ۶۰ھ کے نوشتہ ہیں اس وقت تک مذہبی عقائد کا اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا سیاسی پارٹیاں البتہ بن گئی تھیں ان ہی کو شیعان علیؓ و شیعان معاویہؓ کہا جاتا تھا چنانچہ کوفی شیعوں نے ان خطوط میں حضرت حسینؓ کا نام اس زمانہ کے عام رواج کے مطابق بغیر کسی تعظیمی لفظ یا سید کے سادہ طور سے لکھا ہے ۔ لفظ امام بھی ان کے نام کے ساتھ شامل نہیں کیا ہے[1] ۔ تیسرا مکتوب کوفیوں کے سات لیڈروں کی جانب سے بھیجا گیا تھا جن میں شبث ربعی و یزید بن رویم و یزید بن الحارث و محمد بن عمیر التمیمی وغیرہ شامل تھے طبری نے ان الفاظ میں اسے نقل کیا ہے :۔

اما بعد ۔ فقد اخضر الجناب و اینعت الثمار فاقدم علی جند لک مجند والسلام علیک

تو اب کوفہ کا سبزہ زار لہلہا رہا ہے میوے پختہ ہو گئے ہیں چشمے چھلک رہے ہیں آپ جب جی چاہے ادھر تشریف لایئے آپ کے (حکم بجا لانے کو) یہاں لشکر تیار موجود ہے ۔

ملا باقر مجلسی نے آخری جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے " لشکر ہائے تو مہیا و حاضر اند و شب و روز منتظر مقدم تو میباشند "۔

---

[1] اماموں کی فہرست کے وضع و مرتب کئے جانے میں ابھی تقریباً دو سو برس کی مدت باقی تھی ۔ حضرت علیؓ جن کو پہلا امام قرار دیتے ہیں خلفائے ثلاثہؓ کی بیعت میں داخل تھے ان ہی کی امامت میں نمازیں ادا کرتے ان ہی کی امارت حج میں ارکان حج بجا لاتے ان کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت معاویہؓ کی بیعت میں داخل تھے اور گرانبہا رقوم وظائف و عطیات ان کے جود و کرم سے حاصل کرتے رہے تھے حضرت حسینؓ تو امیر یزیدؓ کی قیادت و سپہ سالاری میں جہاد قسطنطنیہ میں موجود تھے امیر عسکر کی امامت میں نمازیں پڑھتے اور تین سال متواتر ان کی امارت حج میں ارکان حج ادا کرتے رہے اسی طرح حضرت حسینؓ کی اولاد و احفاد اپنے اپنے وقت کے خلفاء کی بیعت میں داخل رہے ۔

حضرت حسینؓ نے کوفیوں کے خطوط کے جواب میں جو مکتوب بھیجا تھا اس کے ابتدائی فقرات شیعہ مورخین نے یوں لکھے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من حسین ابن علی الی الملأ من المؤمنین والمسلمین اما بعد۔ فان ھانئا وسعیدا قدما علی بکتبکم وکانا آخر من قدم علی من رسلکم وقد فھمت کل الذی اقتصصتم وذکرتم ومقالۃ جلکم انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الھدی والحق۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم حسین بن علی کی طرف سے جماعت مومنین و مسلمین کو۔ ہانی و سعید تم لوگوں کے خطوط لیکر میرے پاس آئے۔ تمہارے قاصدوں میں یہ دونوں شخص سب سے آخر میں وارد ہوئے جو کچھ تم نے لکھا اور بیان کیا ہے اور تم سب لوگوں کا یہ قول ہے کہ ہمارا کوئی امام (لیڈر) نہیں ہے آپ آیئے تو شاید آپ کے سبب سے اللہ ہم کو ہدایت اور حق پر مجتمع کر دے۔

ملا باقر مجلسی نے فارسی ترجمہ میں "شیعیان" کا اضافہ کر کے لکھا ہے کہ:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم این نامہ ایست از حسین بن علی بسوئے گروہ مومنان و مسلمانان و شیعیان۔۔" اس کے آگے کی عبارت کے ترجمے کے بعد حضرت حسینؓ کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ "در جمیع نامہ ہا نوشتہ بودید کہ ما را امامے نداریم زود بسوئے ما بیا" یعنی ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ جلد ہمارے پاس آجائیے"

پھر ایک اور رضا شیعہ مورخ طبری و ناسخ التواریخ کے مولف نے درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے دوران سفر کوفیوں کو بھیجا تھا اس میں بھی اپنا نام اسی طرح تحریر کیا تھا یعنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من حسین بن علی الی اخوانہ من المؤمنین والمسلمین (طبری ج ۶ ص ۲۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم حسین بن علیؓ کی جانب سے برادران مومنین و مسلمین کو۔

کوفی شیعوں نے پہلے ان خطوط میں جن کے ابتدائی فقرات اوپر نقل ہوئے حضرت حسینؓ کو نہ سید لکھا اور نہ امام اور خود حضرت حسینؓ نے بھی اپنے نام کے ساتھ نہ امام لکھا اور نہ سید۔ کوفیوں نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ جلدی آجائیے تو شاید خدا تعالی آپ کی برکت سے ہمیں حق پر مجتمع کر دے ان کے اسی قول کو حضرت حسینؓ نے بھی اپنے مکتوب میں

دوہرا دیا ہے اس سے بخوبی واضح ہے کہ نہ کوفی ان کو امام معصوم و منصوص من اللہ جانتے تھے اور نہ حضرت حسینؓ ہی اس کے مدعی تھے ورنہ وہ اگر ان کو امام سمجھتے اور امام معصوم ہونے کے مدعی ہوتے تو کوفی شیعوں کے اس قول پر کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے ڈانٹ بتاتے اور کہتے ہم تو تمام شیعوں کے لئے خدائے تعالیٰ کے منصوص اور مقرر کردہ امام ہیں پھر تم یہ کیا بکواس کرتے ہو کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے مگر حضرت حسینؓ کے خط میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ہے برخلاف اس کے آخری خط میں تو صاف لکھ دیا ہے کہ یہ خط "برادران مومنین و مسلمین کے نام ہے" وہ اگر اپنے کو امام جانتے تو یوں لکھتے کہ "ہدایت نامہ ہے اپنے متبع شیعوں کے نام"۔ کوفیوں کو تو ایک ایسے امام (لیڈر) کی ضرورت تھی جس کی شخصیت عوام کے لئے جاذب نظر اور کشش ہو تاکہ اس کی قیادت میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کامیابی کے ساتھ کی جا سکے چنانچہ حضرت حسینؓ کی امداد و نصرت کے لئے لشکر کے مہیا و تیار ہونے کا بھانسہ اپنے خطوں میں دیا ہے اور نواحی کوفہ میں سبزہ لہلہانے میوے پختہ ہونے اور چشموں کے چھلکنے کے سبز باغ دکھا کر جو غداری کی جس کے نتیجے میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا سب کو معلوم ہے۔ یہاں اس کتاب کا مقصود نہیں عرض کرنا یہ ہے کہ ان ہی غدار کوفیوں عجمیوں کے جانشینوں نے بعد کی چند صدیوں میں ہزاروں لاکھوں حدیثیں اور روایتیں گھڑ کر غیر طبقاتی امت کی وحدت کو مٹانے کی غرض سے شریف و وضیع طبقے قائم کرنے کی کوششیں کیں اس کے لئے القاب بھی وضع کئے گئے لیکن چند صدیوں بعد تک تو صحیح النسب قریشی و ہاشمی و علم تزویر میں نہ پھنس سکے سلف صالحین کے مسلک پر رہے جس کی چند مثالیں یہاں اب پیش کی جاتی ہیں :-

بنی ہاشم اور سیادت نسبی

یہ تو ساری دنیا جانتی ہے کہ بنی ہاشم نسباً قریش ہی کی ایک شاخ ہیں، انھیں دیگر قریشی خاندانوں بلکہ کل عرب اولاد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام پر یہ فضیلت بلا شبہ حاصل ہوئی کہ سید البشر حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہاشمی خاندان میں ہوئی اور ہاشم کے صرف ایک فرزند عبدالمطلب بن ہاشم ہی کی نسل چلی باعتبار نسب اور قومیت سب قریشی خاندان اور خاندان بنو عبدالمطلب (ہاشمی) یکساں ہیں مگر بروے

زمانہ جب مناقب کی حدیثیں وضع ہونا شروع ہوئیں ۔ بنو عبد المطلب کی سیادت کی عموماً اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، علیؓ بن ابی طالب اور ان کے دو صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ وغیرہ کی سیادت کی حدیثیں خصوصاً وضع ہو گئیں ۔ چند وضعی حدیثیں ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے یعنی

بنو عبد المطلب سادات اهل الجنة ۔

(تاریخ الورود از جامع الصغیر سیوطی ص۱۵)

عبد المطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے

۲۔ عن العباس قال جئت انا وعلی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسلمنا قال نعم لکما انا سید ولد آدم وانتما سیدا العرب

(کنز العمال ص۳۵)

حضرت عباس سے روایت ہے کہ میں اور علی آنحضرت صلعم کی خدمت میں گئے جب ہم کو آپ نے دیکھا تو فرمایا تمہیں مبارک ہو میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں اور تم دونوں عرب کے سردار ہو۔

۳۔ عن ابن مسعود قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید العباس بن عبد المطلب قال هذا عمی وصنو ابی وسید عمومتی من العرب وهو معی والسنام الاعلی من الجنة

(ابن النجار از کنز العمال ص۳۵۶)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا حضرت عباس کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے چچوں میں عرب کے سردار ہیں اور میرے ساتھ ہوں گے جنت کے اعلیٰ حصے میں۔

۴۔ حضرت علیؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ :۔

یا علی انت سید فی الدنیا و سید فی الآخرة (محب الدین طبری)

اے علی، تم دنیا میں بھی سردار ہو آخرت میں بھی سردار ہو۔

۵۔ عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابنای هذان الحسن والحسین سیدا

ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے یہ دونوں بیٹے حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں

شباب اهل الجنة و ابوھما خیر منہما۔ اور ان کے باپ ان دونوں سے بہتر ہیں۔

(کتاب الصواعق المحرقہ)

مگر ان وضعی احادیث میں باعتبار مضمون لفظ سید سے مراد نسبی سیادت نہیں بلکہ ان حضرات کو جنت کے لوگوں کا سردار بتایا گیا ہے۔ حدیثیں وضع کرنے والے نے شاید اس دنیا پر قیاس کر کے جنت میں بھی فخری و ماتحتی سرداری و بندگی کو ضروری سمجھا، ورنہ یہ خیال نہ کیا کہ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

یہ بات بھی اس سلسلہ میں قابل لحاظ ہے کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ کے اسمائے گرامی کسی عہد و زمانے میں بھی لفظ سید کے ساتھ سید عباسؓ بن عبد المطلب، سید علیؓ بن ابی طالب، سید حسن بن علی بن ابی طالب، سید حسین بن علی بن ابی طالب لکھے ہوئے نہیں ملتے نہ کتب تاریخ و تذکرے میں، نہ کتب انساب میں اور نہ خطبات میں نہ لوگوں کی زبانوں پر۔ لفظ سید تا ابتداء احتراماً کہا جاتا ہے لیکن اظہار نسب و قومیت کے لئے قریشی، ہاشمی، عباسی، طالبی ابتداءً اور بعد میں علوی و جعفری و عقیلی و حسنی و حسینی مستعمل رہے۔ مزید توضیح کے لئے اولاد حسنینؓ کے اسماء اور سلسلۂ نسب کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں ان کو نسباً طالبی و علوی و حسنی و حسینی کہا گیا ہے نہ مجرد سید۔

حسنی خاندان

حضرت حسن بن علیؓ بن ابی طالب طبعاً مرنجاں مرنج، نیز خود صلح جو تھے، مسلمانوں کے دو متحارب گروہوں میں صلح کرانے کی پیش گوئی میں ابنی ہذا سید جو فرمایا گیا تھا اس سے نسبی سیادت اور قومیت مراد نہیں، صفت صفائی کا جو کام ان کی دوربینی و عاقبت اندیشی سے انجام پذیر ہوا وہ ایک سردار (سید) ہی کے شایان شان تھا۔ ان کی اولاد میں تیرہ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

زید بن حسن:۔ بیٹوں میں بڑے زید تھے جو ایک انصاری خاتون ام بشیر بنت ابومسعود عقبہ انصاری کے بطن سے تھے۔ ان زید بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں ایک ہی بیٹے حسن تھے اور ایک ہی بیٹی نفیسہ تھیں جو امیر المومنین الولید بن عبد الملک بن مروان اموی کی زوجیت میں تھیں بقول شیعہ مولف عمدۃ الطالب:۔

وکان لزید ابنة اسمها نفیسة خرجت الی الولید بن عبد الملک بن مروان فولدت منه ...... وکان زید یفد علی الولید بن عبد الملک ویقعده علی سریره ویکرمه لمکان ابنته ووهب له ثلاثین الف دینار دفعة واحدة

(ص ۴۹)

اور ان زید (بن حسن بن علی بن ابی طالب) کی ایک بیٹی تھی جس کا نام نفیسہ تھا وہ نکل کر ولید بن عبد الملک بن مروان کے پاس چلی گئی اور اس سے اولاد ہوئی ..... زید ولید بن عبد الملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتے انھوں نے زید کو صرف ایک ہی مرتبہ تین لاکھ دینار عطا کئے تھے۔

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب کے اس پوتے حسن بن زید کا تذکرہ شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب علیه السلام وکان حسن بن زید یکنی ابا محمد وولد الحسن بن زید محمد والقاسم وام کلثوم بنت حسن تزوجها ابو العباس امیر المومنین فولدت له غلامین هلکا صغیرین وعلیا وزیدا وابراهیم وعیسی واسمعیل واسحق الاعور وعبد الله وکان

حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ حسن بن زید کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کے بیٹے محمد اور قاسم اور بیٹی ام کلثوم تھیں جن سے امیر المومنین ابو العباس (عبد اللہ السفاح عباسی) نے شادی کی تھی دو بیٹے بھی ان کے ہوئے تھے جو بچپن ہی میں مر گئے تھے نیز علی و زید و ابراہیم و عیسیٰ و اسمٰعیل و اسحٰق الاعور و عبد اللہ بھی حسن بن زید کی اولاد تھے۔ حسن بن زید بڑے

۱؎ شیعہ مولف نے حضرت حسنؓ کی پوتی کے اموی خلیفہ کی زوجہ بننے کا ذکر کس سفیہانہ لہجے میں کیا ہے ہاشمی اور اموی خاندان میں جو ایک ہی گھرانے کی دو شاخیں ہیں، دو حقیقی بھائیوں کی اولاد سے ہیں رشتے ناتے تو شروع ہی سے ہوتے رہے تھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کو اسی اموی خاندان میں بیاہا تھا۔ جناب زید کا اپنی بیٹی کو حضرت مروانؓ کے پوتے کے عقد میں دینا شیعہ مولف کو ایسا ناگوار ہوا کہ اپنے امام دوم کی پوتی کی شادی کے بارے میں یہ سفیہانہ طرز بیان کا اختیار کیا ہے۔

الحسن بن زید حاجاً فولاه ابو جعفر المدینة فولیها خمس سنین (طبری ج ۹ ص)	عبادت گزار تھے ابوجعفر المنصور عباسی نے انکو مدینہ کا والی مقرر کیا تھا پانچ برس تک والی رہے۔

شیعہ مورخ اپنے امام وریم کا اور ان کے بیٹے پوتے کا سلسلۂ نسب لکھتے وقت شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام تو لکھتے ہیں مگر کسی نام کے ساتھ سید نہیں لکھتے نیک دوسرے شیعہ مولف اور نسّاب جو خود بھی نسباً حسنی ہیں یعنی عمدۃ الطالب کے مصنف انجد نسب میں جابجا طالبی و علوی لکھتے ہیں۔ سید نہیں کہتے۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے یہ بڑے صاحبزادے زید اور پوتے حسن بن زید بھی دیگر تابعین کرام کی طرح اموی و عباسی خلفا کو صحیح الامارت اور جائز امام وامیر المومنین مانتے اور ان کی بیعت میں داخل تھے اور جیسا ابھی بیان ہوا زید کی صاحبزادی، اموی خلیفہ کی زوجہ تھیں اور حسن کی دختر نیک اختر عباسی خلیفہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے قدیم خلافتوں کے خلاف خروج اور بغاوتوں کے سخت مخالف تھے۔ باغیوں کی ریشہ دوانیوں کی اطلاعات حکومت کو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمدۃ الطالب کے غالی مؤلف کو ان حضرات کا طرز عمل کیوں پسند ہو چنانچہ تنقیصاً لکھتے ہیں۔

الحسن بن زید ویکنی ابا محمد وکان امیر المدینة من قبل المنصور الدوانقی	حسن بن زید کی کنیت ابو محمد تھی وہ (خلیفہ) المنصور دوانقی[1] کی جانب سے امیر مدینہ تھے

[1] دوانق جمع ہے دانق کی جو دمڑی کو کہتے تھے۔ رافضی و غالی شیعہ مؤلفین امیر المومنین ابوجعفر عبداللہ المنصور عباسی علیہ الرحمۃ کو تنقیصاً دوانقی کہتے تھے چونکہ سرکاری حساب و کتاب کی جانچ میں ایک ایک پائی کا حساب لیتے تھے لیکن بذل و عطا میں خصوصاً علماء کے عطایا میں بہت فیاض تھے امام مالک سے حدیث کی پہلی کتاب موطا مرتب کرائی ہزاروں اشرفیاں اس خدمت کے لئے انہیں دلوائیں۔ ابن اسحٰق سے سیرت النبی لکھوائی امام ابوحنیفہ سے فقہ اسلامی کی تدوین کرائی۔ علمی کتب کے تراجم کا محکمہ قائم کرایا اور ان علمی کاموں کے لئے دریا دلی سے روپیہ صرف کیا۔ روافض کو ان علمی کارناموں سے غرض و واسطہ ہی کیا وہ تو سوائے چند اشخاص کے جنہیں انہوں نے اپنا امام قرار دے لیا تھا۔ ملت اسلامیہ کی ہر بلند و بالا شخصیت کی تنقیص میں طرح طرح کے اکاذیب و اباطیل تراشتے رہتے جن میں سے کچھ نادان غیر شیعہ مورخین نے بھی اخذ کر کے اپنی کتابوں میں درج کر لئے ہیں۔

وعمل له غير المدينة وكان مظاهرا لبني العباس على بني عمه الحسن المثنیٰ وهو اوّل من لبس السواد من العلويين ۔
(ص ۲۹)

اور مدینہ کے علاوہ بھی ان کے عامل رہے وہ اپنے چچا حسن مثنیٰ کی اولاد (کی حرکتوں) کی مخبری بنی عباس سے کرتے تھے اور علویوں میں وہ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سیاہ (سرکاری) لباس اختیار کیا تھا۔

ان حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کے آٹھ بیٹے ہوئے جن میں سے پانچ سے نسل چلی ان میں سے ایک قاسم بن حسن بن زید مذکور تھے جن کے بارے میں یہی شیعہ مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ :۔

وكان زاهداً عابداً ورعاً الّا انه كان مظاهراً لبني العباس على بني عمه الحسن المثنیٰ
ص ۵۰

اور وہ زاہد و عابد اور متقی تھے مگر وہ اپنے چچا کے بیٹوں حسن مثنیٰ کی اولاد کی مخبری بنی عباس سے کیا کرتے تھے۔

قاسم مذکور کے ایک بھائی اسحٰق بن حسن کو بھی ان شیعہ مولف نے اولاد حسن مثنیٰ یعنی اپنے چچیرے بھائیوں پر عباسیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا ہے لکھتے ہیں کہ :۔

واسحٰق يكنى ابا الحسن كان اعور يلقب الكوكبي وامه ام ولد بحرانية وكان مع الرشيد فقيل انه كان يسعٰى بآل ابي طالب اليه وكان عينا للرشيد عليهم وسعٰى بجماعة العلويين اليه وقتلوا براثيه ۔
(ص ۵۰)

اور اسحٰق ان کی کنیت ابوالحسن تھی اور وہ یک چشم (کانے) تھے لقب کوکبی تھا ان کی ماں بحرانی کنیز تھی وہ (خلیفہ ہارون) الرشید کی مصاحبت میں تھے کہتے ہیں کہ وہ آل ابی طالب کی مخبری خلیفہ سے کیا کرتے تھے اور (خلیفہ ہارون) الرشید کی جانب سے ان پر جاسوس تھے انھوں نے ہی علویوں کی ایک جماعت کی مخبری ان سے کی تھی اور ان ہی کی رائے سے قتل کیے گئے تھے۔

یہ شیعہ مولف ان حسنی اکابر کی تو بیت و نسب کے اظہار میں علوی اور علویین تو لکھتے ہیں سید نہیں لکھتے اور لفظ سید ... سرداری و احترام [illegible] استعمال کرتے ہیں مثلاً

اسی خاندان کے ایک شخص ابو جعفر محمد کے بارے میں کہتے ہیں "ابو جعفر محمد کان سیدًا بالمدینہ (ص...) یعنی ابو جعفر محمد مدینہ میں محترم شخصیت تھے"

جناب زید بن حسن بن ابی طالب کی نسل ان کے اکلوتے فرزند حسن کے پانچ بیٹوں قاسم و علی و زید و اسحٰق و اسمٰعیل کی اولاد سے خوب پھیلی۔ تیسری صدی ہجری میں اس خاندان کے بعض بن چچے طالبان جاہ جلب ت، دیلم وغیرہ میں سیاسی اقتدار کے حصول کی کوششوں میں چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہوئے بعض کامیاب بھی ہوئے مثلاً حسن و محمد فرزندان زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن مذکور نے ۲۵۰ھ میں دیلم اور طبرستان میں عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کرکے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنی قومیت ہاشمی و علوی بتاتے تھے چنانچہ وہ اور ان کے بعد خاندان اسی نسبت سے مشہور و معروف تھے نہ لفظ سید سے۔ ۲۸۷ھ میں محمد بن زید مذکور ایک معرکہ میں مجروح ہو کر مر گئے۔ ابن جریر طبری و دیگر مورخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بعنوان محمد بن زید العلوی ان کے حالات لکھے ہیں نسب علوی ہے نہ سید۔ اس خاندان کے لوگ مختلف دیار و امصار میں آباد تھے یہ خاندانی نسبت ہاشمی و طالبی و علوی سے مشہور رہے۔ (...)

ان محمد بن زید العلوی کے پوتے ہیں ابو محمد عبد اللہ تھے جو مصر میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۳۴۸ھ میں فوت ہوئے وہ قومیت کے اعتبار سے ہاشمی اور ملکی سکونت کے لحاظ سے مصری کہلاتے تھے۔ علامہ ابن کثیر ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الحسن بن ابراھیم بن طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی المصری کان من سادات الناس و کبرائہا۔ (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۳۵)

ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن علی بن حسن بن ابراہیم بن طباطبا بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی مصری وہ وہاں کے محترم اور معزز لوگوں میں سے تھے۔

قومیت کے اظہار میں ہاشمی کہا ہے اور احتراماً سید۔

جناب زید بن حسن کی نسل میں ایک جید پایہ عالم حسن بن داؤد بن علی بن عیسیٰ بن محمد

بن قاسم بن حسن بن زید مذکور تھے جو اپنے نسب اور قومیت کے اعتبار سے ابو عبداللہ علوی "الحسنی" کہلاتے تھے ۳۸۳ھ میں فوت ہوئے۔ علامہ ابن کثیر نے ان کے تذکرے میں حاکم نیشاپوری کا جو کچھ عرصہ ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے یہ قول نقل کیا ہے کہ۔

ابو عبد الله كان شيخ آل رسول الله صلى الله عليه وسلم في عصره بخراسان وسيد العلوم في زمانه وكان من اكثر الناس صلاة وصدقة ومحبة للصحابة وصحبته مدة لا سمعته ذكر عثمان الا قال الشهيد ويبكي وما سمعته ذكر عائشة الا قال الصديقة بنت الصديق حبيبة حبيب الله ويبكي۔

(البدایہ ج [illegible] ص ۳۲)

ابو عبداللہ اپنے زمانہ میں خراسان میں آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخ تھے اور اپنے عہد کے سید العلوم تھے وہ سب لوگوں سے زیادہ نماز پڑھنے والے اور صدقہ دینے والے اور صحابہ سے محبت کرنے والے تھے۔ مدت تک میں نے ان کی صحبت اٹھائی تھی اور کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہو اور "الشہید" نہ کہا ہو اور یہ کہہ کر رو دیتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ کا ذکر کرتے اور کہتے صدیقہ بنت الصدیق حبیبہ حبیب اللہ اور یہ کہہ کر رو دیتے تھے۔

حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ سید زید بن حسنؓ کے سوتیلے بھائی حضرت حسنؓ کے منجھلے بیٹے تھے ان کی والدہ خولہ بنت منظور قبیلہ بنی ہلال کی تھیں۔ حسن مثنیٰ اپنے چچا حضرت حسینؓ کے بھی داماد تھے فاطمہ بنت حسینؓ ان کی زوجیت میں تھیں یہ اپنے خسر کے ساتھ گئے اور صحیح سلامت واپس آ گئے تھے۔ حادثہ کربلا سے ۲۷ برس بعد ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

ان حسن مثنیٰ کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں [illegible] سب سے بڑے بیٹے محمد تھے ان کے نام سے ان کے والد کی کنیت ابو محمد تھی۔ یہ محمد بن حسن مثنیٰ [illegible] حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی بھانجی سیدہ رملہ بنت حضرت سعید بن زید[1] عمر بن نفیل حسن مثنیٰ کی زوجہ تھیں

۱؎ یہ زید بن عمرو حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے حقیقی چچیرے بھائی تھے [illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی اور موحد ہو گئے تھے۔
(بقایا صفحہ [illegible] پر ملاحظہ کیجئے)

سیدہ فاطمہ بنت الحسین کے بطن سے تین بیٹے عبداللہؒ، حسنؒ و ابراہیمؒ اور دو بیٹیاں زینب و ام کلثوم تھیں۔ زینب بھی بڑی خلیفہ امیر المومنین الولید بن عبدالملک بن مروانؒ کی زوجیت میں تھیں۔ کتاب نسب قریش کے مؤلف مصعب زبیری لکھتے ہیں:۔

وکانت زینب بنت حسن بن حسن بن علیؓ عند الولید بن عبدالملک بن مروان وھو خلیفۃ (صفحہ ۵۲)	اور حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی دختر زینب الولید بن عبدالملک بن مروان کی زوجہ تھیں اور وہ (ولید) اس وقت خلیفہ تھے۔

دوسری بیٹی ام کلثوم امامیہ کے پانچویں امام جناب محمد بن علی بن حسینؓ کے عقد میں تھیں اس رشتہ سے حضرت مروانؓ کے پوتے الولید اور جناب محمد بن علی بن حسینؒ جنہیں امامیہ نے ایک وضعی حدیث کی بنا پر الباقر کا لقب دے رکھا ہے ہم زلف تھے۔

حسن مثنیٰ باعتبار نسب و قومیت ”القرشی الہاشمی“ کہلاتے تھے۔ علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے ان کا تذکرہ اس عنوان سے کیا ہے:۔

”الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ابو محمد القرشی الہاشمی“

خاندان عبداللہ بن حسن مثنیٰ حسن بن حسن (یعنی حسن مثنیٰ) کے فرزند عبداللہ کی وفات ۱۴۵ھ میں ہوئی ۷۰ سال کی عمر پائی یہ عبداللہ حضرت حسینؓ کے نواسے تھے شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ان کی وفات کے ذکر میں نام و نسب اس طرح لکھا ہے اور ایسے ہی ابن کثیرؒ نے بھی ہے۔

”عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام“

اور بیان کیا ہے کہ اموی خلفاء بھی ان کی عزت و تکریم کرتے تھے امیر المومنین الولید

(بقایا صفحہ ۵۲) ابی زبیر کے یہ دو شعر مشہور ہیں:۔

ارباً واحداً ام الف رب ... ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعاً ... کذالک یفعل الرجل البصیر

مطلب ان اشعار کا یہ ہے کیا میں ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں خداؤں کو میں نے لات و عزیٰ سب بتوں کو ترک کر دیا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ ان ہی زید کے فرزند حضرت سعیدؓ صحابی تھے جن ... حضرت ... عمر ... بہن فاطمہ ... تھیں ... عشرہ ... آپ ... حضرت عمرؓ ... سے رغبت ... قبول کیا تھا۔

جس اوپر ذکر ہوا ان سے بیٹوں کی تھی۔ عباسی خلافت قائم ہونے کے بعد ہی یہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاحؒ کی خدمت میں انبار مقام پر گئے تھے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ :-

قدم عبد الله بن حسن على ابي العباس بالانبار فاكرمه و حباه وقربه وادناه وصنع به شيئا لم يصنعه باحد وسمر معه بالليل (ج ۹ صـ [illegible])

عبداللہ بن حسن (امیر المومنین ابو العباس والسفاح) کے پاس انبار میں گئے تھے انھوں نے ان کی عزت و تکریم کی محبت و یگانگت کا برتاؤ کیا۔ اپنے ہی پاس اور قریب بٹھا رکھا اور رات کو اپنے ہی پاس سلایا۔

بلکہ یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک شب امیر المومنین نے جواہرات کا صندوق منگوا کر ان کے سامنے کھولا اور نصف جواہرات ان کو عطا کئے۔ عبداللہ کے دل میں رشک و حسد پیدا ہوا دو شعر ایسے ان کی زبان سے ادا ہو گئے جن سے رشک و حسد کے جذبات کا اظہار ہوتا تھا امیر المومنین نے فرمایا کہ اے ابو محمد! تم اس برتاؤ پر بھی جو تمھارے ساتھ کیا گیا ہے یہ شعر میرے سامنے پڑھتے ہو عبداللہ عذر و معذرت میں آتا کہ :

يا امير المؤمنين هفوة كانت والله ما اردت بها سوءًا ولكنها ابيات حضرت فتمثلت ۔ (ج ۹ صـ [illegible])

اے امیر المومنین یہ غلطی ہوئی و میرا مقصود برائی کا نہ تھا یہ شعر یکایک ذہن میں آ گئے اور تمثیلاً ادا ہو گئے۔

امیر المومنین نے اپنی عالی ظرفی سے معذرت قبول کر لی مگر عبداللہ کے دل میں رشک و حسد کے جذبات برابر بھڑکتے رہے۔

خلافت کے لئے خفیہ خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ سنہ ۱۳۲ھ میں جب عباسی خلافت قائم ہوئی عبداللہ کی عمر تقریباً ساٹھ برس کی تھی ان کے چھ بیٹے تھے محمد ارقط[1] و ابراہیم و یحییٰ و موسیٰ و ادریس و سلیمان اور سب عاقل تیس تیس چالیس چالیس برس کے صاحب اولاد تھے ان سب نے باوجود مختلف سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کیں محمد الارقط نے

---

[1] محمد ارقط کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں زینب و فاطمہ تھیں۔ زینب پہلے عباسی خلیفہ امیر المومنین ابو العباس عبداللہ السفاح کی بہو تھیں یعنی ان کے فرزند محمد کی زوجہ تھیں۔ اور فاطمہ ابھی [illegible] (بقایا صفحہ ۵۵ پر دیکھئے)

سنہ ۱۴۵ھ میں مدینہ میں خروج کیا عوام پر اثر ڈالنے کے لئے اپنے کو مہدی کہا چنانچہ محمد المہدی کہلائے۔ سرکاری فوجی دستے کے مقابلہ میں مع اپنے چند ساتھیوں کے مارے گئے شیعوں نے ان کے مارے جانے کے بعد ایک وضعی حدیث کی بنا پر انھیں

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۶ کا) بچپیرے بھائی حسن بن ابراہیم بن عبد اللہ مذکور کو بیاہی گئیں۔ بیٹوں میں ایک عبد اللہ الاشتر تھے ان کے لقب کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ بھینگے ہونے کی وجہ سے الاشتر کہلائے دوسرے یہ کہ ان کے چچا ابراہیم نے جب بصرے میں بغاوت کی تھی وہ ان کے ساتھ تھے بغاوت کی ناکامی اور چچا کے مقتول ہو جانے کے بعد خوف سے ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے علاقہ سندھ آ گئے جہاں کے گورنر کو ان کے باپ اور چچا اپنے سفیر سندھ بھیجے ہموار کر چکے تھے دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے والد نے اپنے مقتول ہونے سے پہلے ان کو تحائف دے کر گورنر سندھ کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس زمانہ میں سندھ کا علاقہ وادی مہران (دریائے سندھ) کا سارا علاقہ شمار ہوتا تھا جو ساحل سمندر سے نواح کابل تک پھیلا ہوا تھا۔ امیر المومنین ابو جعفر المنصور کو جب یہ اطلاع ملی کہ عبد اللہ الاشتر کو گورنر سندھ کی حمایت حاصل ہے سرحدی علاقے میں بغاوت پھیلائی جا رہی ہے انھوں نے اس گورنر کے تبدیل کئے جانے کا حکم دے دیا عبد اللہ کو اپنی جان کا خطرہ ہوا گورنر نے علاقہ سندھ کے شمالی حصے میں جو چھوٹی سی ہندو مت کے پیروں کی ریاست تھی عبد اللہ کو وہاں بھیج دیا یہ ریاست نواح کابل میں تھی عبد اللہ نے وہاں ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا جو مقام کی نسبت سے "محمد الکابلی" کہلایا۔ نئے گورنر کی ہدایت تھی کہ عبد اللہ الاشتر اور ان کے ساتھی جو باغیانہ سرگرمیوں میں منہمک ہیں گرفتار کئے جائیں اگر مقابلہ کریں تو قتل کئے جائیں اور جس راجہ نے پناہ دی ہے اس کی ریاست کو اسلامی علاقہ میں شامل کر لیا جائے چنانچہ سرکاری فوجی دستے کے مقابلہ میں عبد اللہ الاشتر نواح کابل کے پہاڑی مقام علج نامی پر قتل ہو گئے ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ مولف عمدۃ الطالب جو نسب آل ابی طالب کے معتبر عالم ہیں لکھتے ہیں کہ :-

ابی محمد عبد اللہ الاشتر الکابلی وکان قد هرب بعد قتل ابیه الی السند فقتل بکابل فی جبل یقال له علج وحمل راسه الی المنصور فاخذه الحسن بن زید

ابو محمد عبد اللہ الاشتر الکابلی وہ اپنے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد سندھ کو بھاگ گئے اور کابل میں ایک پہاڑ جس کا نام علج ہے قتل ہو گئے ان کا سر خلیفہ المنصور کے پاس بھیج دیا گیا جسے حسن بن زید بن حسن بن علی (بقایا نوٹ صفحہ ۵۸ پر دیکھئے)

"النفس الذکیہ" سے ملقب کر دیا ان کے بھائی ابراہیم نے بصرے میں علم بغاوت بلند کیا تھا ان کا بھی یہی حشر ہوا یحییٰ نے دیلم (خراسان) میں خروج کرکے حاکمانہ اقتدار حاصل کر لیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد وزیر یحییٰ برمکی کی وساطت سے دربار خلافت میں حاضر ہو کر طالب معافی ہوئے قصور معاف ہوا اور عطائے جاگیر سے وطن جب نہ

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۵ کا) بن الحسن بن علی فصعد به المنبر وجعل یشهره للناس (ص... جلد اول)

عبداللہ الاشتر کی نسل ان کے اکلوتے بیٹے محمد الکابلی سے چلی۔ محمد الکابلی بن عبداللہ بن محمد مولدہ کابل وانتقل عنها بعد قتل ابیه (ص... ایضاً)

نے ہاتھوں میں لے لیا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو دکھایا اور اعلان کیا۔

محمد الکابلی بن عبداللہ الاشتر بن محمد کا مقام ولادت کابل تھا جہاں سے ان کے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کو منتقل کیا گیا تھا۔

کتاب نسب قریش کے مؤلف مصعب زبیری متوفی ۲۳۶ھ اور محمد الکابلی تقریباً ہم سن تھے اور رشتہ دار بھی اس لئے محمد الکابلی کے حالات سے انھیں ذاتی واقفیت تھی چنانچہ اسی ذاتی واقفیت سے وہ عبداللہ الاشتر کے متعلق لکھتے ہیں "قتل بکابل (ص...)" یعنی عبداللہ الاشتر کابل میں قتل ہوئے پھر ان کے بیٹے کے بارے میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ کابل میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد اپنی ماں کے ساتھ آ گئے۔ یہی بیان عمدۃ الطالب کے مؤلف کا بھی ہے جو خود بھی خاندان کے نسابہ تھے علامہ ابن حزم نے بھی جمہرۃ الانساب میں عبداللہ الاشتر کا کابل میں قتل ہونا اور اولاد میں اسی ایک بچے کا چھوڑ جانا بیان کیا ہے بعد کے مورخین ابن کثیر و ابن خلدون وغیرہ نے بھی علاقہ سندھ میں عبداللہ کا مارا جانا ان کے ساتھیوں کا لاش کو دریا میں بہا دینا بیان کیا ہے جس کا قیل ہے کہ لاش شناخت نہ ہو سکی تھی۔ عبداللہ کی نسل ان کے اسی فرزند محمد الکابلی سے چلی جس کی صحت نسب کی تصدیق دربار خلافت نے کرکے بہ ہدایت کے لئے اہل خاندان کے پاس مدینہ بھیج دیا گیا تھا محمد الکابلی کی نسل سے ایک فاضل شخص امیر قطب الدین تباہی بغداد کے بعد ہندوستان آئے ان کی نسل میں علماء و فضلاء اور ذی وجاہت اشخاص ہوتے رہے مجاہد ہندی حضرت احمد شہید کا نسبی تعلق اسی خاندان سے ہے کوفہ استرآباد و خراسان جرجان وغیرہ مقامات پر اس خاندان کے لوگ آباد رہے جو الاشتری و جو الاشتر اور الاشتر لی کہلاتے تھے عبداللہ الاشتر کے مقتول ہونے کا واقعہ ۱۵۱ھ کا واقعہ ہے یعنی اب سے بارہ سو تینتیس برس پہلے کا۔ یوں سیاسی مصلحتوں سے تاریخی شخصیتوں کے واقعات مسخ کرنے کی مذموم حرکتیں پہلے بھی کی گئی ہیں لیکن بعض موقع شناسوں کی یہ ذلیل حرکت

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۸ پر دیکھئے)

چلے گئے۔ موسیٰ اپنے بھائیوں کے خروج کی ناکامی کے بعد بصرے میں روپوش ہو گئے تھے لیکن گرفتار ہو کر امیر المومنین ابو جعفر المنصور عباسیؒ کے حضور میں پیش کئے گئے خلیفہ نے قصور ان کے معاف کر دیئے۔

موسیٰ بن عبد اللہ اختفیٰ بالبصرۃ فلخذ وفارسلہ الی المنصور فعفاعنہ

(کتاب نسب قریش صفحہ ۵۳)

موسیٰ بن عبداللہ بصرے میں روپوش ہو گئے تھے گرفتار ہو کر امیر المومنین) المنصورؒ کے حضور میں بھیجے گئے انھوں نے ان کو معاف کر دیا۔

مؤلف عمدۃ الطالب نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ اپنے بھائیوں کے بغاوت میں مقتول ہونے کے بعد موسیٰ بھاگ کر مکہ پہنچ گئے تھے جب امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ کے فرزند محمد المہدی عباسیؒ حج کے لئے مکہ پہنچے طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر مجھے امان ہے تو موسیٰ بن عبد اللہ کا پتہ بتلا دوں؛ امان ملنے پر کہنے لگے کہ میں خود ہی موسیٰ بن عبد اللہ ہوں یہ سنکر محمد المہدی عباسی نے فرمایا من یعرفک ممن حولک من الطالبیۃ۔ (طالبیوں میں سے جو تمہارے گرد ہیں تمھیں کون شناخت کرتا ہے) ان کے اور ان کے اہل خاندان کی نسبی نسبت اور قومیت کے بارے میں طالبی کہا گیا ہے۔

موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی نسل ان کے دو بیٹوں ابراہیم اور عبداللہ سے چلی اور خوب پھیلی ابراہیم کے ایک بیٹے یوسف کا لقب الاخیضر تھا ان کی اولاد بنو الاخیضر کہلائی یمن دیما مر پر عرصہ تک ان کا تسلط رہا۔ یوسف کے دو بیٹوں حسن اور اسمٰعیل نے ۲۵۲ھ میں مکہ اور مدینہ میں خروج کئے۔ ان میں اسمٰعیل جس نے مدینہ میں خروج کیا تھا۔ قبیح سیرت تھا علامہ ابن حزم نے لکھا ہے۔

وھو الذی حاصر المدینۃ حتی مات اھلھا جوعاً ولم یصل احدٌ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہی تھا جس نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا یہاں تک مدینہ کے لوگ بھوک سے مرنے لگے اور مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی

(نوٹ بقیہ صفحہ ۵۶ کا) صد درجہ شرمناک بیکہ کسی مجہول الحال شخص کی قبر کو جو کراچی میں کلفٹن پر واقع ہے عبد اللہ اشتر مقتول بکابل کی قبر بتایا جائے اور اس سلسلہ میں انتہائی لغو بیانیوں سے خیرات کے کالم سیاہ کئے جائیں اور قبر پرست عوام کو انتہائی جھوٹی کہانیاں سنا سنا کر چڑھاوے چڑھانے پر اکسایا جائے۔

ثم مات بالجُدری فی سنۃ ۲۵۱ھ (عمدہ صـ۲۱)	ایک شخص بھی نماز ادا نہ کرسکا بالآخر ۲۵۱ھ وہ چیچک سے مرگیا۔

خود عمدۃ الطالب کے غالی شیعہ مؤلف جو اسی ظالم کے خاندان سے تھے فرماتے ہیں کہ اس شخص نے (امیر المؤمنین) المستعین (بادشاہ عباسیؒ) کے زمانہ میں مکہ پر تسلط کرلیا تھا آب نوشیدنی کے کنویں خراب کر دیئے تھے اور

اعترض الحاج فقتل منهم جمعاً كثيراً ونهبهم (صـ۹۲)	حاجیوں کو گھیر لیا اور ان کی بڑی تعداد کو قتل کر ڈالا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

مگر اس خاندان کی دوسری شاخوں میں نیک سیرت اشخاص ہوتے رہے۔ کچھ لوگ بلاد دیبالپور دہلی ہندوستان جیسے دور دراز مقامات پر چلے گئے وہاں ان کی نسل خوب پھیلی مختلف گھرانے مختلف ناموں سے موسوم رہے۔ مثلاً بنو دواش بنو شماخ۔ بنو مکثر بنو یوسف م بنو علی و بنو حسان وغیرہ لیکن کوئی گھرانا نسباً سید نہیں کہلایا اور کسی نے اپنے کو نسباً سید کہہ

شرفائے مکہ

عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی نسل میں ایک عالی تبار خاندان شرفائے مکہ کا تھا ان کے کئی گھرانے تھے مثلاً بنو ہاشم اولاد ابو ہاشم بن محمد جو ۴۵۴ھ سے ۵۹۸ھ تک امرائے مکہ رہے نیز بنو قتادہ جن کے متعلق نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب کے مؤلف (۷۵۶-۸۲۱ھ) کہتے ہیں: الذين منهم امراء مكة والينبع الآن و اودية مكة عمرة بهم وباقيهم منتشرون فی المشرق والمغرب (صـ۱۲۴)
یعنی جن میں سے مکہ اور ینبع کے امراء ہیں اور مکہ کی وادیاں ان سے آباد ہیں اور باقی مشرق و مغرب میں منتشر ہیں۔ ان کے علاوہ سلیمان بن عبداللہ حسن مثنیٰ کی اولاد میں سے بھی کچھ لوگ عباسی اقتدار زائل ہونے کے بعد امرائے مکہ رہے یہ سلیمانی کہلاتے تھے (صـ۱۲ ایضاً)
بنو قتادہ میں سے شریف حسین تھے جنھوں نے انگریزوں سے ساز باز کرکے سلطان ترکی کا حاکمانہ اقتدار اور خادم حرمین شریفین کی حیثیت کا خاتمہ کرا دیا تھا۔ پھر ان کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی اولاد میں سے انگریزوں نے ایک کو عراق پر مسلط کیا تھا جن کے سیاسی انقلاب میں ان کا بھی خاتمہ ہوگیا دوسرے کو اردن پہ متعین کیا جن میں سے شاہ حسین ہیں۔ موسیٰ بن عبداللہ

بنو حسن مثنیٰ کی اولاد کے یہ سب گھرانے اپنی نسبت سے بنو ہاشم و بنو قتادہ و سلیمانی وغیرہ کہلائے مگر نسباً سید کوئی نہیں کہلایا بلکہ سادات کے ناموں کے ساتھ نہ کبھی پہلے تھا اور نہ اب ہے شریف والشریف ہی کہلاتے رہے۔ غرضیکہ حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب کی نسل کے لوگ جہاں کہیں بھی آباد رہے اپنی خاندانی نسبت ہاشمی و طالبی و علوی حسنی سے معروف رہے نہ بلفظ سید سے۔

ے موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے خاندان کی اسی شاخ میں جس میں بہت سے فرقے نکلے اور مولف کتاب عمدۃ الطالب کے خاندان کا شمول ہے سید المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا سلسلہ نسب متصل کیا جاتا ہے مولف عمدۃ الطالب نے اس شاخ کے انساب قدرے تفصیل سے بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیخ ممدوح نے یا ان کے بیٹوں میں سے کسی نے بھی اس نسب کا کبھی دعویٰ نہیں کیا البتہ ان کے ایک پوتے قاضی ابو صالح ابو نصر بن ابو بکر نے یہ دعویٰ کیا تھا لیکن اثبات دعوے میں کوئی بین دلیل اور ثبوت پیش نہ کر سکے بلکہ پیش کرنے سے عاجز رہے مزید برآں یہ کہ اپنے قدر گرامی اور فرزندان شیخ ممدوح کی اس بارے میں عدم موافقت کا اقرار بھی کیا تھا۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کے دادا کا نام "جنگی دوست" تھا جو صریحاً عجمی نام ہے۔ فوات الوفیات کے مولف علامہ محمد بن شاکر کتبی ۷۶۴ھ نے شیخ ممدوح کے دادا کا یہ نام بتایا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار "جنگی دوست" کے بجائے "زنگی دوست" کہتے ہیں اور کتاب عمدۃ الطالب کے حاشیہ نویس نے "جنگی دوست" لکھا ہے علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت شیخ کے نسب کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے صرف والد کا نام لکھ ابو صالح ابو محمد بتایا ہے۔ بعض نے ابو محمد موسیٰ، حضرت شیخ عبدالقادرؒ اپنے زمانہ کے جید عالم، زبردست خطیب اور صاحب باطن بزرگ تھے ان کے نزدیک قدس بھی فلاں قابل التفات نہ تھی کہ اپنے نسب کا اعلان کیا کرتے ؎ بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ ان کی ولادت ۴۷۱ھ میں ایک غیر معروف موضع میں ہوئی جس کا نام نیف یا نحیف بتایا جاتا ہے اور جو جیلان یا گیلان کے علاقہ میں بحر خزر کے جنوب میں واقع تھا۔ ابتدائے عمر میں تحصیل علم کے لئے سفر کیا ۴۸۸ھ سے ۵۲۱ھ تک کہ عمر تیس سال سے تجاوز تھی ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا ۵۲۱ھ میں یہ واقعہ بغداد میں پیش آیا کہ ابو الفتوح اسفرائینی نے اپنے وعظ میں بہت سی منکر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے ایسی باتیں کہیں جن سے عام و خاص میں سخت اشتعال پیدا ہوا حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر مجمع عام میں ایسا وعظ کہا جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا اس کے بعد سے وہ باب حلبہ کے میدان میں وعظ کہا کرتے تھے بغداد میں ایک برج عجمی میں رہتے تھے شاید اسی تعلق سے عجمی کہلاتے ہوں شیخ حماد دباس کا یہ قول ان کے

(القیادات صفحہ ۷۰ - ۷۱)

ادریسی خاندان - موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے بھائی ، ادریس اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی ناکام بغاوتوں کے بعد مصر کا رخ کیا جہاں خلافت عباسی کے محکمہ ڈاک کے اہلکار ابن واضح کی مدد سے جو مورخ یعقوبی کا دادا اور علوی خاندان کا طرفدار تھا ادریس مغربی افریقہ چلے گئے۔ جہاں بربری قبائل میں اثر و رسوخ پیدا کرکے اپنی حکومت قائم کی جو ان کے نام سے ادریسیہ کہلائی ان کے ایک بھتیجے محمد بن سلیمان بن عبداللہ بھی وہاں پہنچ گئے ان دونوں کی نسل خوب پھیلی - اس صحیح النسب حسنی خاندان کے افراد نسب قومیت کے اعتبار

(بقایا نوٹ صفحہ ۵۹ کا) متعلق کتب صوفیہ میں منقول ہے کہ آپ بھی راقم سے بہت کم در وقت والے بزرگوں ہمہ اولیا خواہد بود " شیخ ابوسعد مخزومی سے استفادہ کیا اور ان ہی کے مدرسہ میں درس و تدریس کا عرصہ تک شغل رہا پھر عام چندے سے رباط قائم ہوئی ہر اتوار کو خانقاہ میں اور جمعہ کی صبح اور دو شنبہ کی رات مدرسہ میں وعظ کہتے۔ تصانیف کی تعداد دو درجن ہے جن میں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب زیادہ مشہور ہیں ان تصانیف میں اچھے مضامین بھی ہیں اور ضعیف اور موضوع احادیث بھی۔ متاہل زندگی بسر کی کثیر الاولاد تھے ان کے صاحبزادے عبدالرزاق ہی کا بیان ہے کہ میرے والد کے ۴۹ اولادیں تھیں ۲۷ بیٹے اور ۲۲ بیٹیاں ۵۶۱ھ میں منزل حقیقی طے کی نوے برس کی عمر پائی۔ ان کا زمانہ خلافت عباسیہ کے انحطاط کا زمانہ تھا جب رفض و شیعیت کا بڑا زور تھا علماء ظاہر کی زبردست تردید کرتے تھے ان کے احفاد نے بغداد کی تباہی کے بعد سلسلہ قادریہ کی اشاعت ایسے وسیع پیمانہ پر کی کہ دنیائے اسلام کا کوئی خطہ باقی نہ چھوڑا جہاں یہ سلسلہ قائم نہ کیا گیا ہو۔ اصحاب سلسلہ نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے اقوال و مکاشفات ایسی درجہ مبالغات اور فسانوی طرز پر بیان کئے ہیں کہ مشائخ میں سے کسی کے تذکرہ میں ایسے نہ ملیں نہیں پائے جاتے علاوہ تکرارات و خرق عادات کے من گھڑت واقعات سے سب ہی تذکرے مملو ہیں ۔ نہج البلاغہ کے مصنف نے نہ صرف خطبات کے علاوہ بعض صحیح اقوال بھی حضرت علی کے شامل کر لئے ہیں ان میں یہ قول شیدائیان سیادت نسبی کے لئے باعث عبرت ہے حضرت علی فرماتے ہیں۔

ان ولی محمد من اطاع اللہ وان
بعدت لحمتہ وان عدو محمد
من عصی اللہ وان قربت لحمتہ
(نہج البلاغہ مصر)

بہ تحقیق کہ محمد صلعم کا دوست وہی ہے
جس نے ان کی اطاعت کی اگرچہ گوشت
اس کا دور کا ہو یعنی نسبی قربت چاہے نہ ہو
اور دشمن محمد صلعم کا وہ ہے جس نے آپ کی
نافرمانی کی اگرچہ گوشت اس کا آپ کو قریب
ہو یعنی نسبی قربت آپ سے رکھتا ہو۔ ۱۲

حسنی العلوی و حسنی الطالبی کہلائے نہ سید مثلاً :-

(۱) یحییٰ بن ادریس بن عمر بن ادریس الحسنی العلوی :

یہ یحییٰ بن ادریس مغربی افریقہ کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے مِن اعظم ملوک الادارسۃ المغرب الاقصیٰ (قاموس التراجم ج ۹، ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی [illegible] کی ریاست آخر [illegible] رہی [illegible] سلیمان بن عبد اللہ حسن مثنیٰ کے اخلاف میں سے تھے ۳۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دادا محمد بن سلیمان بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ نے یہ ریاست ساحل تلمسان (مغربی شمالی افریقہ) سے ملحق ۲۳۰ھ میں قائم کی تھی ان کی نسل سے کثیر تعداد اس علاقہ میں آباد ہے واحفادہ بالمغرب کثیر جداً (جمہرہ ابن حزم) قومیت کے اعتبار سے الحسنی الطالبی کہلاتے تھے مثلاً :-

(۲) یحییٰ بن ابراہیم بن یحییٰ بن محمد بن سلیمان الحسنی الطالبی (ایضاً ج)

علامہ ابن حزم نے مغربی و شمالی افریقہ کے متوطن حسنیوں کے انساب تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان میں ملوک و امراء کے علاوہ بڑے بڑے فضلاء و علماء ہوتے رہے لیکن کسی نے بھی ان میں سے نہ پچھلے اپنے کو نسب "سید" کہا اور نہ آج کہتے ہیں۔ شریف کہلاتے ہیں۔

حسینی خاندان: حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی نسل ایک ہی فرزند جناب علی بن حسین سے چلی۔ شیعہ مورخ ابن جریر طبری ان کی وفات کے ذکر میں پدری و مادری نسب ان کا ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ غزالۃ امولد خلف علیہا بعد حسین زبید مولی الحسین فولدت لہ عبد اللہ بن زبید وھو اخو علی بن الحسین و لعلی بن حسین ھذا العقب من ولد حسین (طبری ج ۷ ص ۳)

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام والدہ ان کی غزالہ نام کنیز تھیں جو حسین کے بعد ان کے غلام زبید کے عقد میں آئیں ان کے بطن سے عبد اللہ بن زبید پیدا ہوئے جو علی بن حسین کے مادری بھائی تھے انہی علی بن حسین سے حسین کی نسل چلی۔

شیعہ مورخ نے اپنے مسلک و شیعہ شعار کے مطابق نام کے ساتھ "علیہ السلام" تو لکھا "سید" نہ لکھا اور نہ حسینی لقب جو ظاہر ہے کہ مورخ مذکور کے زمانہ میں مروج نہ ہوا تھا۔

جناب علی بن الحسینؓ کے بیاحشا بیوی سے حسن الاکبر و محمدؓ و عبد اللہؓ تین بیٹے تھے اور سات بیٹے کنیزوں سے تھے جن میں بڑے زید تھے۔ جناب محمد بن علی بن حسینؓ کی کنیت ابو جعفر تھی اور وضعی حدیث کی بنا پر لقب باقر قرار دیا گیا ہے۔ جناب زید بن علی بن حسینؓ اموی خلیفہ امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ کے خلاف خروج کر کے مقتول ہو گئے انہیں زید الشہید کہا جاتا ہے۔

جناب ابو جعفر محمدؒ کو امامیہ و اسماعیلیہ امام پنجم (۵) کہتے ہیں اور جناب زیدؒ کو بھی ایک طبقہ امام مانتا ہے ان دونوں بھائیوں کے نام و نسب شیعہ مورخ اس طرح لکھتے ہیں:۔

(۱) ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ ام عبد اللہ ابنۃ حسن بن علی علیہ السلام۔ توفی ابو جعفر محمد بن علی بن حسین علیہ السلام سنۃ ۱۱۴ وھو ابن ثلاث و ستین سنۃ۔ (طبری ج۳ ص[illegible])

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ والدہ ان کی ام عبد اللہ دختر حسن بن علی علیہ السلام تھیں۔ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین علیہ السلام کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی وہ ۶۳ سال کی عمر کے تھے۔

ان تین سطروں میں شیعہ مورخ نے "علیہ السلام" تو تین بار ناموں کے ساتھ لکھا مگر نہ شیعہ لکھا اور نہ امامیہ کا وضع کردہ لقب الباقر تحریر کیا ظاہر ہے ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کے زمانہ میں یہ لقب رائج نہ ہوا تھا۔

جناب ابو جعفر محمد کے چار بیٹے تھے جعفر و عبد اللہ و ابراہیم و علی۔ اول الذکر کو امامیہ و اسماعیلیہ اپنا امام ششم مانتے ہیں ان کے نام و نسب کا اندراج ابن جریر طبری نے اس طرح کیا ہے:۔

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (ایضاً ص[illegible])

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

جناب زید بن علی بن حسینؒ کے نام و نسب کی تصریح اس شیعہ مورخ نے اس طرح کی ہے:۔

زید بن علی ابن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام وامہ ام ولد۔۔

زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام والدہ ان کی کنیز تھیں۔ . . . .

وقتل زيد عليه السلام يوم الاثنين لليلتين خلتا من صفر سنة ١٢٠ھ و يقال سنة ١٢٢ھ وكان له فيما قيل اثنان واربعون سنة
(طبری ج ۱۳ ص ۹۶)

زید علیہ السلام دوشنبہ ۲ صفر ۱۲۰ھ کو قتل ہوئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ۱۲۲ھ میں قتل ہوئے ان کی عمر ۴۲ سال بتائی جاتی ہے۔

جناب زید کی اولاد و احفاد اپنی قومیت طالبی و علوی ہاشمی و قریشی سے ظاہر کرتے تھے برعکس لفظ سید سے۔ صاحب عمدة الطالب نے آل ابی طالب کے انساب میں جا بجا طالبی و علوی یا طالبیین و علویین کے الفاظ لکھے ہیں اسی طرح دیگر مورخین نے علامہ ابن کثیرؒ جناب زید کی نسل کے ایک بزرگ کے تذکرہ میں جو مفسر و محدث و فقیہ و ادیب تھے کوفہ و بغداد میں سکونت تھی ۵۳۹ھ میں وفات ہوئی ان کا نام و نسب اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"عمر بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن علی بن حسین بن علی بن حمزہ بن یحییٰ بن الحسین
بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، القرشی العلوی، ابو البرکات
الکوفی البغدادی" (البدایہ ج ۱۲ ص ۲۱۶)

مولف عمدة الطالب نے بھی ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ ابو البرکات عمر اشریف عمر کہلاتے تھے علامہ تھے ادیب تھے محدث و فقیہ تھے نحوی و لغوی تھے ثقہ و صدوق تھے۔

اسی زیدی گھرانے کی ایک شاخ بنی اسامہ کے ذکر میں صاحب عمدة الطالب کہتے ہیں کہ [illegible]ھ تک یہ لوگ حلہ (عراق) میں سکونت گزیں تھے کچھ لوگ ہندوستان چلے گئے پھر کہتے ہیں کہ:-

كانوا بيتاً جليلاً مقدماً من اعظم بيوت العلويين وكان زيد بن علي النقيب جلال الدين اسامة بن عدنان بن اسامة وهو ابو الغنائم شاعراً فاضلاً ترك العراق ومضى الى الهند واخوه ضياء الدين ابو القاسم علي ورد هناك

علویوں کے بڑے گھرانوں میں سے ان لوگوں کا گھرانا سربرآوردہ اور صاحب وجاہت تھا اور ابو الغنائم زید بن نقیب جلال الدین علی بن اسامہ بن عدنان بن اسامہ شاعر اور فاضل تھے وہ عراق چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے وہ اور اس کے بھائی ضیاء الدین ابو القاسم [illegible] وہاں

(عمدۃ الطالبین (صـ۲۹۹) | دوسرا ادھ ہے۔

جناب زید بن علی بن حسینؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے محمد بن زید عالم و فاضل شخص تھے
ان کی صاحبزادی عباسی خاندان میں امیر المومنین محمد المہدیؒ کو بیاہی گئی تھیں (عمدۃ الطالب صـ۲۵۰)
صاحب عمدۃ الطالب نے ان کے تذکرے میں ایک حکایت الداعی کبیر محمد بن زید الحسنی کی دریا دلی
کی ... کچھ مدت تک ... بیٹھے ... قوم قریش کو
قریش و انصار و فقہا و اہل قرآن اور سب طبقات میں تقسیم کرنی شروع کیں ابتدا اپنے قبیلہ
بنی عبد مناف سے کی بنی ہاشم کو دے چکے تو ایک شخص سامنے آئے پوچھا بنی عبد مناف کی
کس شاخ سے ہو کہا بنی امیہ سے، پوچھا بنی امیہ کے کس گھرانے سے؟ جواب دینے میں تامل ہوا
تو محمد بن زید حسنی نے کہا شاید اولاد معاویہ سے ہو گے اس نے اقرار کیا تو پوچھا معاویہ کے
کس بیٹے کی نسل ہو وہ شخص خاموش رہا تو محمد بن زید نے کہا اعلاء صو ولد یزید شاید
تم یزید کی اولاد سے ہو اس نے کہا جی ہاں۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں :-

فنظر الیہ العلویون نظر اً شزراً | علوی لوگ اس شخص کو تیز کی نظر سے دیکھنے لگے

محمد الداعی نے چلا کر کہا ان کو کوئی کچھ نہ کہے پھر اس طرح کی ایک اور حکایت بیان کر کے
اس اموی یزیدی کو بھی اسی قدر حصہ دیا جو سب بنی عبد مناف یعنی ہاشمیوں وغیرہ کو دیا تھا۔ مؤلف
عمدۃ الطالب کی بیان کردہ حکایت صحیح ہو یا غلط اس سے یہاں بحث نہیں۔ انھوں نے
جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے " احسان العلوی الی الاموی من بنی یزید صـ۲۸۹ (
یعنی " ایک علوی کا احسان ایک اموی یزیدی پر " اب دیکھئے (نویں صدی ہجری) کے
مشرد ع کے یہ شیعہ مؤلف جب بنو عبد مناف کی دونوں شاخوں کے اشخاص کی نسبت نسبی
کا اظہار کرتے ہیں حسنی کو علوی اور یزیدی کو اموی کہتے ہیں اظہار نسب میں نہ حسنی کو
سید کہتے ہیں نہ یزیدی کو غیر سید بعض حضرات محترم اشخاص کو فضائل ذاتی کے اعتبار
سے انھوں نے البتہ سید کہا ہے نہ محض نسبت نسبی کے اعتبار سے۔

خلاصہ کلام

قریش قبائل یعنی بنی ہاشم و بنی امیہ کا کوئی گھرانا نسبی نسبت کے اظہار کے لئے محض
لفظ سید کسی عرب نے کبھی استعمال نہیں کیا البتہ ایک دوسرے کو سیدی و سیدنا کہتے رہے

ہیں چنانچہ اوصاف و فضائل ذاتی کی بنا پر یا قومی و ملی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں جیسا مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے یہ لفظ استعمال کیا جاتا تھا قریش و بنی ہاشم کا کوئی خاندان کوئی گھرانا کبھی نسباً سید کہلایا اور نہ کسی شخص نے اظہار نسب میں اپنے منہ سے اپنے کو سید کہا۔

تاریخی واقعات - بہرحال بنی ہاشم - کسی کے دور کو اپنے بعض افراد کی شدید لغزشوں اور غلطیوں سے جن کے سبب ہولناک خونریزیاں ہوئیں اور یکجہتی ملت میں پھوٹ پڑ گئی ایسا صدمہ پہنچا کہ خلفائے راشدین کے بعد سے جو دور زبردست فتوحات کا دور تھا قیادت و سیادت کے کارہائے نمایاں کی انجام دہی سے محروم ہو کر گوشۂ گمنامی میں چلا جانا پڑا۔ اس زمانہ میں عرب کے سبھی قبیلوں کے افراد اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے تھے اور اپنے کارناموں سے سید قوم کہلاتے تھے۔ مثالیں تو بہت پیش ہو چکیں یہاں ایک ایسے قبیلے کے بعض افراد کی مثال پیش کی جاتی ہے جسے بنظر حقارت دیکھا جاتا تھا یعنی قبیلۂ باہلہ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہا قبیلۃ من ذوی لۃ عند العرب - یعنی عربوں کی نظر میں یہ قبیلہ حقیر تھا۔ اسی قبیلے کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں اور پوتوں نے وہ شاندار خدمات انجام دیں کہ تین پشت تک سید القوم کہلاتے رہے۔

ابتدا ر ابو صالح مسلم بن حصین بن اسید بن زید بن قضاعی بن ہلال بن عمرو قوم باہلہ سے ہوئی۔ ابن قتیبہ نے المعارف کے ایک باب "المشہورون من الاشراف واصحاب السلطان" کے تحت ان کا مختصر تذکرہ کیا ہے ذاتی اوصاف اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر امیر المومنین یزید بن معاویہؓ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

وکان مسلم بن عمرو عظیم القدر عند یزید بن معاویۃ - (المعارف ص؎)	مسلم بن عمرو کی یزید بن معاویہ بڑی قدر کرتے ہیں۔

اسپ تازی ان کا حرون کہلاتا تھا اور کنیت ابو صالح تھی ایک شاعر نے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر کہا تھا اگر قریش سلطنت کھو بیٹھے تو خلافت قبیلہ باہلہ میں چلی جائیگی اور حرون کا مالک ابو صالح سنت عادلہ کی بنا پر اس کا مستحق ہے کہتا ہے ؎

اذا ما قریش خلا ملکہا	فان الخلافۃ فی باہلہ
لرب الحرون ابی صالح	وما تلکشیا بسنۃ العادلہ۔

؎ مسلم کے تیرہ بیٹوں میں قتیبہ سب سے بڑھ کر تھے "بہر ترشیا ران" کے نام سے موسوم

ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سیّد ولد مسلم حتی سبق علیہ قتیبۃ یعنی
مسلم کے بیٹوں کے سرخیل تھے۔ یہاں تک کہ قتیبہ (ان کے چھوٹے بھائی) ان پر سبقت لے گئے۔
یہ قتیبہ بن مسلم تیرہ برس تک خراسان کے گورنر رہے اور اس زمانہ میں حضرت خوارزم وسمرقند
وبخارا میں عظیم فتوحات حاصل کیں بلکہ بے شمار مخلوق نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ علامہ
ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وقد کان قتیبۃ بن مسلم بن عمرو
بن حصین ابو حفص الباهلي من
سادات الامراء وخیارهم وکان
من القادة النجباء الکبراء والشجعان
وذوي الحروب والفتوحات السعیدة
والآراء الحمیدة وقد هدى الله
على یدیه خلقاً لا یحصیهم الا
الله فاسلموا ودانوا لله عز وجل وفتح
البلاد والاقالیم الکبار والمدن
العظام شیئاً کثیراً۔
(البدایہ ج۹ ص۱۷۴)

بے تحقیق مسلم بن قتیبہ بن عمرو بن حصین ابو
حفص باہلی سادات امراء میں سے اور ان
کے نیک کرداروں میں سے تھے اور رفیع
المنزلت نجیبوں، بہادروں اور سورماؤں
اور معرکہ جنگ کے ماہرین کے سرخیلوں
میں سے تھے انھوں نے بڑی اچھی فتوحات
کیں اور قابل توصیف خیالات رکھتے تھے
اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے لاتعداد مخلوق نے کہ
شمار ان کا اللہ ہی جانتا ہے ان کے ہاتھ پر
اسلام قبول کیا کیونکہ اللہ بزرگ و برتر سے
چپکے ہوؤں کو زینت نصیب ہوئی قتیبہ نے
بہت بڑے ملک اور اقلیمیں اور عظیم حلقے
فتح کیے۔

قتیبہ بن مسلم کے یہ کارنامے ان ہی تک محدود نہ تھے ان کے بیٹوں میں سلم بن قتیبہ اموی
وعباسی خلافتوں میں عرصہ دراز تک بصرے کے گورنر رہے المعارف میں ان کے بارے میں یہ
کہا گیا کہ کان سید قومہ (وہ اپنی قوم کے سردار و سربراہ تھے) ان سلم کے ایک فرزند سعید
تھے جو آرمینیہ وموصل وسندھ وطبرستان وسجستان والجزیرہ کے باوقات مختلفہ گورنر
رہے دوسرے بیٹے ابراہیم یمن کے والی تھے تیسرے بیٹے عمرو بن سلم رہے اور مکہ کے امیر تھے چوتھے
بیٹے مسلم بن سلم سجستان کے گورنر رہے۔ قتیبہ بن مسلم کے دوسرے بیٹے قتل بن قتیبہ بھی سمرقند
تھے وصیتہ اسی ایک خاندان کے افراد میں ملک کے نظم ونسق کی اہلیت اور جوش

اسلامی کی قیادت کی صلاحیتیں تھیں جو پشت در پشت بطناً بعد بطن اس درجہ رہیں کہ حضرات لا ہوتے اقربین و اہل عمل میں ممتاز رہے ۔ ایسے ہی لوگ سردار اور سید کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں نہ وہ جو اپنی کوتاہ دستی سے تعمیری کاموں میں حصہ نہ لے سکے ۔ وہی واں اصل ہے ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ۔

الشریف

شریف والشریف کی جمع ان کی شرفاء و اشراف آتی ہے صاحب شرف و مجد کو کہتے ہیں اور شرف کے معنی میں علو و رفعت و برتری کا مفہوم شامل ہے ۔ قریشی خاندانوں کے ممتاز اشخاص شریف و اشراف کہلاتے تھے اور ان کے زیر دست غلام و موالی ضعیف و ضعفاء ۔ بعد میں شریف و وضیع ، شرفاء و اراذل کی اصطلاح بھی بن گئی ۔ قریش کے علاوہ دیگر قبائل کے معزز اشخاص شریف و اشراف کہلاتے تھے اور ادنیٰ اشخاص ضعفاء ۔

امام بخاری نے پہلا باب ابتداء وحی کا عنوان کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی چنانچہ اس ضمن میں اس تاریخی واقعہ کا بھی بیان ہے کہ تبلیغ دین متین کے سلسلہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم ہرقل کو نامہ مبارک بھجوایا تھا اسے جستجو ہوئی کہ مکہ کے کسی شخص سے جو پیغمبر صاحب سے نسبی قرابت رکھتا ہو حال معلوم کرے اس زمانہ میں قریش کا تجارتی قافلہ ملک شام گیا ہوا تھا جس کے سربراہ ابو سفیان تھے ۔ ہرقل نے انہیں بلوا کر منجملہ متعدد باتوں کے یہ بھی پوچھا تھا کہ :

فاشراف الناس اتبعوہ ام ضعفاؤھم فقلت بل ضعفاؤھم
(صحیح بخاری)

(ہرقل نے پوچھا اشراف نے ان کی پیروی کی ہے یا ضعیف ادنیٰ لوگوں نے ابوسفیان نے جواب دیا کہ اشراف نے نہیں کمزور لوگوں نے کی ہے ۔)

ابو سفیان کے جواب میں اسی حقیقت کا اظہار تھا کہ اول اول اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت ضعفاء کی تھی بیشتر غلام تھے جیسے حضرت بلال، عمار بن یاسر، زید بن حارثہ و صہیب بن سنان ۔ قریش اور اشراف میں سب سے پہلے مومن حضرت ابو بکر الصدیق تھے ۔

انھوں نے اپنے مال سے ان ضعفاء کو آزاد کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی اشراف اور ضعفاء کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے مشہور واقعہ ہے کہ قریش کے معزز گھرانے بنی مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نے چوری کی تو [illegible] لوگوں نے [illegible] حضرت اسامہ بن زید [illegible] سفارش کی اور عرض کیا کہ چوری کے جرم میں ہاتھ اس کا نہ کاٹا جائے۔ آپ نے فرمایا تھا

ان بنی اسرائیل کان اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف قطعوہ ولو کانت فاطمۃ (بنت محمد) لقطعت یدھا
(بخاری ج ۲ ص ۴۲ و دیگر کتب)

بنی اسرائیل کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شریف ان میں سے چوری کرتا اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی ضعیف (ادنیٰ حیثیت کا) چوری کرتا اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے اگر فاطمہ (بنت محمدؐ) ایسا کرتیں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح طور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شریف و اشراف کسی خاص قوم و قبیلہ یا گھرانے کے افراد نہیں کہلاتے تھے کتب تاریخ کی تصریحات بھی اسی حقیقت کی موید ہیں۔ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ نے جو مبسوط کتاب قریش کے خاندانی تذکروں میں تالیف کی ہے اس کا نام ہی انساب الاشراف ہے یعنی قریش کے سب ہی گھرانوں کے تذکرے اور مختصر سلسلہ انساب اس میں درج ہیں بلاذری کے قریب العہد کتاب المحبر کے مولف ابو جعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ اپنی کتاب میں اشراف قریش کے عنوان سے رؤساء قریش کی فہرست درج کرتے ہیں اور جن قریشیوں کی آنکھیں معرکہائے جنگ میں جاتی رہی تھیں ان کی فہرست کا عنوان باندھتے ہیں "من فقئت عینہ من الاشراف فی الحرب" پھر ایک جداگانہ فہرست ان قریشیوں کی دی ہے کتاب کی جن میں کوئی نہ کوئی جسمانی نقص تھا مثلاً اشراف العمیان العرجان، اشراف البرص، الاشراف العوران الاشراف وغیرہ یعنی اندھے اشراف سرخ اشراف یک چشم اشراف لنگڑے اشراف وغیرہ۔

اسی تیسری صدی ہجری کے دوسرے مورخ ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے المعارف میں ایک باب صناعات الاشراف کا باندھا ہے جس میں قریش کے مختلف خاندانوں کے ایسے افراد کی فہرست درج کی ہے جو کسب معاش کے لئے کوئی نہ کوئی پیشہ یا حرفہ کرتے

تھے ان ہی مولف کی دوسری کتاب عیون الاخبار میں ایک باب ہے "افعال السادات والاشراف" نیز ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ نے عقد الفرید میں قریشی کاتبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست اس عنوان سے دی ہے "اشراف کتّاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ان قریشی کاتبان میں نصف سے زیادہ تعداد اموی حضرات کی تھی۔[۱]

کتب تاریخ میں شریف و اشراف غیر ہاشمی اور غیر قریشی اکابر کے ناموں کے ساتھ بالعموم استعمال ہوئے ہیں۔ امیر المومنین حضرت مروانؓ اموی کو جب مصر پر تسلط کرنے کے لئے ۶۵ھ میں بذات خود جانا پڑا تھا معرکہ جدال و قتال میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عامل عبدالرحمن بن جحدم کے ساتھیوں کی جنہیں "خواص اہل البلد" کہا گیا ہے کثیر تعداد قتل ہوئی تھی ان میں عبداللہ کلاعی بھی تھے جن کے مقتول ہونے کا ذکر ابن کثیرؒ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

وقتل یومئذ عبداللہ بن یزید بن معدی کرب الکلاعی احد الاشراف (البدایہ جلد ۸ صـ ۲۵۹)	اور اس دن اشراف میں سے ایک عبداللہ بن یزید بن معدی کرب کلاعی بھی قتل ہوئے۔

اسی طرح اشراف الحیرہ، اشراف کوفہ، اشراف خراسان کے الفاظ بھی ملتے ہیں جن میں مختلف قبائل عرب کے لوگ شامل تھے مثلاً ۱۴۱ھ میں ابن ہبیرہ کی کلاب عربوں نے خوارج کوفہ میں بغاوت کا ارتکاب کیا تھا امیر کوفہ نے اس کے رد کرنے کو جو اجتماع کیا تھا اس کا حال تاریخ طبری میں بیان ہوا ہے کہ "جمع من اشراف الکوفۃ وبنی ہاشم العباسیین والطالبیین" (صـ ۲۸) یعنی اشراف کوفہ میں سے لوگوں کا، اور ہاشمیوں میں سے عباسی اور طالبی اشخاص کا اجتماع کیا۔

غرضیکہ ہر قوم و قبیلہ کے قریشی ممتاز افراد اشراف کہلاتے تھے۔ [illegible] الشریف کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو کریم الآباء ہو جیسا جبلہ بن الایہم غسانی کا جو [illegible] میں آباد قبائل کا رئیس تھا۔ عہد فاروقی میں اسلام لایا۔ مدینہ حاضر ہوا اس کا مسئلہ ہو کہ طواف کعبہ کرتے اس کی چادر کا گوشہ کسی کے پاؤں تلے آگیا۔

---

[۱] حضرت عمرو بن العاص السہمیؓ فاتح مصر کا نام بھی قریشی کاتبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ کے آخر تک کتابت کا کام انہی سے لیتے رہے تھے۔ ۱۲

جبلہ نے غصے میں اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اس شخص نے جواب میں جبلہ کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ جبلہ نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس آکر شکایت کی آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا اس کی سزا پائی۔ جبلہ یہ سنکر چوٹ سے کہنے لگا کہ ہم تو سردار ہیں ہم سے کوئی گستاخی سے پیش آتا قتل کر دیا جاتا امیر المومنین [illegible] یہ عہد جاہلیت کی باتیں ہیں اسلام نے تمہیں اور دوسروں کو سب کو مساوی کر دیا معیار [illegible] نیکی ہے معاشرتی امتیاز نہیں۔ جبلہ مدینہ سے بھاگ کر شام چلا گیا اور مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا ایک قطعہ اشعار میں اس نے اپنے کو اشراف کہکر طمانچہ کے بارے نصرانی ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔

تنصرت الاشراف من عار لطمة وما كان فيها لو صبرت لها ضرر

الہیثم بن عدی متوفی ۲۰۷ھ کی دو تالیفات کے نام و حوالے ملتے ہیں یعنی تاریخ الاشراف الکبیر و تاریخ الاشراف الصغیر۔ علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۱۵ھ تقریباً تیس کتابوں کے مصنف ہیں جو دستبرد زمانہ سے باقی نہیں رہیں ان کی ایک کتاب کا نام "اشراف عبد القیس" تھا اسی طرح ابن عبدہ کی ایک کتاب "اشراف بکر و تغلب" کے حالات میں تھی اور یہ ظاہر ہے کہ عبد القیس اور بکر و تغلب قبائل قریش کے نہ تھے۔ قریش کے مورث علی فہر بن مالک کے اجداد میں سے سات پشت اوپر مضر کے بھائی ربیعہ کی نسل سے تھے۔ یہ ان قبائل کے ممتاز افراد شریف و اشراف کہلاتے تھے باالفاظ دیگر شریف و اشراف کسی قبیلہ و خاندان کے افراد سے مخصوص نہ تھا

لقب الشریف بنی ہاشم سے کب مخصوص ہوا

علامہ جلال الدین سیوطی کبار مصنفین تھے تقریباً پانسو کتابیں تصنیف کی تھیں ان کا ایک کتابچہ ہے العجاجة الزرنبية فی السلالة الزینبیة ہے اسعاف الراغبین مطبوعہ ہے یہ اس کی بعض عبارتوں کے اقتباس سے ترجمہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں

اسم الشريف يطلق في الصدر الأول على كل من أهل البيت سواء كان حسنيا أو حسينيا أم علويا من ذرية محمد بن الحنفية وغيره من أولاد علي بن	لقب الشریف کا اطلاق صدر اول میں تمام اہلبیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی ہوں اولاد محمد بن حنفیہ سے یا سوائے ان کے دیگر اولاد علی بن ابی طالب

او علویاً ام جعفریاً ام عقیلیاً ام عباسیاً ولهذا تجد تاریخ الحافظ الذهبی مشحونا فی التراجم بذلک یقول الشریف العباسی الشریف العقیلی الشریف الجعفری الشریف الزینبی فلما ولی الفاطمیون مصر قصروا اسم الشریف علی ذریة الحسن والحسین فقط واستمر ذلک بمصر الی الآن

سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ تم تاریخ حافظ ذہبی کو دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں تذکرے اسی سے کہ کہتے ہیں الشریف عباسی، الشریف عقیلی، الشریف جعفری، الشریف زینبی لیکن جب فاطمیوں (عبیدیوں) کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے اسم الشریف مختصر کر دیا اولاد حسن و حسین کے لئے فقط اور یہ جاری ہے اب تک مصر میں۔

مرحوم احمد تیمور نے بقول ڈاکٹر حمید شرف الدین صاحب رستگوا اپنی کتاب التذکرہ میں کتب سے بہ اضعاف سے نقل کیا ہے

مندرجہ بالا عبارت میں علامہ سیوطی نے لقب الشریف کے بنی ہاشم سے مخصوص کئے جانے کا زمانہ متعین کرنے میں غلطی کی ہے صدر اول سے بالعموم مراد پہلی صدی ہجری سے لی جاتی ہے۔ مگر پہلی صدی ہجری تو درکنار پانچویں صدی ہجری تک اس لقب کے بنی ہاشم کے کسی گھرانے یا کسی فرد کے ساتھ مخصوص کئے جانے کا معتبر کوئی ثبوت کتب تاریخ سے نہیں پایا جاتا اور سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے قدیم مورخین کا کوئی حوالہ اپنے اس قول کی تائید اور ثبوت میں پیش نہیں کیا لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز جو آپ کی رحلت کے بعد بقید حیات رہے آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب تھے جنہیں آپ صنو ابی (میرے باپ کے مثل) فرمایا کرتے تھے ۳۲ھ میں وفات ہوئی مگر الشریف عباسؓ تو وہ بھی نہیں کہلائے نہ ان کے فرزند حضرت عبد اللہ بن عباسؓ متوفی ۶۸ھ اور نہ ان کے پوتوں پر پوتوں میں سے کوئی اس لقب سے ملقب ہوا حتی کہ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری تک عباسی خاندان کے کسی فرد کے نام کے ساتھ یہ لقب الشریف بطور خصوصی امتیازی نشان کے کتب تاریخ و تذکرہ کے صفحات پر نہیں پایا جاتا اسی طرح آپ کے دوسرے چچا ابو طالب کو الشریف ابو طالب بھی نہیں کہا گیا اور نہ ابو طالب کے فرزندان حضرت عقیلؓ و جعفرؓ و علیؓ میں سے کسی کو الشریف عقیلؓ، الشریف جعفرؓ و الشریف علیؓ کہا گیا اور نہ ان کی اولاد و احفاد میں سے کوئی بھی چوتھی یا پانچویں صدی ہجری تک اس لقب سے ملقب ہوا

مثلاً حضرت حسنؓ کبھی الشریف حسنؓ والشریف حسینؓ نہیں کہلائے اور نہ ان کے بیٹے پوتے یہ سب حضرات شرافت نسبی و حسبی کے اعتبار سے بلاشبہ شریف و اشراف تھے۔ اور اسی طرح دوسرے قریشی و غیر قریشی خاندانوں کے اکابر بھی عمومی طور سے شریف و اشراف کہے جاتے تھے لیکن صدر اول یا اس کے بعد چار پانچ صدیوں تک مخصوص خاندانی لقب کے طور سے کوئی ہاشمی الشریف نہیں کہلاتا تھا۔

کتاب الانساب جلد اول (طبع جدید) کے مصحح ڈاکٹر عبید اللہ نے "الاشراف" کے عنوان سے جو مختصر سا دیباچہ شامل کتاب کیا ہے اس میں اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ بنی ہاشم اور حضرت علیؓ کی نسل کے ناموں کے ساتھ لقب الشریف کے استعمال کا اظہار چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے قبل کبھی نہیں ہوا وہ مزید کہتے ہیں کہ :-

(ما قبل ذلک العهد کان يطلق على نسل الامام علي لفظ العلويين و على نسل ابيه الطالبيين — ص ۲۰)

لیکن اس سے (اواخر چوتھی صدی ہجری سے) قبل امام علیؑ کی نسل کے لوگوں پر لفظ علوی کا اطلاق ہوتا تھا، اور ان کے والد کی نسل پر طالبی کا۔

چنانچہ اس قول کے ثبوت میں انھوں نے حضرت علیؓ کی نسل میں چند ممتاز اشخاص کے اسماء مثلاً جعفرؓ کے بیٹے جن کا زمانہ ۸۰ھ سے ۱۴۸ھ تک کا ہے ان میں امامیہ کے بعض ائمہ کے اور ان کی اولاد کے نام شامل ہیں مگر کسی نام کے ساتھ لقب الشریف کا اطلاق خاندانی لقب کے طور سے کبھی نہیں کیا گیا ہے۔

یعنی جناب جعفرؓ (الصادق) جن کا زمانہ ۸۰ھ سے ۱۴۸ھ تک کا ہے ان کے صاحبزادے جناب موسیٰ بن جعفرؓ متوفی ۱۸۳ھ الشریف جعفر و الشریف موسیٰؓ کبھی نہیں کہلائے اسی طرح جناب علی الرضا (۱۵۳ — ۲۰۳ھ) بن موسیٰ بن جعفرؓ یا ان کے پوتے جناب حسن بن علی بن محمد بن علی الرضا (۲۳۱ — ۲۶۰ھ) کا حتیٰ کہ شریف المرتضیٰ و شریف الرضی کے والد حسن بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر (الصادق) کا لقب بھی الشریف نہ تھا بلکہ الطاہر ذو المناقب تھا حالانکہ ان کا زمانہ ۳۰۴ — ۴۰۰ھ کا تھا۔ چوتھی پانچویں صدی ہجری میں البتہ ان اسباب سے جن کا ذکر آگے آتا ہے عباسی و علوی اکابر کے ناموں کے ساتھ لقب الشریف کا استعمال شروع ہوا چنانچہ سیوطی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ :-

ولا شک ان المصطلح القديم اولی — اور اس میں شک نہیں کہ قدیم اصطلاح بہتر ہے

وهو اطلاقه (اسم الشريف) على كل علوي وجعفري وعقيلي وعباسي كما صنعه الذهبي وكما اشار اليه الماوردي من اصحابنا والقاضي ابو يعلى الفرا من الحنابلة كلاهما في الاحكام السلطانيه ونحوه قول ابن مالك في الالفية ۔

اور وہ یہ کہ لقب الشریف کا اطلاق ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے ۔ جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے اور جس طرح الماوردی نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابو یعلی الفرا نے جو حنبلیوں میں سے ہیں ان دونوں کا احکام السلطانیہ میں ذکر ہے اور اسی طرح کا قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے ۔

ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کا زمانہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کے زمانے سے تقریباً پونے دو سو برس پہلے ہے وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ :۔

الشريف ببغداد لقب لكل عباسي وبمصر لكل علوي (كتاب الالقاب)

بغداد میں ہر عباسی کا لقب الشریف تھا اور مصر میں ہر علوی کا ۔

مگر کب سے اور کس زمانے سے تھا اور کن اسباب سے یہ لقب عباسیوں علویوں اور دوسرے ہاشمیوں کے لئے مخصوص ہوا ۔ آئیے تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے ۔

خلافت عباسیہ کا ضعف اور فروغ رفض و شیعیت

عباسی خلافت ۱۳۲ھ میں قائم ہوئی ۶۵۶ھ میں خاتمہ ہوا اس سوا پانسو برس کی مدت میں دو سو برس کا ابتدائی زمانہ اس کی قوت و شوکت اور جاہ و جلال کا زمانہ تھا اس کے بعد سے بعض عباسی خلفاء کی سوء تدبیری کی بدولت جن کی تفصیلات یہاں پیش کرنا ضروری نہیں اس میں ضعف و اضمحلال شروع ہوا نوبت یہاں تک پہنچی کہ تقریباً سو برس تک عباسی خلیفہ کی حیثیت بساط سیاست پر شاہ شطرنج سے زیادہ باقی نہ رہی مملکت کے بعض بڑے بڑے صوبوں پر مختلف سیاسی قسمت آزما قابض و متصرف ہو گئے جن میں بیشتر رافضی تھے ۔ علامہ ابن کثیر ۳۶۳ھ کے حالات کے ضمن میں کہتے ہیں کہ :۔

وقد امتلأت البلاد رفضاً وسباً للصحابة من بني بويه وبني حمدان

بنی بویہ و بنی حمدان اور (عبیدی) فاطمیوں کے سبب تمام ممالک صحابہ کی بدگوئی اور

والله سبحانه وكانت ملوك البلاد مصراً وشاماً وعراقاً وخراساناً وغير ذلك من البلاد كانوا رفضاً وكذلك الحجاز وغيره وغالب بلاد المغرب فكثر السب والتكفير منهم للصحابة۔

(البداية والنهاية ج ۱۱ ص ۲۳۳)

رفض سے بھر گئے تھے مصر و شام و عراق و خراسان وغیرہ ملکوں کے بادشاہ رافضی تھے اور اسی طرح حجاز وغیرہ کے اور مغرب (افریقہ) کے اکثر مقامات کہ جن سے سب صحابہ کی بدگوئی اور تکفیر بکثرت کی جاتی تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب قرامطہ کے مسلح گروہ جن میں مجوسی عجمیوں کا عنصر غالب تھا مسلمانوں کے سیاسی نظم کو درہم برہم کرنے کی غرض سے بحرین سے اٹھے لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا حاجیوں کے قافلوں پر یلغار کی جس کے باعث برسوں تک ان کے خوف سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے عراق سے ایک شخص بھی نہ جا سکا۔ ان خبیثوں نے ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے ہزاروں حاجیوں کو تہ تیغ بے دریغ کیا۔ حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے جو بائیس برس تک مقام ہجر (بحرین) میں ان کے پاس رہا ۳۳۹ھ میں واپس کیا۔[1] دین اسلام اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کو مٹانے کے مقصد سے ان مجوسی عجم کی سازشیں طرح طرح سے ہو رہی تھیں بعض ایرانی جو شاہان ایران کی نسل سے تھے قرامطہ سے ساز باز کر رہے تھے۔ مورخ مسعودی نے جسے ایرانیوں کے حالات سے نسبتاً زیادہ واقفیت حاصل تھی اپنے زمانہ کے واقعات کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ مجوسی بادشاہوں کی اولاد میں سے علاقہ اصفہان کا ایک نوجوان جو ابن زکریا کے نام سے معروف تھا۔ قرامطہ میں آکر شامل ہو گیا تھا اور قرامطہ کے سربراہ ابوطاہر نے اس کو اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۹۱) شواہد تاریخی سے یہ بات درجہ یقین کو ثابت ہے کہ ایرانیوں کو اپنی شہنشاہیت اور سیاست کی شکست کو

---

[1] قرامطی لیڈر نے حجر اسود واپس کرتے ہوئے لکھا تھا "انا اخذنا هذا الحجر بامر وقد رددناه بامر من امرنا بأخذه" (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۲۳) (ہم نے اس پتھر کو بموجب حکم اکھاڑا تھا اور اب ہم اسی کے حکم سے واپس کرتے ہیں جنہوں نے اس کے اکھاڑنے کا حکم دیا تھا) یعنی عبیدی فاطمیوں کے حکم سے جن کے ایجنٹ کے طور سے قرامطیوں نے کام شروع کیا تھا بے شمار حاجیوں کو قتل کیا تھا ان کا مال و اسباب لوٹا اور حجر اسود اکھاڑا تھا پھر ان ہی کے کہنے سے واپس کیا۔

چاروناچار قبول کرنا پڑی تھی لیکن جذبۂ حب وطنی اور احساسِ ماتحتی کی شکست انھوں نے کبھی قبول نہیں کی تھی۔ عربوں کے خلاف کینہ و جوشِ انتقام ان کے دلوں میں موجزن رہا بہت سے ان میں منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہوئے تھے جب کبھی موقع ملتا عربوں اور عجمیوں عربوں کے درمیان سیاسی رقابتیں پیدا کرنے اور ابھارنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانہ تک صحیح النسب حسنی اور حسینی طالبانِ خلافت کے تقریباً پچاس خروج مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر ہو چکے تھے خروج کرنے والوں نے اپنے حسب و نسب کی برتری کا پروپیگنڈا کیا تھا اور بعض نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سی وضعی حدیثیں بھی مشہور ہو چکی تھیں چنانچہ ہر جگہ اس بات کا چرچا تھا کہ مہدی کا ظہور ہونے والا ہے جو اولادِ فاطمہؓ سے ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے آمدِ مہدی سے دنیا میں خوشی کا دور دورہ ہو جائیگا اور تمام عالم پر ان کا تسلط ہو جائیگا چنانچہ اس آمدِ مہدی کے پروپیگنڈے سے جو فضا پیدا کر رکھی تھی سیاسی قسمت آزما اس سے فائدہ اٹھاتے مہدویت کے مدعی ہو کر دامِ تزویر میں پھانستے اس طرح سعید کی جمعیت باآسانی اکٹھی کر لیتے ایرانی نسل کے چند عیار یکے بعد دیگرے اسی دعوے سے اٹھے جیسے تو ایرانی نسل کا یحییٰ بن زکرویہ بن مہرویہ مہدی ہونے کا مدعی ہوا اپنے کو جناب جعفرؓ (الصادق) کا پروتا بتاتا اور یہ کہتا تھا کہ میں محمد بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن جعفر الصادق ہوں حالانکہ اس کے باپ دادا کے نام زکرویہ اور مہرویہ سے ظاہر ہے کہ نسلاً عجمی تھے عربی و ہاشمی گھرانے کے کسی فرد کے یہ نام نہیں ہو سکتے تھے۔ بنو الاصبغ کی ایک جماعت اس کے متبعین میں ہو گئی سب سے پہلے اعراب نے ہی اپنے کو فاطمیین سے موسوم کیا۔ دیکھو یا فاطمیین (طبری ج ۱۱ ص ۲۳۷ والبدایہ ج ۱۱ ص) ابن کثیر اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کان یدعی انہ من سلالۃ علی بن ابی طالب من فاطمۃ وھو کاذب افاک اثیم قبحہ اللہ (ج ۱۱ ص ۹۶)

وہ اس کا مدعی تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب و فاطمہؓ کی نسل سے ہے وہ جھوٹا دروغ گو تھا اور مرتکب گناہ تھا۔ قبحہ اللہ۔

اس کو قریش و بنی ہاشم سے سخت عداوت تھی ملک شام کے قصبہ سلمیہ میں جب داخل ہوا تو وہاں کے بنی ہاشم کو تہ تیغ کیا بچوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ ان مظالم کی اطلاع جب عباسی

خلیفہ امیر المومنین المکتفی باللہ عباسی کو بھی زبردست افواج بھیجنے کا انتظام کیا جس پر کثیر زر و مال صرف کیا اور بعض نفیس افواج کے ساتھ تشریف لے گئے مقام رقہ پہنچکر فوجی دستے قرامطیوں کے استیصال کے لئے ہر طرف یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے جنھوں نے جلدی ان مفسدین کا خاتمہ کر دیا۔ یہ واقعات علامہ ابن جریر طبری نے تفصیلاً بیان کئے ہیں کیونکہ تقریباً ۳۱۰ھ سے چند سال پہلے کے اور ان کے سامنے کے ہیں یعنی ۔ وراس کا جانشین ان ذکرویہ جو ویہ دونوں مہدویت و فاطمیت کے مدعی تھے اپنے پیروؤں کو جو مکتوب بھیجتا ہے نام کے ساتھ کیسے کیسے شاندار القاب لکھتے ابن جریر طبری و ابن کثیر نے اس کے ایک مکتوب کو درج کیا ہے جس سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مہدویت و فاطمیت کا پروپیگنڈا کس درجہ موثر اور کارآمد سمجھا جاتا تھا ذیل میں اس مکتوب کے ابتدائی فقرات درج ہیں جن میں اس ایرانی نسل والے نے اپنے کو المختار من ولد رسول اللہ اور ہر مدعی خیر الوصیین یعنی اولاد رسول میں سے پسندیدہ اور وصیوں میں سے بہتر وصی کی اولاد تک لکھا ہے چونکہ اس کے زمانہ میں الشریف اور سید لقب رائج نہیں ہوئے تقریباً سو برس بعد ہوئے ورنہ وہ یہ لقب بھی لکھتا۔ اس کے خود ساختہ القاب ملاحظہ ہوں جن میں اس ایرانی منافق دشمن اسلام اپنے کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والا منافقین کو ذلیل کرنے والا ختم کر دو لاب جہاں میں اپنے کو خلیفۃ اللہ تک کہا ہے :-

من عبد اللہ احمد بن عبد اللہ المہدی المنصور
الناصر لدین اللہ القائم بامر اللہ الحاکم بحکم اللہ الداعی
الی کتاب اللہ الذاب عن حرم اللہ المختار من ولد
رسول اللہ امیر المومنین و امام المسلمین و مذل
المنافقین خلیفۃ اللہ علی العالمین و حاصد الظالمین
و قاصم المعتدین و مبید الملحدین و قاتل القاسطین
و مہلک المفسدین و سراج المبصرین و ضیاء المستضیئین
و مشتت المخالفین و القیم بسنۃ سید المرسلین و ولد
خیر الوصیین صلی اللہ علیہ وعلی اھل بیتہ الطیبین

وسلم کثیرا ... ...

(طبری ج ۱۱ ص ۳۴۴، البدایہ ج ۱۱ ص ۱۰۹)

اسی مکتوب میں یہ پرانی مدعی فاطمیت مکتوب الیہ کو لکھتا ہے کہ "میرے جد محمد مہدی کے ... [illegible] ... ظاہر ہونے میں لکھا ہے۔"

واٰخر دعواهم ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على جدی محمد رسول الله وعلى اهل بيته وسلم كثيرا

اس مدعی مہدویت و فاطمیت کا زمانہ ۲۹۰ھ سے چند سال پہلے کا ہے جب عباسی خلافت کو کمزوری لاحق نہ تھی اس لئے جلد ہی اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کر دیا گیا تھا چونکہ یہ گروہ پہلا گروہ ہے جس نے اپنے کو **فاطمیین** سے موسوم کیا اس لئے ان کا تذکرہ یہاں کیا گیا اگرچہ لقب **الشریف** و **السید** اپنے لئے مختص کرنے اور اپنی حکومت قائم کرنے کی مہلت نہ ملی جیسا دوسرے مجوسی عبید اللہ بن میمون القداح کی اولاد کو مصر میں اپنی حکومت کو "خلافت فاطمیین" سے موسوم کرنے اور ان القاب کو مختص کرنے کا موقع ملا جس کا ذکر آگے آتا ہے تسلسل واقعات کے سلسلہ میں بنو بویہ کا مختصر حال پہلے سُن لیجئے کہ رفض اور تشیع کے فروغ کے ساتھ شیعہ اکابر کو اعلیٰ مناصب کے علاوہ لقب الشریف اور دیگر القاب ان کی جانب سے عطا کئے گئے۔

بنی بویہ یہ تین بھائی تھے احمد (معز الدولہ) علی (عماد الدولہ) حسن (رکن الدولہ) باپ کا نام ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو تھا، رہ تیرہ واسطوں سے قدیم شاہ ایران بہرام گور کی نسل میں اسے بتایا گیا ہے گردش روزگار سے ایسا مفلس و نادار تھا کہ مچھلیوں کی تجارت سے آذوقہ حاصل کرتا تھا حُسن اتفاق اور یاوری بخت سے یہ تینوں بھائی علاقہ طبرستان کے ایک مقامی رئیس ماکان بن کالی کے متوسلین میں شامل ہو کر فوجی کام کرنے لگے ۳۱۶ھ میں جب ایک سیاسی قسمت آزما مرداویج بن زیار دیلمی نے اس علاقہ پر تسلط کر لیا یہ لوگ مرداویج سے وابستہ ہو گئے اس نے انتظامی عہدوں پر فائز کیا۔ رعایا ان کے حُسن انتظام سے خوش تھی مرداویج نہایت قبیح سیرت تھا وہ جب مارا گیا انھیں ایران کے بعض علاقوں پر تسلط کرنے کا موقع مل گیا یہ زمانہ عباسی خلافت کے ضعف و

اضمحلال کا زمانہ تھا ان کی بڑھتی قوت اور عزائم کو دیکھ کر دولت علویہ کی جانب مجبوراً المطیع للہ عباسی خلیفہ نے ۳۳۴ھ میں ان القاب کے ساتھ جو اوپر ان کے ناموں کے ساتھ درج ہیں امیر الامرائی کا منصب جلیل عطا کر کے کاروبار مملکت میں دخیل کر دیا ہے اور ان کے فوجی سب ظالم و متعصب شیعہ تھے۔ عباسی خلافت کو جائز خلافت نہیں جانتے تھے۔

بنی بویہ ومن معهم من أهل الديلم كان فيهم تعصب شديد فكانوا يرون ان بني العباس قد غصبوا الامر من العلويين حتى عزم معز الدولة على تحويل الخلافة الى العلويين (البداية والنهاية ج ۱۱ ص ۲۴۳)

بنی بویہ اور ان کے دیلمی ساتھیوں میں ظلم و جبر کا مادہ شدید تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ بنی عباس نے علویوں سے حکومت کو غصب کر لیا ہے چنانچہ معز الدولہ نے ارادہ کیا کہ خلافت علویوں کی جانب پھیر دے۔

مگر اس کے ایک مشیر نے سمجھایا کہ عباسی خلیفہ کو تم معزول تو کر سکتے ہو کیونکہ تمہارے فوجی اس کام میں تمہارا ساتھ دیں گے اس لئے کہ وہ عباسی خلیفہ کو جائز خلیفہ نہیں جانتے لیکن تم نے کسی علوی کو خلیفہ بنا دیا پھر کسی وجہ سے معزول کرنا چاہا تو تمہارے ساتھی اس کام میں موافقت نہ کریں گے کیونکہ وہ اسے صحیح الامارت جانتے ہوں گے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی یہ خیال اس نے چھوڑ دیا مگر رافضیوں سے اسے بڑی محبت تھی۔ وقد كان معز الدولة بن بويه يحب الرافضة (البداية ج ۱۱ ص ۲۵۱) اس کے زمانہ میں شریف الرضی و شریف المرتضیٰ امامیہ بغداد کے اکابر میں سے تھے جن کی دولت بہت قدر کرتی تھی ان کو اور ان کے والد کو مناصب اور القاب عطا کئے تھے ۳۸۸ھ کے ماہ ذیقعدہ میں شریف الرضی[1] کو لقب الشریف سرکاری طور سے عطا کیا تھا (انسائیکلو پیڈیا آف

---

[1] شریف الرضی جن کو یہ لقب شیعہ امیر الامراء نے عطا کیا تھا جناب موسیٰ بن جعفر (الصادق) کی نسل سے تھے نام و سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو الحسن محمد بن ابو طاہر حسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ شعر گوئی عطیہ وہبی تھا بقول مؤلف عمدۃ الطالب قریش کے ان بلند پایہ شعراء میں ان کا شمار تھا جن میں الحارث بن ہشام و ہبیرہ بن ابی وہب (داماد ابو طالب) عمر بن ابی ربیعہ اور یزید بن معاویہ جیسے چوٹی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶ پر)

اسلام ج ۳ ص ۳۰۹) النجوم الزاہرہ ابو المحاسن میں یہ واقعہ ۳۴۱ھ کے تحت بیان ہوا ہے کہ قید المطیع نے چند اشخاص کو جو عقیدہ تناسخ کے قائل تھے گرفتار کر لیا تھا ان میں ایک شخص مدعی تھا کہ علیؓ بن ابی طالب کی روح مجھ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ایسے ہی ایک عورت کہتی تھی کہ حضرت فاطمہؓ کی روح میرے جسم میں ہے۔ تیسرا شخص جبرئیل ہونے کا مدعی تھا ان تینوں کو کوڑے لگوانے کی سزا دی گئی تو وہ مرد اور عورت کہنے لگے کہ ہم اولاد علیؓ سے ہیں یہ سنتے ہی معز الدولہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ سب بنی بویہ کٹر رافضی تھے اور قدمائے علیؓ سے عقیدت بے پایاں رکھتے تھے اور دیگر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض۔ چنانچہ اسی زمانہ میں معز الدولہ نے فضائل صحابہ علی الاعلان بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔

(البدایہ ج ص ۲۲۰)

علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ حکم المقتدی کے دور خلافت کے شافعی عالم ابو بکر محمد بن عبداللہ جو محدث دارقطنی کے شیوخ میں سے تھے ایک دن جامع مدینۃ المنصور میں فضائل صحابہ علی الاعلان بیان کرتے اور دوسرے دن مسجد باب الشام میں فضائل صحابہ کے علی الاعلان بیان کرنے کی ممانعت کے علاوہ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدگوئی کے الفاظ بھی لکھوا دیئے گئے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس سال

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۰ کا) بہت شعر کا شعور ہے۔ شریف الرضی کے دیوان میں بنی بویہ خصوصاً بہاء الدولہ کی مدح میں قصیدے شامل ہیں۔ امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کے مدح میں بھی قصیدہ ہے جس کی ان دو بیتوں میں ہاشمی نسب پر فخر کیا ہے اور کہا ہے کہ تفاخر نسبی کے اعتبار سے ہم دونوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں سوائے اس بات کے کہ خلافت نے آپ کو منزلت دی ہے اور میں اس سے محروم ہوں۔

ما بیننا یوم الفخار تفاوت — ابداً کلانا فی المعالی معرق
الا الخلافۃ میزتک واننی — انا عاطل منہا وانت مطوق

دربار خلافت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سرکاری سیاہ لباس پہنتے تھے شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب اس کے متعلق کہتے ہیں هو اول طالبی جعل الیہ السواد (ص ۱۹۴) عمر کم پائی ۴۰۶ھ میں فوت ہوئے ان کے بھائی شریف المرتضی کو ان کے مرنے کا اتنا شدید غم تھا کہ جنازہ دیکھ سکے بغداد سے باہر چلے گئے۔ دیوان شعر کے علاوہ چند تصانیف بھی ہیں جن میں معانی القرآن اور مجازات القرآن بھی شامل ہیں۔

کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

وفیہا کتبت العامۃ من الروافض علی ابواب المساجد لعنۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وکتبوا ایضاً ولعن اللہ من غصب فاطمۃ حقہا وکانوا یعنون ابا بکر ومن اخرج العباس من الشوری یعنون عمر ومن نفی اباذر یعنون عثمان

اور اس سنہ میں رافضیوں کے عوام نے مسجدوں کے دروازوں پر (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر لعنت لکھی تھی اور ایسے ہی یہ بھی لکھا کہ لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا مراد (حضرت) ابوبکرؓ سے تھی جس نے (حضرت) عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کیا مراد اس سے (حضرت) عمرؓ سے تھی اور جس نے ابوذرؓ کو شہر بدر کیا۔ (حضرت) عثمانؓ سے مراد تھی۔ .....

....

ولما بلغ ذلک جمیعہ معز الدولۃ لم ینکرہ ولم یغیرہ ثم بلغہ ان اہل السنۃ محوا ذلک

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۴۳)

ان سب باتوں کی اطلاع جب معز الدولہ کو پہنچی اس نے ان باتوں سے نہ منع کیا اور نہ انہیں مٹوایا پھر اسے اطلاع ملی کہ اہل سنت نے اسے مٹا ڈالا۔

اسلام کی تاریخ میں بنی بویہ کا عروج سیاہ ترین دور تھا اور بیانوں کے علاوہ اس دور میں

۱؎ صحابہ کرام کی بدگوئی کو سن کر ایک جیسی بزرگ نے بدگویوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا عزم کر لیا تھا یہ بزرگ ابو عبد اللہ محمد بن حسین تھے جو ابن الداعی کہلاتے تھے انہوں نے ۳۵۹ھ میں بلاد دیلم میں مہدی کہلا کر ظہور کیا کثیر مخلوق ان کی طرف متوجہ ہوگئی ابن الناصر علوی ان کے مقابلے میں فرار ہو گئے بڑے عبادت گذار و مرتاض شخص تھے لباس صوف پہنتے تھے ابن کثیر ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ جب انہیں یہ اطلاعات پہنچیں کہ بغداد وغیرہ میں صحابہ کی بدگوئی کی جاتی ہے انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کا عزم کر لیا۔

وکتب الی الآفاق حتی الی بغداد دعوۃ الی الجہاد فی سبیل اللہ لمن سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ... دمشق)

(ابن الداعی نے) ان لوگوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کرتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے لئے ہر جگہ حتیٰ کہ بغداد کے لوگوں کو تحریراً دعوت دی۔

صحابہ کرام کی بدگوئی کی اس رسم بد و بدعت شنیعہ کی بنیاد پڑی۔ خود ایک شیعہ مؤلف جنہوں نے اب سے تقریباً بیس برس پہلے "مجاہد اعظم" نام سے سانحہ کربلا پر کتاب تالیف کی تھی، رسوم عزاداری محرم میں ایک غیر متعلق طرز عمل کی آمیزش" کے ذیلی عنوان سے تبرّے کے بارے میں صراحتاً لکھتے ہیں کہ:۔

> "خالص خلافت کی بحث میں بنیاد پڑی یا دیلمی خاندان (یعنی بنی بویہ) کو بغداد میں عروج ہوا، اس وقت سے شیعوں نے بطور انتقام یہ طریقہ اختیار کیا پھر شیعوں میں اس کا رواج ایسا عام ہوا کہ جو آج تک کم و بیش جاری ہے حالانکہ یہ ان کے پیشوایان دین کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے" (ص۲۳۰) اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں برا کہنے کی اجازت نہیں دیتی مذہبی احکام سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو عقلاً بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا" (ص۲۳۲)

بنی بویہ خصوصاً معز الدولہ نے فروغ رفض کے سلسلے میں جو کارروائیاں کیں مورخین نے ان کا ذکر متفرق طور پر کیا ہے۔ سنہ ۳۵۲ھ میں سب سے پہلے معز الدولہ نے ہی ماتم حسین کی بنیاد قائم کی۔ اس سے پہلے کسی ملک و دیار میں ماتم حسین نہیں ہوتا تھا اور نہ مظالم کربلا کی وضعی داستانیں مشہور ہوئی تھیں۔ علامہ ابن کثیر ۳۵۲ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ ماتم حسین کی ابتداء

فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن بویه قبحه الله ان تغلق الاسواق وان یلبس النساء المسوح من الشعر وان یخرجن فی الاسواق حاسرات عن وجوههن ینحن علی الحسین بن علی بن ابی طالب ولم یمکن اهل السنة منع ذلك لكثرة

اس سال کی ۱۰ محرم کو معز الدولہ بن بویہ نے خدا اس کا برا کرے حکم دیا کہ بازار بند رہیں عورتیں ٹاٹ کا ماتمی لباس پہنیں اور بازاروں میں اپنے چہرے کھولے بال بکھیرے اور سینہ پیٹتی نکلیں اور حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کریں۔ اہل سنت کو ممکن نہ تھا کہ ان باتوں کو روک سکتے منع کرتے بوجہ شیعوں کی کثرت و شوکت اور حکومت کا ان کے طرفدار ہونے کے باعث۔

الشیعۃ وظہور ہم وکون السلطان
معہم (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص۲۴۳)

شیعہ مؤلف مسٹر جسٹس امیر علی نے بھی معز الدولہ ہی کو ماتم حسین کا بانی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"معز الدولہ یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ سانحہ کربلا کی یادگار کے طور سے مقرر کی تھی۔
(ص۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیریسنز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

ایک اور شیعہ مؤلف اپنی تالیف "مجاہد اعظم" میں اسی بارے کو صراحتاً لکھتے ہیں کہ معز الدولہ نے ہی سب سے پہلے بغداد میں ماتم حسین علانیہ شروع کرایا تھا وہ فرماتے ہیں:۔

سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح بے تعزیہ توجیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی (ص۳۳۲)[له]

۳۔ عید غدیر کی ابتداء

معز الدولہ نے ماتم حسین کی ابتداء کرنے کے ساتھ ساتھ اسی ۳۵۲ھ میں عید غدیر کی خوشی منانے کی بھی ابتداء کی۔ غدیر عربی زبان میں جوہڑ کو کہتے ہیں یعنی چھوٹی سی برساتی ندیا جہاں بارش کا پانی اکٹھا ہو جائے۔ مکہ و مدینہ کے راستے سے کچھ دور ہٹا ہوا یہ جوہڑ تھا۔ وضعی روایت میں کہا گیا ہے کہ حجۃ الوداع کی واپسی میں

له مؤلف موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ تعزیے جس طرح ہندوستان میں ہوتے ہیں کہیں بھی نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایران جو شیعوں کا خاص گھر ہے وہاں بھی اس کا رواج نہیں ...... آخر اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور کس نے کی اور کیوں ہوئی افسوس ہے کہ اس سوال کے جواب میں تاریخ خاموش ہے (ص۳۳۲) تعزیے اور جلوس ہی نہیں ماتم و سینہ کوبی و نوحہ خوانی کا وجود معز الدولہ کے زمانہ (۳۵۲ھ) سے پہلے کسی ملک و دیار میں تاریخ سے نہیں پایا جاتا۔ سانحہ کربلا کے تین سو برس بعد تک کسی اسلامی ملک میں خاص کر مدینہ و مکہ میں ماتم حسین کا منایا جانا یا جلسے ہونا خود اس بات کی بین دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت وہ ہرگز نہ تھی جو تیسری صدی ہجری میں ابو مخنف جیسے کذاب راویوں کی افسانہ طرازی سے مشہور ہوئی شروع ہوئی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب خلافت معاویہ و یزید

تلہ یہ ... اس لئے عید یوم خم بھی کہتے ہیں۔ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام پر قیام کرکے خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت علیؑ کی جانشینی کا اعلان کیا چنانچہ اس مقدس اعلان کی خوشی میں ساڑھے تین سو برس بعد بنی بویہ کے زمانہ اقتدار میں پہلی مرتبہ یہ عید بغداد میں منائی گئی تھی جس کا حال علامہ ابن کثیرؒ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:۔

وفی ثامن عشر ذی الحجۃ منہا امر معز الدولۃ بن بویہ باظہار الزینۃ فی بغداد وان تفتح الاسواق باللیل کما فی الاعیاد وان تضرب الدبادب والبوقات وان تشعل النیران فی ابواب الامراء وعند الشرط فرحاً

[illegible] ایضاً

اسی سال کی اٹھارویں ذی الحجہ کو معز الدولہ بن بویہ نے حکم دیا کہ عید غدیر کی خوشی میں زینت و آرائش بغداد میں کی جائے بازار راتوں میں اسی طرح کھلے رہیں جس طرح عیدین میں کھلے رہتے ہیں۔ ڈھول اور نقارے بجائے جائیں امراء کے یہاں اور چوکیوں میں آتش بازی چھوڑی جائے۔

مشہد علیؑ — عضد الدولہ فنا خسرو برادر زادہ معز الدولہ نے اپنی وفات سے دو تین سال قبل ۳۶۹ھ میں شہر کوفہ سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر ایک قبر دریافت کی

۱؎ عضد الدولہ [illegible] برس تک بغداد [illegible] امیر الامراء کی حیثیت سے [illegible] رہا [illegible] بہت عاقل و فاضل، صاحب علم تھا اور حسن سیاست میں معروف مگر رفض و تشیع میں [illegible] تھا کہ ان میں رفض و تشیع [illegible] اس کے چچیرے [illegible] معز الدولہ [illegible] کے بیٹے بختیار بن معز الدولہ کی [illegible] رفض و سبیت کی [illegible] انہوں نے [illegible] بغداد [illegible] فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے عضد الدولہ نے اس کے انسداد کے لئے حکم دیا کہ کوئی خطیب و واعظ اپنے وعظ میں کسی صحابی کا نام تک نہ لے۔ اس زمانہ کے صالحین میں ابوالحسین بن سمعون واعظ تھے وہ بدستور وعظ کہتے رہے۔ عضد الدولہ نے طلب کیا اور خلوت میں گفتگو کرنی چاہی واعظ موصوف نے سورہ یونس کی یہ آیت تلاوت کی۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ پھر ہم نے تمہیں زمین پر ان کے بعد جانشین کیا تاکہ دیکھیں تم کیا عمل کرتے ہو۔ عضد الدولہ کو [illegible] اس کی تشریح [illegible] تقریر کی کہ وہ بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ واعظ موصوف جب رخصت ہو گئے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ تین لاکھ درہم اور دس پارچے ان کے پاس لے جا کر [illegible] قبول کرلیں تو ان کا سر کاٹ لانا۔ مگر واعظ موصوف نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ عضد الدولہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہنے لگا۔ خدا کا شکر ہے جس نے انہیں مجھ سے بچایا اور مجھ کو ان سے۔

علاقہ میں جو النجف کہلاتا تھا مشہد کی عالیشان عمارت تعمیر کرائی تھی ۳۷۲ھ میں فوت ہو گیا تو اسی مشہد کے قریب میں دفن ہوا۔ تربت پر یہ کتبہ کندہ تھا۔

هذا قبر عضد الدولة وتاج الملة ابي شجاع بن ركن الدولة
احب مجاورة هذا الامام المتقي لطمعه الخلاص والحمد لله
وصلواته على محمد وعترته الطاهرة۔

تدفین۔ حضرت علیؑ پر عبد الرحمن بن ملجم نے قاتلانہ حملہ شہر کوفہ میں کیا تھا۔ اور وہیں آپ کی وفات بھی ہوئی تھی اور وہیں آپ کے جسد مبارک کو آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؑ نے اس نیت سے عارضی طور پر سپرد خاک کیا تھا کہ بعد میں مدینہ جا کر اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کریں گے یہی وجہ ہے کہ قدیم مورخین نے کوفہ میں دفن کئے جانے کی متعدد روایتیں لکھی ہیں تین سو برس بعد عضد الدولہ نے جب یہ مشہد تعمیر کرایا تو مقام تدفین کے بارے میں طرح طرح کی روایتیں وضع ہوتی رہیں جن کا مختصر حال ذیل میں درج ہے اول قدیم ای روایتیں ملاحظہ ہوں:۔

قدیم مورخ مسلم ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ نے کتاب المعارف میں صراحتاً بیان کیا ہے کہ کوفہ کے قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے چنانچہ ان کے مقتول ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قتل ليلة الجمعة لسبع عشرة ليلة
مضت من شهر رمضان سنة
اربعين ....
قتله عبد الرحمن بن ملجم المرادي
قال الواقدي دفن ليلا وعمي قبره
وقال ابو اليقظان صلى عليه الحسن
ودفن بالكوفة عند مسجد الجماعة
في قصر الامارة۔ (ص ۹۰)

وہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات میں قتل ہوئے تھے .... ان کو عبد الرحمن بن ملجم المرادی نے قتل کیا واقدی کہتے ہیں کہ رات کے وقت دفن ہوئے اور ان کی قبر چھپا دی گئی تھی ابو الیقظان نے کہا ہے کہ حضرت حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی اور وہ کوفہ میں قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے۔

مورخ ابن قتیبہ کے بعد کے شیعہ مورخ علامہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بھی جو عضد الدولہ کے زمانہ سے تقریباً نصف صدی پہلے گذرے ہیں قصر امارت کوفہ کی مسجد جامع کے قریب میں حضرت علیؓ کا مدفون کیا جانا بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

قتل علي عليه السلام وهو ابن ثلاث وستين سنة صبيحة الجمعة لسبع عشرة ليلة خلت من شهر رمضان سنة ۴۰ ودفن عند مسجد الجماعة في قصر الامارة - (ج صـ ۸۵)

علی علیہ السلام ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات کو تڑکے کے وقت قتل ہوئے اس وقت ان کا سن ۶۳ برس کا تھا اور قصر امارت کی مسجد جامع کے پاس دفن ہوئے۔

علامہ ابن جریر طبریؒ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد کے مورخ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے بھی تاریخ بغداد میں کوفہ ہی میں دفن ہونا بیان کیا ہے۔ مؤلف کی وفات عضد الدولہ کے مشہد تعمیر کرانے سے تقریباً نوے برس بعد ہوئی ان کے زمانے کے لوگ نجف میں دفن ہونے کی روایت کو قبول نہیں کرتے بلکہ وہاں دفن ہونے سے منکر تھے۔ اب خطیب بغدادی سے چند روایتیں جو اسناد کے ساتھ درج کی گئی ہیں سنئے۔

حضرت علیؓ کے تذکرہ کے سلسلہ میں اسحٰق بن عبد اللہ بن ابی فروہ کی بیان کردہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے جناب ابو جعفر محمدؒ الباقر سے جب ان کے جد حضرت علیؓ کے مقام مدفن کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کوفہ میں رات کے وقت دفن ہوئے تھے اور مدفن ان کا چھپا دیا گیا تھا دفن بالكوفة ليلا وعمي دفنه (ج صـ ۱۳۶) دوسرے راوی ابو مسلم بن احمد بن عبد اللہ العجلی نے حضرت موصوف کے مقتول ہونے کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ۔

علي بن ابي طالب قتل بالكوفة قتله عبد الرحمن بن ملجم المرادي

. . . .

ودفن بالكوفة فلا يعلم اين موضع قبره - (الخ)

علی بن ابی طالب کوفہ میں قتل ہوئے عبد الرحمٰن بن ملجم نے انہیں قتل کیا تھا۔

. . . . .

دفن کوفہ میں ہوئے قبر ان کی کس جگہ ہے یہ کسی کو معلوم نہیں۔

شہر کوفہ حضرت علیؓ کا نہ صرف مستقر دار الخلافہ تھا بلکہ چند سال سے وطن ثانی کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ مدینہ چھوڑ کر وہیں رہنے لگے تھے اور بیشتر اہل خاندان بیٹے بھتیجے بھانجے و داماد وغیرہ سب ساتھ تھے جن کی سکونت کے لئے مکانات بھی تعمیر کرائے گئے تھے۔ پھر اس شہر کوفہ ہی میں نہیں تمام صوبہ عراق میں ہزاروں جانثار و طرفداران کے موجود تھے[1]

[1] حضرت عثمان ذی النورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد قصاص خون عثمانؓ کے بارے میں تتمہ نوٹ صفحہ ۸۶ پر دیکھئے۔

والكوفة علوية لانها وطن علی رضی اللہ عنہ ودار ہ (العقد الفرید ج ۳ صـ۲۹۶)

اور کوفہ تو طرفداران علیؓ کا شہر تھا کیونکہ وہ حضرت علیؓ کا وطن اور گھر تھا۔

ان [illegible] ت کے اعتبار سے شہر کوفہ میں قبر کو مخفی رکھنے کی کیا وجہ خاص ہو سکتی تھی اس ہی سلسلہ میں د [illegible] کہی گئی ہیں۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو پہلے سے یہ معلوم ہو گیا [illegible] ان کے بعد "دولۃ بنی امیۃ" قائم ہو جائے گی۔ بنی امیہ کو چونکہ ان سے عداوت تھی اس [illegible] ئے تو انھوں نے یہ وصیت کر دی تھی کہ قبر میری چھپا دی جائے تا کہ بنی امیہ کوئی فعل قبیح [illegible] [illegible] ساتھ نہ کر سکیں۔ (صـ۴۳)

برخلاف [illegible] کے البدایۃ والنہایۃ کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ خارجیوں کے خوف سے ان [illegible] کے دارالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) میں دفن کیا گیا تا کہ قبر کھود کر میت کی بے [illegible] نہ کر سکیں۔ دفن بدار الامارۃ خوفاً علیہ من الخوارج ان ینبشوا [illegible] جسدہ (ج ۷ صـ۳۲۹) مگر درایت کے اعتبار سے یہ دونوں روایتیں ضعیف اور بے [illegible] [illegible] ہیں۔ حضرت علیؓ کو بفرض محال اگر اس بات کا پہلے سے علم بھی ہو گیا تھا کہ ان [illegible] بعد حکومت بنی امیہ قائم ہو جائے گی تب بھی وہ یہ وصیت کیوں کرتے بنی امیہ سے ذاتی [illegible] خصومت ان کی مطلق نہ تھی سیاسی معاملات میں البتہ اختلاف ہوا اور

(بقیہ نوٹ صفحہ [illegible]) جو تفرقہ امت میں پیدا ہوا اس کا قدرے اندازہ اصمعی کے اس قول سے ہو سکے گا۔ جو صاحب [illegible] العقد الفرید نے نقل کیا ہے۔ اصمعی کہتے ہیں:—

البصرۃ کلہا [illegible] عثمانیۃ والکوفۃ کلہا علویۃ [illegible] والجزیرۃ خارجیۃ والحجاز سنیۃ

(ایضاً)

بصرہ شہر تمام تر طرفداران عثمانؓ کا تھا اور کوفہ تمام تر طرفداران علیؓ کا اور ملک شام تمام تر طرفداران بنی امیہ کا تھا۔ جزیرہ خارجیوں کا اور حجاز اہل سنت کا۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی کہ [illegible] ہے کہ بصرے کے [illegible] باشندے جس دن سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ طلب قصاص کے لیے کھڑے ہوئے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ قتل ہو گئے۔ سب طرفداران عثمانؓ میں شامل ہو گئے چنانچہ کسی بصری سے جب پوچھا کہ تم علیؓ سے محبت نہیں کرتے اس نے کہا تھا کیف احب رجلاً قتل من قومی [illegible] یعنی میں ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتا ہوں جس نے میری قوم میں سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ بصرہ کے برخلاف کوفہ والے حضرت علیؓ کے طرفدار رہے بعد میں البتہ غداری کی اور اہل کوفی لا یوفی مثل مشہور ہو گئی۔

نوبت جنگ پہنچی لیکن صفین کی واپسی میں جب ان کے ساتھی عراقیوں نے اہل شام یعنی بنی امیہ اور ان کے اعوان و انصار پر سب و شتم کا آغاز کیا حضرت علیؓ نے سختی سے منع کیا اور شائستہ زبان جاری کیا جس میں صراحتاً بیان کیا گیا تھا کہ ۔

"ہمارے معاملے کی ابتدا یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک ہماری اور ان کی دعوت اسلام میں ایک اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمان کی بابت اختلاف ہوا حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔" (نہج البلاغۃ)

رہی دوسری روایت کہ خارجیوں سے خطرہ تھا کہ قبر کھود کر میت کی بے حرمتی کریں گے اس کی بھی کچھ اصلیت نہیں۔ خارجی تو ان ہی کی پارٹی کے لوگ تھے جو تحکیم کے معاملہ میں ان سے جدا ہو گئے تھے اور جدال و قتال کی نوبت پہنچی تھی جس کو بقول شیعہ مورخ مسعودی ایک سال پانچ مہینے اور پانچ دن کی مدت بھی گزر چکی تھی ان کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم[1] کا ایک

---

[1] عبدالرحمٰن بن ملجم مولد و منشاء کے اعتبار سے کوفی تھا مگر سکونت اس کی مصر میں تھی وہ قرآن شریف کا اچھا قاری تھا قرآن شریف کی تعلیم اس نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں حاصل کی تھی قاموس التراجم میں اس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ :۔

وکان عمر بن الخطاب قد کتب الی عمرو بن العاص یامرہ بمنزل عبدالرحمن بن ملجم بقرب المسجد لیعلم الناس من القرآن وکان قد قرأ علی معاذ بن جبل بالیمن ثم استمال الی مذہب الخوارج۔
(قاموس التراجم زرکلی ج ۴ صفحہ ۲۹۵)

حضرت عمر بن الخطاب (فاروق اعظمؓ) نے حضرت عمرو بن العاصؓ (گورنر مصر) کو تحریراً ہدایت کی کہ عبدالرحمٰن بن ملجم کے رہنے کا مسجد کے قریب ہی انتظام کریں تاکہ وہ لوگوں کو قرآن شریف کی تعلیم دے اس نے قرآن کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ سے یمن میں حاصل کی تھی بعد میں خوارج کے مسلک کا ہو گیا تھا۔

وہ مصر سے چل کر کوفہ آیا اور وہاں دو اور مجاہد کو حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کے لئے یہ کہہ کر ورغلایا کہ انہوں نے ہمارے نیک سیرت بھائیوں کو قتل کیا ہے وقتل اخواننا الصالحین لہٰذا ان کے بدلے میں انہیں قتل کر دیں چنانچہ انتقامی جذبہ سے رذالت تو ان اپنا کر بیٹھا اور اس فعل بد کا ارتکاب کیا حضرت علیؓ نے ہدایت کر دی تھی کہ میری وفات کے بعد قاتل کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸۸ پر)

قاتلانہ حملہ خارجیوں کی سازش سے نہ تھا یہ ان کا ذاتی اور انفرادی فعل بد تھا چنانچہ شیعہ مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ خارجیوں کی اکثریت ابن ملجم کے اس بزدلانہ و غدارانہ فعل سے کنارہ کش تھی اسے پسند نہ کرتے تھے وکثیر من الخوارج لا یتولی ابن ملجم لقتله ایاه غیلة (کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۹۶) خارجی حضرت علیؓ پر جب بزدلانہ حملہ کو ناپسند کرتے تھے تو قبر کی بے حرمتی کا ارتکاب کیوں کرتے۔ غرضیکہ کوفہ میں قبر کے مخفی رکھے جانے کی یہ دونوں باتیں بے اصل ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شہر کوفہ کے کسی مقام پر جب مدفون ہوئے خواہ گورنمنٹ ہاؤس (دار الامارۃ) میں یا مسجد جامع کے قرب میں یا جیسا ایک روایت میں ہے کہ اپنے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ کے مکان کے ایک حجرے میں دفن کئے گئے تو شہر کوفہ میں قبر کیوں نہیں ہے۔ تین سو برس بعد بنی بویہ کے زمانہ امیر الامرائی میں کوفہ سے سات آٹھ میل دور ریگستانی علاقہ میں کیسے ظاہر ہوگئی مختصر جواب اس کا ایک روایت سے ملتا ہے کہ آپ کے صاحبزادوں نے ان کی میت کو تابوت میں اس نیت سے رکھ کر عارضی طور سے سپرد خاک کیا تھا کہ مدینہ لیجا کر اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کریں گے چنانچہ کوفہ سے روانہ ہوتے وقت اس تابوت کو اونٹ پر لادا کر لے گئے لیکن دوران سفر مدینہ بلا وطے میں شب کے وقت اونٹ مع تابوت گم ہوگیا وہاں کے بدوؤں نے یہ سمجھ کر اس میں مال ہے لے لیا میت مدینہ نہ پہنچ سکی۔ اس لئے ان کا مدفن نہ مدینہ میں ہے اور نہ کوفہ میں خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے ایک متشیع راوی کی جو روایت درج کی ہے اسے علامہ ابن کثیرؒ نے بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

وقد حکی الخطیب البغدادی عن ابی نعیم الفضل بن دکین ان الحسن والحسین حولاه فنقلاه الی المدینه بالبقیع عند قبر فاطمة وقیل انهم لما حملوه علی البعیر ضل منهم

خطیب بغدادی نے ابونعیم الفضل بن دکین کی یہ روایت بیان کی ہے کہ حسنؓ و حسینؓ نے (حضرت علیؓ کی میت کے) تابوت کو نکالا اور مدینہ میں قبر فاطمہؓ کے پاس منتقل کر دیا یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تابوت کو

(بقیہ نوٹ صفحہ پچھلا) ایک ہی وار سے قتل کر دیا مگر مورخ طبری نے بیان کیا ہے کہ ایک ایک عضو کاٹ کر اسے قتل کیا گیا جب اس کی زبان کاٹنے لگے تو چلایا کر اس سے تو میں قرآن کی تلاوت کرتا ہوں ظالمو! اسے تو مت کاٹو مگر اس کے وحشیانہ جرم کی سزا یہی قرار دی گئی کہ عذاب کے ساتھ قتل ہو پھر اس کے اعضاء نذر آتش کئے گئے۔ (طبری)

فحفروہ حتی یظنونہ مالا فلما
رأوا ان الذی فی الصندوق میت
ولم یعرفوہ دفنوا الصندوق
بما فیہ فلا یعلم احد این قبرہ
(البدایۃ والنہایۃ ج صـ ۳۳۰)

اونٹ پر لے جا رہے تھے وہ اونٹ ہی گم ہو گیا قبیلہ طئی کے لوگوں نے یہ سمجھ کر اس میں مال ہے لے لیا لیکن جب دیکھا کہ صندوق میں میت رکھی ہے جسے انہوں نے پہچانا نہیں تو صندوق کو مع اس کے جو اس میں تھا دفن کر دیا مگر کسی کو بھی معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے۔

مدینہ میں دفن ہوتے تو قبر دیا ہوتی مخفی بھی نہ رہتی اور ان کی اولاد کی قبریں بھی اس کے پاس ہوتیں حضرت حسنؓ کی وفات اپنے والد ماجد کے انتقال سے دس برس بعد مدینہ میں ہوئی تھی حضرت علیؓ کی قبر مدینہ میں ہوتی تو وہ پدر بزرگوار کے پہلو میں ہی دفن ہوتے لیکن وہ اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے روضہ میں ان کے پائینتی دفن ہوئے (سفر نامہ ابن جبیر صـ ۲۱۲ و رحلہ ابن بطوطہ) ان کے علاوہ جناب علی بن الحسین (زین العابدین) ان کے فرزند محمد بن علی (الباقر) اور پوتے جعفر (الصادق) ان سب کی قبور حضرت عباسؓ ہی کے روضہ میں تھیں جو "قبۃ اہل بیت" کہلاتا تھا۔ ان کے مدفن کی جگہ چونکہ صحیح طور سے متعین نہ ہو سکی مختلف روایتوں میں مختلف مقامات کے نام لیے گئے ہیں خطیب بغدادی و ابن کثیرؒ کی روایتوں میں حسب ذیل مقامات مدفن بتائے گئے ہیں:

۱- دارالامارۃ کوفہ (گورنمنٹ ہاؤس)
۲- مسجد جامع کوفہ۔
۳- حجرہ مکان جعدہ بن ہبیرہ واقع کوفہ
۴- نواح کوفہ
۵- مقام کناسہ
۶- مقام ثوبہ
۷- مدینہ (قبرستان بقیع)
۸- بلاد طی
۹- نجف حیرہ
۱۰- نجف
۱۱- کرخ (قریہ الغیر)

دیگر کتب میں چند اور نام بھی ملتے ہیں جہاں وقتاً فوقتاً حضرت علیؓ کی قبر ظاہر اور دریافت ہوتی رہی۔

مزار شریف نزد بلخ | مندرجہ بالا فہرست کے آخری مقام قریہ اخیر نزد بلخ[1] جسے خواجہ خیران[1] بھی کہتے ہیں دو مختلف زمانوں میں مدفن علیؓ دریافت ہوا پہلے تو حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً پانسو برس بعد بعہد سلطان سنجر ۵۳۰ھ میں دریافت ہوا اور وہ اس طرح کہ اس قریہ کی جماعت صالحین نے جن کی تعداد مولف تحفۃ الالباب نے چار سو سے زائد بیان کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ "ان عمی ابن ابی طالب فی ھذا الموضع" یعنی میرے چچا کے بیٹے ابن ابی طالب اس جگہ دفن ہیں۔ پھر اس جگہ کی جانب آپ نے اشارہ کیا۔ صبح کو یہ لوگ تاج یعنی حاکم بلخ کے پاس گئے اور خواب بیان کیا وہاں ایک فقیہ بھی موجود تھے انہوں نے حاکم سے کہا یہ محال ہے کہ قبر علیؓ یہاں ہو کیونکہ:۔

علی بن ابی طالب قتل بالکوفۃ واختلف الناس فی قبرہ فمنھم من قال دفن فی جامع الکوفۃ تحت المنارۃ ومنھم من قال دفن بکرذا ذودہ (؟) ومنھم من قال دفن بغدیر (؟) وعلیہ مشھد فکیف یجییٔ الی بلخ مسیرۃ الف فرسخ وکثر ھذا المحال فانصرف الناس (تحفۃ الالباب مطبوعہ مصر سنہ ۱۹۲۲ء مصحح جبرئیل فرنینڈ)

علی بن ابی طالب کوفہ میں قتل ہوئے تھے ان کی قبر کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ کوفہ کی مسجد جامع کے مینار کے نیچے دفن ہوئے کچھ ان میں سے کہتے ہیں کہ مقام کرذا ذودہ (؟) میں دفن ہوئے اور کچھ کہتے ہیں کہ غدیر (شاید غروی ہو) میں دفن ہیں اور مدفن پر مشہد بنا یا گیا ہے تو پھر وہ ہزار میل سے زیادہ فاصلہ پر (ان کی میت) یہاں کیسے آسکتی ہے یہ بات محال ہے یہ سنکر لوگ واپس چلے گئے۔

---

[1] یہ قریہ بلخ سے چودہ میل بجانب شرق آمو دریا کے جنوب میں واقع ہے اور افغانستان کے علاقہ میں ہے پہلے اخیر کہلاتا ہے پھر خواجہ خیران کہلایا روسی جنرل سٹولٹسی نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ شمالی افغانستان کے عمدہ مقامات میں سے یہ بستی ہے جس کی آبادی تین ہزار ہے۔

غرض اسی رات کو یہی فقیہہ اپنی اولاد و احباب کی معیت میں حاکم کے پاس آئے اور آہ و زاری کرتے ہوئے یہ ماجرا سنایا کہ میں اپنے گھر سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ شیوخ کی ایک جماعت بوڑھے بچے اور جوان سفید باس پہنے میرے گھر میں داخل ہوئے اور مجھ سے پوچھنے لگے "تو کہتا ہے کہ امیر المومنین یہاں موجود نہیں رسول اللہ کے قول کو جھٹلاتا ہے" مجھے گھسیٹ کر قبر پر لے گئے جہاں امیر المومنین علی بن ابی طالب تشریف فرما تھے سر اور داڑھی کے بال ان کے سفید تھے پھر یہ سب مجھ پر پل پڑے لات گھونسوں سے مارنے پیٹنے لگے کہتے جاتے تھے کہ دیکھ یہی امیر المومنین۔ مجھے اتنا مارا قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے میں نے امیر المومنین سے فریاد کی اور عرض کیا:۔

یا امیر المومنین! اللہ ارحمنی فاشار الیھم علی علیہ السلام بیدہ فترکونی فاستیقظت و جمیع اعضائی کانھا مکسرۃ وانا استغفر اللہ و اتوب الیہ مما قلتہ

(تحفۃ اللباب)

اے امیر المومنین خدا کے لئے مجھ پر رحم فرمائیے علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ان کو اشارہ کیا تو انھوں نے مجھے چھوڑ دیا پھر میں جاگ گیا میرے سب اعضاء ایسے تھے جیسے شکستہ ہوں میں اللہ سے جو اسکا معافی کا ہوں اور اسی سے توبہ کرتا ہوں۔

یہ ماجرا سنکر حاکم جیپ اور اپنے سپاہیوں کو ساتھ لے کر اس مقام پر گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں لوگوں کو بتایا تھا۔ وہاں جب زمین کھودی گئی تو قبر برآمد ہوئی جس پر سفید سنگ مرمر کی لوحیں بھی تھیں اور امیر المومنین کی میت اسی طرح تھی جیسے ابھی تازہ دفن ہوئی ہو کوئی چیز بگڑی نہ تھی کفن صحیح حالت میں تھا اور آپ کے رخسار تلے سنگ سرخ کی تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا:۔

"ھذا قبر علی کرم اللہ وجہہ" حاکم نے قبر از سر نو بنوا کر اس پر عالیشان اور خوبصورت مشہد تعمیر کرا دیا اور سنگ سرخ کی وہ تختی ریشمی جزدان میں رکھکر وہاں آویزاں کرا دی۔ شعراء نے اس واقعہ پر نظمیں کہیں۔ مولف مذکور نے ایک طویل نظم نقل کیا ہے جس کے چند شعر آپ بھی سنئے:۔

ان میں کہا گیا ہے کہ حضرت علی کی قبر نہ عراق میں ہے نہ ملک شام میں اور نہ جزیرہ میں اور نہ غدیر میں شاید مراد غری یعنی نجف سے ہے وہاں تو مغیرہ (بن شعبہ) کی قبر ہے اور القبر

اس عقیدت سے موقف ہے۔ ان کی قبر تو یہاں بلخ کے قریہ الخیر میں ہے پھر صالحین اہل الخیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں یہ بتانا کہ یہاں امیر المومنین موجود ہیں بیان کیا ہے۔ حضرت علیؓ کو محب محمدؐ، بیکر وصی اور وزیر اور ولی اللہ اور برادر رسول وغیرہ بتا کر کہا ہے کہ یہ کوئی انوکھی شان ہے —

ما بالغدیر سوی المغیرة — واللہ اعلم بالسریرة
ماقبر حیدر بالعراق — ولا الشام ولا الجزیرة
اللہ اودع قبرہ — بالخیر فی ارض نظیرة
رویاء براھا صالح — فی امة منھم کثیرة
قال النبی لھم بھا — ھذا ابن عمی فی الحفیرة
ھذا علی ما ھنا — فلیقصدوا یا اھل خیرة
فیھا امیر المومنین — کالشمس فی وقت الظہیرة
ھذا محب محمد — ووصیہ دون العشیرة
ھذا ولی احبابہ — مازال فی الدنیا نصیرہ
ھذا حبیب عداتہ — ھذا الذی یدعی وزیرہ
ھذا اخوہ وصھرہ — واللہ ما ان من نظیرة!

مؤلف نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر کے اس قریہ میں "دریافت" ہو جانے کے بعد تمام بلاد خراسان و ترکستان و سمرقند و بلخ سے زائرین جوق در جوق آنے لگے مگر اس کے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ یہ بات عجائب روزگار میں سے ہے کہ پانسو سال کے بعد ان کی یہ قبر بلخ دریافت ہوئی۔ کہتے ہیں کہ چنگیز خان کے زمانہ میں یہ مشہد مسمار ہو گیا تھا لیکن ۸۸۵ھ میں سلطان حسین تیموری کے عہد میں دوبارہ یہ قبر دریافت ہوئی اور بقول مقالہ نگار انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اس کی اصلیت کے ثبوت کا اعلان و اظہار ہو گیا اس پر مشہد تعمیر ہوا اور چند سلاطین اوزبک کی قبریں بھی اس کے قریب میں بن گئیں اور رفتہ رفتہ یہاں بارونق بازار لگنے لگے ایک شیعہ افغانی گورنر نائب عالم خان نے ۱۲۶۶ء اپنا مستقر اس مقام کو قرار دے لیا۔
اس وقت سے یہ مقام "مزار شریف" کہلانے لگا۔

بلخی قبر کی دریافت* بنی امیہ کے زمانہ سے تقریباً پونے دو سو برس بعد ہوئی تھی مگر

دیبالائی طرز کی جس جعلی حکایت سے اس کا دریافت ہونا بیان کیا گیا ہے تقریباً اسی طرح کی جعلی حکایتیں نجفی قبر کے بارے میں گھڑی گئی ہیں جو بلخی قبر سے پہلے دریافت ہوئی اور بنی بویہ کے زمانہ میں اس پر مشہد تعمیر ہوا۔ حالات کی یکسانیت کے اعتبار سے یہاں دونوں کا یکے بعد دیگرے تذکرہ ضروری ہوا۔ اب نجفی قبر کی "دریافت" کا حال سنئے:۔

نجفی قبر کی "دریافت"

پہلے اس مقام کے محل وقوع کا مختصر تذکرہ ضروری ہے جہاں حضرت علیؓ کی وفات سے تین سو برس بعد ان کی قبر "دریافت" ہوئی۔

النجف (یعنی مشہد علیؓ) صوبہ عراق کی ایک بستی اور زیارت گاہ ہے جو کوفہ سے جانب مغرب ہے۔ یہ ایک بیابان کے کنارے اور مرتفع وسطح بحر و جلے آب و گیاہ زمین زمین پر واقع ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج۳ ص۸۱۵)

النجف۔ عربی زبان کا لفظ ہے جمع اس کی نجاف و النجفۃ آتی ہے۔

النجف۔ التل، المکان الذی لا یعلوہ الماء (المنجد)	النجف یعنی ایک ٹیلہ وہ مقام جس پر (سیلابی) پانی نہ چڑھ سکے۔

مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ:۔

والحیرۃ علی النجف والنجف کان ساحل البحر الملح وکان فی قدیم الدھر یبلغ الحیرۃ (کتاب البلدان ص[illegible] مطبوعہ مطبع بریل)	(قدیم شہر) حیرہ النجف پر آباد تھا اور النجف ساحل تھا سمندر کا ازمنہ قدیم میں یہ آب شور حیرہ تک پہنچتا تھا

غرضیکہ یہ سارا ساحلی علاقہ جو ریگستانی علاقہ تھا "النجف" کہلاتا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ نجفت الریح الکثیب اذا فحصل یعنی تودھائے ریگ جو ہوا و آندھی سے اڑ اڑ کر پہاڑیاں بنا لیتے ہیں جسے عرف عام میں بھوڑ کہتے ہیں۔ زمانہ ما قبل اسلام یعنی عہد جاہلیت سے ریت کے ان ٹیلوں اور پہاڑیوں میں دو قبریں موجود تھیں جنہیں حضرت آدم اور نوح علیہما السلام سے منسوب کیا جاتا ہے (رحلہ ابن بطوطہ ص[illegible]) اس ریگستانی علاقہ میں حضرت علیؓ کی وفات سے سوا تین سو برس بعد بنی بویہ کے زمانہ ۳۶۹ھ میں ان کی قبر "دریافت" ہوئی۔

قدیم مورخین ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ اور شیعہ مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ وغیرہ نے

جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں حضرت علیؓ کی تدفین کے سلسلے میں نجف کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔ دوسرے شیعہ مورخ مسعودی[1] متوفی ۳۴۶ھ تو بنی بویہ کے ابتدائی زمانہ میں خود موجود تھے انھوں نے اپنی تالیف کتاب التنبیہ والاشراف ۳۴۵ھ میں مکمل کی تھی چنانچہ خاتمہ کتاب پر امیرالمومنین المطیع اللہ عباسیؒ کے عہد خلافت (۳۳۴-۳۶۳) کے حالات میں لکھا ہے کہ "احمد بن بویہ الدیلمی الملقب بمعز الدولہ نے خلیفہ پر غلبہ پالیا ہے اور اس وقت کہ ۳۳۴ھ سے خلافت و وزارت کے اکثر امور کا متولی ہو گیا ہے" اس معاصر شیعہ مورخ نے نجفی قبر کا مطلق کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی دوسری تالیف "مروج الذہب" میں ان کے مدینہ میں مدفون ہونے کا صراحتاً ذکر کیا ہے ان شیعہ مورخین کے زمانے یا اس سے پہلے اگر قبر علیؓ نجف میں "دریافت" ہوئی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتے تو کیا یہی بات ثبوت اس امر کا نہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل نجف میں حضرت علیؓ کی قبر ہونے کی کوئی روایت کوئی حکایت مشتہر نہیں ہوئی تھی بنی حمدان اور بنی بویہ جو دونوں متعصب شیعہ تقریباً ہم زمانہ تھے۔ ان ہی کے زمانہ اقتدار میں نجفی قبر "دریافت" ہوئی اور اس "دریافت" کے بارے میں وضعی روایتیں اور مہمل حکایتیں مشہور ہونی شروع ہوئیں جنھیں مدتوں بعد تک بھی اعتبار کا درجہ عام طور سے حاصل نہ ہو سکا تھا چنانچہ مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ ۷۲۷ھ میں نجف گیا تھا۔ حضرت علیؓ کی قبر کے بارے میں شبہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "القبر الذی یزعمون انه قبر علی علیه السلام (ص ۱۰۹) یعنی وہ قبر جس کے متعلق لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ کی قبر ہے"

دریافت قبر کی مہمل حکایتیں

حمد اللہ مستوفی قزوینی نے اپنی کتاب نزہۃ القلوب ۷۴۰ھ میں تالیف کی تھی اور عمدۃ الطالب کے

---

[1] ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی متوفی ۳۴۶ھ بڑے پایہ کے مورخ اور سیاح تھے کتابوں کے مصنف تھے اپنی تصانیف کا تذکرہ خاتمہ کتاب التنبیہ والاشراف میں کیا ہے ان میں کتابوں میں سے صرف دو کتابیں دستبرد زمانہ سے باقی رہ گئی ہیں یعنی کتاب مروج الذہب و معادن الجواہر فی تحف الاشراف من الملوک واہل الدرایات (جو نامکمل حالت میں دستیاب ہوئی) اور دوسری کتاب التنبیہ والاشراف جو ۱۸۹۴ء میں لیڈن کے مطبع بریل میں طبع ہوئی تھی مسلکاً شیعہ تھے ان کی ایک تالیف کا نام ہے "رسالة البیان فی اسماء الائمة"

شیعہ مؤلف متوفی ۸۲۸ھ نے اس کے تقریباً نصف صدی بعد۔ ہر دو مؤلفین نے پہلے تو حضرت علیؓ کے نجف میں دفن ہونے کی روایتیں لکھی ہیں پھر بنی امیہ کے خوف سے قبر کو مخفی رکھنے اور امیر المومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ ہی کی کرامت سے اس کے ظاہر ہونے کی حکایتیں بیان کی ہیں۔ مؤلف نزہۃ القلوب شہر کوفہ کے محل وقوع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

بطرف قبلہ بدو فرسنگی کوفہ مشہد حضرت علی امیر المومنین علی مرتضیٰؓ است و آنرا مشہد غروی خوانند جہت آنکہ چوں امیر المومنین را در مسجد کوفہ زخم رسید وصیت کرد کہ بعد از وفات جسد مبارکش را بر شترے بار کنند و آنرا سر دہند و مشتہر گردانند ہر جا شتر فرود آید آنجا دفن نمایند ہمچنیں کردند آں شتر بر آنجا کہ اکنوں مشہد است فرود آمد آنجا دفن کردند۔
(ص۱۳)

کوفہ سے بطرف قبلہ دو فرسنگ (تقریباً سات میل) کے فاصلہ پر مشہد حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ ہے اس کو مشہد غروی (عالی مقام) کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین کو کوفہ کی مسجد میں زخم لگا انھوں نے وصیت کر دی تھی کہ بعد وفات ان کے جسد مبارک کو ایک اونٹ پر لاد دیا جائے پھر اونٹ کو بے مہار چھوڑ دیا جائے اس خدمت کی انجام دہی کے لئے جسے موزوں سمجھا جائے اور جہاں کہیں وہ اونٹ بیٹھ جائے وہیں دفن کر دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا وہ اونٹ اس مقام پر جہاں اب مشہد ہے بیٹھ گیا تھا اس لئے وہیں دفن کر دیا گیا۔

اس کے برخلاف شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں۔

قد اختلف الناس فی موضع قبرہ والصحیح انہ فی الموضع المشہور الذی یزار فیہ الیوم فقد روی ان عبد اللہ بن جعفر سئل این دفنتم امیر المومنین قال خرجنا بہ حتی اذا کنا بظہر النجف

ان کی قبر کی جگہ کے متعلق لوگوں میں ضرور اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ قبر ان کی اسی مشہور جگہ ہے جو آج زیارت گاہ ہے روایت ہے کہ عبد اللہ بن جعفر (داماد و برادر زادہ علیؓ) سے جب دریافت کیا گیا

دفناه هناك -
(ص۴۳)

تھا کہ امیر المومنین کو آپ لوگوں نے کہاں دفن کیا تھا انھوں نے کہا کہ ہم ان کا جنازہ لے کر چلے حتیٰ کہ بیابان نجف کے سرے تک گئے اور وہیں دفن کر دیا۔

قارئین دونوں روایتوں کی یہ تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔ پہلی روایت میں اشتر بے مہار میت کو جدھر چاہا لے گیا گویا نبی کریم کی اونٹنی کی طرح وہ بھی مامور تھا دوسری روایت میں عزیز رشتہ دار میت لے کر گئے۔ بہر حال دونوں مؤلف اس بات میں تو متفق ہیں کہ بنی امیہ کے عہد خلافت میں قبر مخفی رہی مگر نزہۃ القلوب کے مولف قبر کے باعث میں صاحب قبر کی وصیت کا ذکر نہیں کرتے صرف اتنا کہتے ہیں کہ "در عہد بنی امیہ قبر مبارکش را آشکارا نمی توانستند کرد" (ص۱۴۳) لیکن عمدۃ الطالب کے مؤلف فرماتے ہیں کہ اس بارے میں خود حضرت علیؓ نے جیسا اوپر ذکر ہو چکا وصیت کر دی تھی کیونکہ ان کو اس بات کا علم تھا کہ میرے بعد دولت بنی امیہ قائم ہو جائے گی اس لئے قبر مخفی رکھی جائے تاکہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے اس کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ اب وہ جعلی حکایتیں ملاحظہ ہوں جو امیر المومنین ہارون الرشید عباسی علیہ الرحمہ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ ہی کے ہونے اور کرامات کی بدولت ان کی قبر کے نجف میں ظاہر ہونے کے بارے میں ان مولفین نے لکھی ہیں:-

نزہۃ القلوب کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:-

در عہد بنی عباس ہارون الرشید خلیفہ رضی در سنہ خمس و سبعین و مائہ در آن حدود شکار میکرد نخچیرے از بیم او پناہ بآن زمین برد و چندانکہ جہد نمود اسپش در آن زمین نمی رفت و از آن زمین شکوہے در دل او آمد از اہل آن حدود پرسش نمود قبر حضرت امیر المومنین رضی خبر دادند امر کرد زمین را کاویدند حضرت را یافتند و زخم رسیدہ

بنی عباس کے عہد خلافت میں ہارون الرشید خلیفہ رضی اللہ عنہ ۱۷۵ھ میں اس علاقے میں شکار کر رہے تھے شکاری جانور ان کے خوف سے اس زمین میں پناہ لیتے تھے ہر چند انھوں نے کوشش کی مگر گھوڑا ان کا اس زمین پر چلتا نہ تھا اس سے ان کے دل میں اس زمین کی عظمت پیدا ہوئی۔ اس علاقے کے لوگوں سے دریافت حال کیا تو انھوں نے حضرت

یافتند مقبرہ او را ظاہر کردند و مردم
بہمانجا مجاور شدند (ص[illegible])

امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی وہاں قبر
بتلائی حکم دیا کہ اس زمین کو کھودیں چنانچہ
حضرت کو خفتہ اور زخم رسیدہ پایا۔ مقبرہ
آپ کا ظاہر کر دیا گیا۔ اور لوگ اس جگہ
مجاور ہو گئے۔

اب مولف عمدۃ الطالب کی زبانی سنئے وہ ذکر ابتدائے بنائے قبر علیؑ کے ذیلی عنوان
سے ظہور قبر کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کی کرامت کا ذکر کس آب و رنگ سے کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

فلم یزل قبرہ علیہ السلام اللہ
مخفیاً حتی کان زمن الرشید هارون
بن محمد بن عبد اللہ العباسی فانہ خرج
ذات یوم الی ظاهر الکوفة یتصید
وهناك حمر وحشیة وغزلان فکانت
کلما القی الصقور والکلاب علیها
لجأت الی کثیب رمل هناك فترجع
عنها الصقور والکلاب فتعجب الرشید
من ذلك ورجع الی الکوفة وطلب
من له علم بذلك فأخبره بعض
شیوخ الکوفة انه قبر امیر المؤمنین
علی علیه السلام اللہ فحکی انه خرج
لیلا الی هناك ومعه علی بن عیسی
الهاشمی وابعد اصحابه عنه و
قام یصلی عند الکثیب ویبکی ویقول
واللہ یا ابن عم انی لاعرف حقك ولا
انکر فضلك ولکن ولدك یخرجون
ویقصدون قتلی وسلب ملکی الی

حضرت علی علیہ السلام جو ان پر کی قبر پوشیدہ رہی
حتیٰ کہ زمانہ ہارون الرشید بن محمد بن عبداللہ عباسی
کا ہوا وہ ایک دن نواح کوفہ میں شکار کھیلنے
نکلے وہاں پر حمد سرخ رنگ کے اور آہو بچگاں
موجود تھے باز اور کتے جب ان پر چھوڑے
جاتے وہ جانور ریت کے ٹیلے پر جو وہاں تھا
پناہ لینے چلے جاتے تھے باز اور کتے اس
ٹیلے پر نہ جاتے بلکہ اس سے واپس لوٹ
آتے تھے (ہارون) الرشید کو اس بات سے
حیرانی ہوئی تو وہ کوفہ لوٹ گئے اور جن
لوگوں کو اس بارے میں معلومات تھیں طلب
کیا کوفہ کے بعض شیخ لوگوں نے انھیں بتایا
کہ وہاں تو امیرالمومنین علی کی (اللہ کا سلام
ہو ان پر) قبر ہے چنانچہ بیان کیا گیا کہ وہ
یعنی خلیفہ ہارون الرشید رات کے
وقت اس مقام پر گئے ان کے ساتھ علی بن
عیسیٰ ہاشمی بھی تھے اپنے مصاحبین کو انھوں
نے اپنے سے دور رکھا پھر ریت کے ٹیلے کے

ان قرب الفجر وعلی بن عیسیٰ نائم
فلما قرب الفجر ایقظه هارون و
قال قم فصل عند قبر ابن عمك قال
وای ابن عم هو قال امیر المومنین
علی بن ابی طالب علیه السلام فقام
علی بن عیسیٰ فتوضا وصلی وزار القبر
ثم ان هارون امر فبنی علیه قبة
واخذ الناس فی زیارته والدفن
لموتاهم حوله۔

(ص ۳۴)

پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھی روتے جاتے تھے
اور کہتے جاتے تھے اے ابن عم میں آپ کے
حق کو جانتا ہوں اور آپ کے فضل سے منکر
نہیں لیکن آپ کی اولاد خروج کرتی اور میرے
قتل کا قصد کرتی ہے اور میری سلطنت سلب
کرنی چاہتی ہے فجر ہونے کے قریب تک یہی کرتے
رہے جب فجر کا وقت ہو گیا علی بن عیسیٰ کو جو
سو رہے تھے جگایا اور کہا کہ اٹھو اور اپنے
ابن عم کی قبر کے پاس نماز پڑھو انہوں نے
پوچھا وہ کون ابن عم ہیں کہا امیر المومنین
علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ علی بن عیسیٰ
اٹھے وضو کیا اور قبر کے پاس نماز پڑھی
پھر ہارون (الرشید) نے حکم دیا قبر پر قبہ
بنایا گیا اور لوگوں کو اس قبر کی زیارت
کرنے اور اپنے مردوں کو اس کے گرد دفن
کی تاکید کی گئی۔

اب دیکھئے ملا باقر مجلسی جو اواخر عہد صفوی میں امامیہ کے ممتاز مجتہد و مورخ تھے ان وضعی روایتوں کی نوک پلک درست کر کے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

روزے هارون الرشید بجانب صحرای
نجف بشکار بیرون رفت باسگان و چرغها
چوں بنزدیک صحرای نجف رسید سگان و چرغها
را بر آہو چند رہا کرد ساعتے با آں آہوان
مجادلہ کردند پس آہوہا بتلے بالا رفتند
سگان و چرغها برگشتند باز آہوها از تل
فرود آمدند جانوران شکاری نزدیک

ایک دن ہارون الرشید شکار کے لئے
کتوں اور بازوں کے ساتھ صحرائے نجف
کی جانب نکل گئے۔ جب صحرائے نجف کے
قریب پہنچے کتوں اور بازوں کو چند ہرنوں پر
چھوڑا کچھ دیر تک وہ ہرنوں پر جھپٹتے رہے
پھر ہرن ریت کے ٹیلے کے اوپر چڑھ گئے
کتے [illegible] لوٹ آئے ہرن پھر اس

ایشان دویدند باز آنہا بتل بالا رفتند باز
برگشتند چوں سہ مرتبہ این امر واقع شد
ہرون بسیار متعجب گردید از مرد پیرے
از قبیلہ بنی اسد پرسید این تل را چہ
میشناسی گفت مرا امان بدہ تا بگویم آنچہ میدانم
بگویم ہرون گفت امان دادم آن مرد
گفت قبر علی بن ابی طالب درین تل است
باین سبب حرمت می کنند جانوران درندہ
کہ باین تل بالا روند پس ہرون وضو
ساخت بر تل بالا رفت نماز و دعا
کرد و برگشت۔

(جلاء العیون صـــ طبع ایران سنہ ۱۲۲۳)

ٹیلے سے نیچے اتر آئے تو شکاری جانور
ان کے پیچھے دوڑے وہ پھر اس ٹیلے پر
چڑھ گئے یہ پھر واپس لوٹ گئے جب تین مرتبہ
یہی واقعہ پیش آیا تو ہارون کو بہت تعجب
ہوا قبیلہ بنی اسد کے ایک پیر مرد سے پوچھا
کہ اس ٹیلے کے بارے میں تم کیا جانتے ہو
اس نے کہا کہ مجھے امان دیجئے تاکہ جو میں
جانتا ہوں بتا دوں۔ ہارون نے کہا میں
نے امان دی۔ اس شخص نے کہا کہ اس
ٹیلے میں علی بن ابی طالب کی قبر ہے اسکی وجہ
سے یہ درندے جانور جرأت نہیں کرتے
کہ ٹیلے پر چڑھ جائیں پس ہارون نے وضو
کیا ٹیلے کے اوپر چڑھ گئے نماز پڑھی
دعا بھی مانگی اور لوٹ گئے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح مؤلف نے امیر المومنین ہارون الرشید عباسی علیہ الرحمۃ کے ریگستان نجف میں آہو چیتوں اور پرندوں کا کتوں اور باز و شکروں کے ذریعہ شکار کرنے آنے کا تو ذکر کیا ہے مگر یہ نہ بتایا کہ دار الخلافہ بغداد کے مضافات میں جب شکار گاہیں عمدہ قسم کی وہ بکثرت موجود تھیں۔ شکار کے جانور بھی بہت سے تھے زمین ہموار تھی جب خود مؤلف زہرۃ القلوب نے بغداد کے ذکر میں لکھا ہے کہ "شکار گاہ ہائے فراوان و میوہ دار و دشکار بسیار و زمین ہموار و علف خوار و معاش ساز گار بود" (ص ۳۷) تو آخر وہ کون سی وجہ خاص تھی کہ اپنی شکار گاہوں میں تو شکار نہ کھیلا جہاں شکار بکثرت موجود تھا۔ شکار کے لئے منتخب کیا تو نجف کا بنجر ریگستان جہاں پہنچنے کے لئے اوّل تو انکو تیس میل کی مسافت مجبوراً طے کرنی پڑتی تھی۔ پھر وہاں ریتلی پہاڑیوں ٹیلوں اور تودہ ہائے ریگ کا ناہموار میلوں میلوں تک چلا گیا تھا جہاں نہ کوئی شکار گاہ تھی نہ شکار ہی آسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ تو کیا ان حالات میں یہ داستان گو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صاحب قبر نے اپنی مزعومہ تدفین

۱۲۵

کے سیاسو برس بعد عباسی خلیفہ کو صرف اس لئے روحانی کشش سے وہاں کھینچ بلایا تھا کہ طرح طرح کی کرامتیں اور معجزے دکھا کر تفتیش حال پر انھیں مجبور کریں۔ اہل کوفہ سے پوچھنے پر پتہ چلے کہ ریت کے ٹیلے میں دبی ہوئی قبر ان کے ابن عم علی بن ابی طالب کی ہے۔ نزہۃ القلوب کی روایت کے مطابق ریت دستی ہٹائے جانے پر حضرت موصوف کو "خفتہ در زخم رسیدہ" پایا جائے اور ان کے مقبرے کو ظاہر کر دیا جائے "مقبرہ او را ظاہر کردند"۔ اس کے برخلاف مؤلف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ خلیفہ نے ان کی قبر پر مقبرہ بنوا دیا، لوگوں کو زیارت کرنے اور اپنی میتوں کو وہاں دفن کرنے کے لئے مجبور کیا۔ ملا باقر مجلسی ان باتوں کا مطلق ذکر نہیں کرتے بس اتنے ہی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ خلیفہ موصوف کو جب معلوم ہو گیا کہ ریت ٹیلے کے نیچے قبر حضرت علیؓ کی ہے انھوں نے وضو کیا، ٹیلے پر چڑھ کے نماز پڑھی اور دعائیں مانگیں۔ مؤلف عمدۃ الطالب نے البتہ خلیفہ ہارون الرشید پر قبر پرستی کا بہتان باندھتے ہوئے کہا کہ رات بھر قبر کے پاس کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے گریہ و زاری کرتے اور یہ التجائیں کرتے رہے کہ "اے ابن عم مجھے اپنی اولاد کے خروجوں سے بچائیے وہ میری سلطنت چھیننا چاہتے اور میرے قتل کے درپے ہیں" حالانکہ ان کے عہد میں صرف دو بغاوتیں ہوئی تھیں ایک باغی نے حاضر دربار ہو کر معافی بھی طلب کر لی تھی (ملاحظہ ہو تحقیق مزید) مگر عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ واضعین نے ایسے لچر و پوچ بلکہ احمقانہ طرز سے یہ حکایتیں وضع کی ہیں جن پر دروغ گو را حافظہ نباشد کی مثل صادق آتی ہے۔ مثلاً مؤلف عمدۃ الطالب ایک جگہ تو یہ فرماتے ہیں کہ بنی امیہ کے خوف سے قبر چھپا دی گئی تھی جو برابر مخفی رہی ان کی خاص اولاد کے سوائے کسی کو بھی معلوم نہ تھی ولم یزل القبر مستوراً لا یعرفہ الا خواص اولادہ (ص۲۳) پھر چند ہی سطور کے بعد کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے کوفے کے ان اشخاص کو طلب کیا جنھیں قبر کا حال معلوم تھا چنانچہ بعض شیوخ کوفہ نے بتلایا کہ اس ریت کے ٹیلے میں چھپی ہوئی حضرت علیؓ کی قبر ہے۔ نزہۃ القلوب کے مؤلف بھی یہی کچھ فرماتے ہیں یعنی "از اہل آں حدود پرسش نمود قبر حضرت امیر المومنین خبر دادند" ملا باقر مجلسی نے تو بنی اسد کے پیر مرد کا نام لے دیا ہے کہ حال بتانے کے لئے اس نے اول امان طلب کی جب امان مل گئی تب سارا حال بتا دیا گویا قبر کی نشان دہی بھی کوئی جرم تھا اور جرم بھی [illegible] کہ جو جان کا طالب ہوا۔ ان باتوں اور اختلاف بیانیوں سے قطع نظر، دیکھنا

یہ ہے کہ جب شیوخ کوفہ اور "اہل آبی حدود" بشمول میر واسطی تک کو قبر کا یہ حال معلوم تھا بنی امیہ کے خوف سے چھپا دی گئی تھی تو آخر سنہ ھ میں خلافت بنی امیہ ختم ہو جانے سے بیخ کنی کا جب کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا پھر کیوں پوشیدہ رہی اور اس نصف صدی کے طویل عرصہ میں جو بنی امیہ کا خطرہ ٹل جانے کے وقت سے عہد ہارونی (از ۱۷۰ ۔ ۱۹۳ھ) تک بہت سے شیوخ کوفہ وغیرہ نے اپنے امام اول وصی رسول کے مرقد کو ریت کے ٹیلے میں دبے ہوئے دستور مخفی و مستور کیوں رہنے دیا یعنی بیخ کنی کا خطرہ ٹل جانے کے بعد بھی پچاس برس کے عرصہ میں نہ ان عقیدت مندوں نے قبر برآمد کرنے کا خیال کیا اور نہ ہاشمی خاندان کے صاحب قبر کی ورثا نے اس طرف توجہ کی حالانکہ اپنے کنبے اور گھرانے کی حکومت و خلافت بھی عباسیہ قائم ہو چکنے کے بعد سے ہاشمی و طالبی و علوی اکابر ان اطراف و حدود میں برابر آتے جاتے رہتے مہمان عرب کے طور سے اپنے بنو اعمام خلفاء عباسی کے پاس مہینوں مقیم رہتے اور انعامات و وظائف و عطایا کی حاصل کرتے جن کا ضمناً ذکر اوپر آچکا ہے مگر ان ہاشمی و علوی حضرات میں سے کوئی صاحب نجف کے ریگستان تشریف لے گئے اور نہ ریت کے ٹیلے میں سے کسی قبر عزیز اور جد بزرگ کی قبر تلاش کرنے یا اس پر فاتحہ پڑھنے کی زحمت گوارا کی خصوصاً ان کی اکابر نے جو امیر المومنین ابو جعفر منصور عباسی علیہ الرحمۃ کے عہد میں دربار خلافت سے منسلک تھے بغداد وغیرہ میں حکومت پر رہے پھر خاندان خلافت سے متعدد علویوں کے تعلقات مصاہرت بھی تھے ان کی بیٹیاں بعض عباسی خلفاء امراء کے بیٹوں عزیزوں کے عقد میں تھیں بہر حال کسی کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے جد گرامی کی قبر تلاش کریں ڈھونڈیں پائیں تو اس کی مرمت کرائیں، قبہ و مقبرہ بنوائیں اس میں یا اس کے پہلو میں اپنی تدفین کی وصیت کریں اور اپنے گھرانے کی میتوں کو اسی تاریخی و مقدس مقام میں دفن کرانے کا انتظام کریں جہاں مرقد علی ہے۔ [illegible] کے مؤلف (...) [illegible] بھی نجف ہو چکی ہے مولف عمدۃ الطالب فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی میت کو حسن و حسین و عبداللہ بن عباسؓ نے غسل دیا تھا (ص ۴۲ سطر ۳ طبع اول حیدرآباد لکھنؤ) دوسری کتب میں عبداللہ بن جعفر کا نام بھی شامل ہے، جو صاحب غسل دینے میں شریک تھے تدفین میں ضرور ہوں گے ابن عباسؓ و ابن جعفرؓ کو جب اپنے عزیز ترین کا مقام دفن معلوم تھا ان کی اولاد و احفاد اور دوسرے عزیزوں کو بھی ضرور معلوم ہوگا خصوصاً بعد زوال بنی امیہ کے خوف

معتبر عباسی گویوں کی حکومت و خلافت کا استیصال کرنے کے بعد صوبہ عراق ہی کو اپنا مستقر قرار دیا ہو تو ان ہاشمی اکابرین اور عباسی خلفاء نے اپنے گرامی قدر عزیز کی مخفی اور مستور قبر کو خود ہی کیوں نہ دریافت کر لیا۔ امیر المومنین ابو العباس السفاحؒ و امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ و امیر المومنین موسیٰ ہادیؒ کے عہد خلافت میں قبر کیوں مخفی رکھی گئی۔ کیا ان تمام حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ بنی بُوَیہ کے زمانہ سے قبل مخفی قبر کی حکایت وضع نہیں ہوئی تھی۔ کہ جس نے امیر المومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ جیسے یگانہ روزگار امام المسلمین کا نام بنی بُوَیہ کے زمانہ سے پہلے قبر کا وجود بتانے اور اپنی خرافات کو معتبر بنانے کے لئے لیا ہے ورنہ ہارون الرشید علیہ الرحمۃ نے نجف کے ریگستان میں باز و شکرے اور کتوں کے ذریعہ نہ پرندوں[1] اور آہو بچگان کا کبھی شکار کیا اور نہ ریت کے ٹیلے میں دبی ہوئی مفروضہ قبر پر نذر کر کے اس پر قبہ بنوایا۔[2] قبر ہی کا وجود نہ تھا قبہ

---

[1] مولف عمدۃ الطالب نے "حمر وحشیہ" لکھا ہے شاید مراد صرف حمر وحشیہ یعنی گورخر یا جنگلی [illegible] کا پرندہ ہو کیونکہ اس کے ساتھ "صقور" یعنی باز و شکرہ کا نام لیا ہے ملا صاحب نے اس کا ترجمہ بورخ لکھا ہے۔ ترجمہ گورخر کا کیا گیا ہے حمر وحشیہ کا۔

[2] امیر المومنین ہارون الرشید کی علم و معرفت کی مدت خلافت ۲۳ برس ہے یعنی ۱۷۰ھ سے ۱۹۳ھ تک۔ اس دورہ میں سات بار حج کئے اور ہر برس جہاد کی حیثیت سے بیچ کر کے علامہ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کان من احسن الناس سیرۃ و اکثرھم غزوا و حجا (بخ ۱۰ ص ۲۱۴) یعنی ہارون الرشید سب لوگوں میں اچھی سیرت کے اور سب سے زیادہ جہاد اور حج کرنے والے تھے ایک سال حج کرتے دوسرے سال جہاد یعنی ہر سال ایک بار حج و جہاد دونوں کرتے ہمیشہ حج کو جاتے تو فقہا کی جماعت ساتھ ہوتی اور ان کی تعداد سو سے کم نہ ہوتی تھی جس سال حج نہ کرتے تھے تین سو فقہا کو اپنے خرچ سے حج کراتے۔ دوسرے راستوں میں حاجیوں کے آرام کے لئے سرائیں اور وضو خانے بنوائے راستوں کو درست کرایا اور مکہ معظمہ میں حیات بیدہ زبیدہ نے کروڑوں روپیہ کے صرف سے کوہ کے پہاڑ سے آب کے لئے نہر کھدوائی جو نہر زبیدہ کہلاتی ہے اور اب تک جاری ہے۔ حرمین شریفین کے باشندوں کو بے شمار رقوم عطا کرتے۔ بعض کتابوں میں جس سال کا نام شکار کھیلنے کے لئے لیا ہے یعنی ۱۷۵ھ اور اس سال میں بھی حج کیا تھا۔ اپنے مال سے ایک ہزار درہم روزانہ خیرات کرتے بڑے عبادت گزار تھے۔ ہر روز نفل نمازوں کے علاوہ سو رکعات نفل روزانہ پڑھتے۔ فضائل الرشید و محاسنہ کثیرۃ جدا۔ قد ذکرنا منہا ذلک شیئا کثیرا (البدایہ ج ۱۰) یعنی خلیفہ ہارون الرشید کے محاسن و مکارم بکثرت ہیں ہم نے تاریخ میں ان میں کی اکثر باتوں کو بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ذہبی نے ایک موقع پر مختصر بیان کیا ہے کہ کان من انبل الخلفاء و احشمہم [illegible] شجاعا مہیبا ملیحا ابیض طویلا جمیل الجسم بلغنا انہ صد [illegible] کان یصلی (دول الاسلام [illegible])

کیوں بنتا۔ پھر کسی بزرگ کی وہاں ہوتی بھی تب بھی اس عہد میں قبروں پر قبے تعمیر ہونے کا رواج نہ تھا امیر المومنین ہارون الرشید علیہ الرحمۃ کا زمانہ تبع تابعین کا مبارک عہد تھا اس وقت تک قبر پرستی کی یا مزاروں کی مجاوری اور قبوری شریعت کی بدعتیں شروع نہیں ہوئی تھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری بلکہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک ممالک اسلامیہ میں کسی جگہ بھی کسی قبر پر کوئی قبہ ورومنہ نہیں بنا تھا وہ فرماتے ہیں:۔

ولم یکن علی عہد الصحابۃ والتابعین	اس چیز کا (یعنی قبور پر قبہ بننے کا) عہد صحابہ
وتابعیہم من ذلک الشئ (ای قبۃ)	و تابعین و تبع تابعین میں کوئی وجود اسلامی
فی بلاد اسلام لا فی الحجاز ولا الیمن	ملکوں میں نہ تھا نہ حجاز میں، نہ یمن میں نہ شام
ولا الشام ولا العراق ولا مصر ولا	میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں، نہ خراسان میں
خراسان ولا المغرب ولم یکن قد	نہ مغرب (افریقہ) میں نہ قبر نبی (صلی اللہ
احدث مشہد لا علی قبر نبی ولا صاحب	علیہ وسلم) پر قبہ بنا تھا نہ صحابی نہ اہل بیت اور
ولا احد من اہل البیت ولا صالح	صالحین میں سے کسی کی قبر پر جگہ نام مشاہد

ربما یا نوٹ ۲ ۱۰۲ صفحہ) کل یوم ولیلۃ مائۃ رکعۃ ویتصدق من مالہ بالف درہم ولہ معرفۃ جیدۃ بالعلوم (ج صفحہ ۹۹) یعنی ہارون الرشید بہت غیور محمود رسا و محمود غازی و مجاہد بڑے بہادر و سورما بارعب و نرم مزاج تھے سفید رنگ طویل القامت اور گداز جسم کے تھے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب سے خلافت پر فائز ہوئے دن رات میں سو رکعات نماز پڑھتے اور مال سے ایک ہزار درہم روز خیرات کرتے علوم میں ان کو جید معرفت حاصل تھی اب دیکھیے دشمن حکایتوں میں اس غازی و مجاہد و شیخ امام المسلمین کو کیا ڈرپوک و بزدل دکھایا ہے کہ مفروضہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر رات بھر نمازیں پڑھتا، گریہ و زاری کرتا اور گڑگڑا کر ایک صدی سے زیادہ گڑی ہوئی میت سے یہ التجائیں کرتا ہے کہ اس کو اور اس کی حکومت کو بعض باغیوں کے حملوں سے بچا لیجیے جن کا اس زمانہ میں کوئی وجود بھی نہ تھا اور یہ سب کچھ نجفی ریگستان میں مفروضہ قبر کی داستان کے سلسلہ میں حالانکہ اس غازی و مجاہد خلیفہ کو متواتر جہادوں میں فریضہ حج کی ادائیگی و مقامات مقدسہ کی حاضری عظیم مملکت کے گوناگوں مسائل و مہمات عظیم کی مصروفیات میں اس قسم کے مشاغل کی فرصت بھی نہ تھی۔ ابو المعالی نے اپنے اشعار میں خلیفہ موصوف کی مصروفیات کا صحیح نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی کو آپ کی ملاقات کی آرزو ہو تو وہ آپ کو یا تو حرمین شریفین میں پائے گا یا مملکت کی دور دراز سرحدوں پر مصروف جہاد کسی سرزمین عدو میں رہوار کی پیٹھ پر سوار یا اپنی سرسبز مملکت میں۔

فمن یطلب لقاءک او یردہ ۔۔۔ فبالحرمین او اقصی الثغور

ففی ارض العدو علی طمر ۔۔۔ وفی ارض الترفہ فوق کور

اصلا بل عامة هذه المشاهد محدثة بعد ذالك وكان ظهورها وانتشارها حين ضعفت خلافة بني العباس وتفرقت الامة وكثر فيهم الزنادقة الملبسون على المسلمين وفشت فيهم كلمة اهل البدع وذلك من دولة المقتدر بالله في اواخر المائة الثالثة۔

(رسالہ راس الحسین ص ۵۱)

[illegible] تو اس زمانے کے بعد کی پیداوار ہیں ان کا ظہور و انتشار تو اس وقت ہوا جب بنو عباس کی خلافت کو ضعف لاحق ہوا، امت میں تفرقہ پڑ گیا، زندیقوں کی ان میں کثرت ہو گئی جو مسلمانوں کے بھیس میں درپے تخریب تھے اہل بدعت کی باتیں ان میں پھیلنے لگیں اور یہ سب المقتدر باللہ کے عہد خلافت میں تیسری صدی ہجری کے اواخر سے (ان کا عہد خلافت ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ تھا)

شیعہ مورخین و مولفین نے قبر علی کا وجود ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی کذب بیانیوں سے کام لیا ہے پہلے تو یہ کہا کہ بنی امیہ کے خوف سے مدفن کے وقت ہی قبر چھپا دی گئی تھی حالانکہ اس وقت نہ اموی خلافت کا وجود تھا اور نہ عراق میں کسی اموی کے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا امکان تھا۔ عراقیوں نے تو حضرت علیؓ کی وفات سے پہلے ہی ان کی زندگی ہی میں ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی تھی حسنؓ کے زیر کمان کثیر فوج بھی موجود تھی جس کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی ہے کوفہ و نجف وغیرہ سب ان ہی کے زیر تسلط تھے پھر ایسا کیا خوف دامن گیر تھا کہ دفن کرتے ہی قبر کے آثار مٹا دیئے گئے۔ اور اگر قبر کی بےحرمتی کا واقعی خوف تھا اور مدینہ جاتے وقت اپنے والد کا تابوت ساتھ نہ لے گئے تھے تو تفویض خلافت کے وقت حضرت معاویہؓ سے جہاں یہ شرائط طے کی تھیں۔

ان يأخذ ما في بيت المال الكوفة خمسة آلاف الف درهم وان يكون خراج دارابجرد له وان لا يسب علي وهو يسمع۔ (البداية ج ۸ ص ۱۴)

بیت المال کوفہ میں جو پانچ کروڑ درہم موجود ہیں وہ امام حسنؓ لے لیں اور دارابجرد کے خراج کی رقم اور یہ کہ ان کی سماعت میں حضرت علی کو برا نہ کہا جائے۔

تو وہ یہ شرط بھی ضرور کرتے کہ میں اپنے والد کی میت کو نجف کے ریگستان میں دفن کئے جا رہا ہوں اس کی بےحرمتی کا ارتکاب نہ کیا جائے مگر ایسی کوئی شرط انھوں نے کی اور نہ میت کو

لے یہ اور اسی قسم کی دیگر حکایتیں روافض کی من گھڑت ہیں۔ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ میں مخالفانہ (ملاحظہ ہو نوٹ صفحہ ۱۰۱ پر)

نجف میں دفن کیا۔ نجف میں حضرت علیؓ کی قبر ہوتی تو حضرت حسینؓ جو اموی خلافت کے خلاف اور اپنی تمام کربلا کی غرض سے کوفہ جا رہے تھے اور نجف کے پاس سے ان کا گزر ہوا تھا ضرور اپنے والد ماجد کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کو تشریف لے جاتے۔ خطیب بغدادی نے جو چوتھی صدی کے قریب العہد مورخ تھا امام باڑہ مشہد علیؓ کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی قبر نہیں ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے:-

وما یعتقدہ کثیر من جہلۃ الروافض من ان قبرہ بمشہد النجف فلا دلیل علی ذلک ولا اصل لہ ویقال انما ذاک قبر المغیرۃ بن شعبۃ حکاہ	اور ان رافضیوں میں سے بہت سے جاہلوں کے عقیدہ میں کہ مشہد نجف میں ان کی (علیؓ کی) قبر ہے تو اس کی کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی اصلیت بلکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قبر مغیرہ بن شعبہ کی ہے

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۳۰) حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں ایک ہی گھرانے بنو عبد مناف کے برگزیدہ اشخاص تھے۔ سیاسی معاملات میں اختلاف ہوا اور نوبت جنگ تک پہنچی۔ عین اس وقت جب دونوں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور قیصر روم نے لشکر کشی کی تیاری کر دی تا کہ مسلمانوں کی متحدہ عملی طاقت کا خاتمہ اور وہاں حملہ کر کے مسلمانوں کی قوت کو فنا کر دے حضرت معاویہؓ کو اس خطرہ کا احساس ہوا تو انہوں نے اسے لکھ بھیجا کہ اگر تو اپنے مقصد سے باز نہ آیا اور ہماری سرحد کی طرف بڑھا تو میں اپنے ابن عم (علیؓ) کا حلیف ہو کر تیرا اور تیرے ملک کے [illegible] کے [illegible] حضرت [illegible] جب یہ کام ہو رہے تھے اور اہل شام پر سب و شتم کرنا شروع کیا حضرت علیؓ نے منع کیا اور فرمایا اہل شام کو برا نہ کہو ان میں ابدال ہیں۔ ان میں [illegible] پھر اسی سلسلے میں [illegible] کیا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اس کے بعد جب قاتل زبیر آپ کی تلوار لے کر حاضر ہوا [illegible] اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ معاویہؓ سے صلح کر لینا اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں سے [illegible] کی طرح کاٹ کر گرا دیں گے اور حضرت معاویہؓ کو جب حضرت علیؓ کے مقتول ہونے کی اطلاع ملی بیٹھے ہی آبدیدہ ہو گئے ان کی زوجہ [illegible] نے کہا اب تم روتے ہو حالانکہ ان سے قتال کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا افسوس تجھے کیا معلوم کہ لوگ کیسے علم و فضل اور [illegible] کو کھو بیٹھے ہیں [illegible] تمام صحابہ کی۔

حقیقت یہ ہے لیکن جھگڑوں میں مشغول تھا   ملت آنحضرت سے [illegible] آئینہ دار تھا

حضرت معاویہؓ کا علم و کرم ضرب المثل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے بارے میں کہا ہے کان حلیما وقورا [illegible] [illegible] تھے [illegible] تھے [illegible] کے فرزند امیر یزید [illegible] خاندانوں سے [illegible] حضرت مروانؓ [illegible] عبد الملک بن مروان حضرت علیؓ کے داماد تھے [illegible] رشتے تھے جن کی تفصیل ذکر خلافت معاویہؓ و یزیدؓ میں کیا گیا ہے۔

الخطیب البغدادی عن ابی نعیم الحافظ عن ابی بکر الطلحی عن محمد بن عبداللہ الحضرمی الحافظ مطیّن انه قال: لو علمت الشیعة قبر هذا الذی یعظمونه بالنجف لرجموه بالحجارة هذا قبر المغیرة بن شعبة -
(البدایة والنهایة ج ۶ ص ۳۲۹)

شعبہؓ کی ہے چنانچہ خطیب بغدادی نے حافظ ابو نعیم سے انہوں نے ابوبکر الطلحی سے انہوں نے حافظ محمد بن عبداللہ الحضرمی سے انہوں نے مطین سے روایت کی ہے کہ شیعوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ نجف کی یہ قبر جس کی وہ تعظیم کرتے ہیں کس کی ہے تو اس پر الٹی سنگ باری کریں کیونکہ یہ قبر تو مغیرہ بن شعبہؓ کی ہے۔

بہرحال نجفی قبر خواہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ گورنر کوفہ کی ہو یا کسی اور بزرگ کی دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ اس کے معتقد ہیں کہ یہ قبر حضرت علیؓ کی ہے ان کے پاس جیسا علامہ ابن کثیر نے مندرجہ بالا اقتباس میں کہا ہے مہمل واہی روایتوں کے سوائے کوئی معقول دلیل و ثبوت ہے یا نہیں۔
اب ان واہی اور مہمل روایتوں پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

واہی اور مہمل روایتیں

ملا باقر مجلسی نے اپنی تالیف جلاء العیون کی فصل چہارم میں حضرت علیؓ کے "غسل و کفن و دفن" کی کوئی بیس روایتیں لکھی ہیں جو اگرچہ سب کی سب دیو مالائی طرز کی حد درجہ مہمل اور لچر ہیں تاہم بعض میں صراحتاً بیان ہوا ہے کہ تدفین کے بعد ہی حضرت علیؓ کی میت غائب ہو گئی اور قبر کا "ناپید شد"

پہلی روایت

میں مقام قبر کا یہ انوکھا ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ پیغمبر جب طوفان سے بچنے کے لئے کشتی میں بیٹھ گئے تو کشتی نے چل کر خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کر لیا۔ انہیں حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ کشتی سے اترو حضرت آدمؑ کے جسد کو وہاں سے نکال کر کشتی میں لے جاؤ چنانچہ تعمیل حکم کی گئی جب کشتی پھر چل کر مسجد کوفہ تک پہنچی "چوں کشتی بمسجد کوفہ رسید" وہاں ٹھہر گئی حضرت نوحؑ نے جسد آدمؑ کو نجف میں دفن کیا۔ "جسد آدم را در نجف دفن کرد" پھر آدمؑ کی قبر کے سامنے اپنے لئے بھی قبر کھود دی اور حضرت علیؓ کے لئے بھی "و صندوقے برائے حضرت امیر المومنینؑ تراشید و برائے دفن آں حضرت در پیش سینہ خود قرار داد" (ص [illegible]) یعنی ان کی میت کے لئے تابوت بھی بنایا اور اپنی قبر کے سامنے ان کے دفن کی جگہ بھی قرار دی شاید اسی مقصد سے حضرت آدمؑ کے جسد کے کعبہ سے ریگستان نجف میں منتقل کرنے کے احکام جاری ہوئے تھے کہ چار پانچ ہزار برس کے بعد علیؓ

وصی رسولؐ کی قبر وہاں قرار دی جانے والی تھی۔

ملا صاحب نے اس کی تصریح نہیں کی کہ طوفان سے پہلے شہر کوفہ کا کوئی وجود بھی تھا اگر تھا تو کس نے بسایا تھا اور کس نے مسجد بنوائی تھی تاریخ سے ثابت ہے کہ شہر کوفہ امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کے حکم سے فاتح ایران حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے ۱۷ھ میں بسایا جامع مسجد اور قصر امارت تعمیر کرایا بعد میں حضرت زیاد بن ابی سفیانؓ نے مسجد کوفہ کو ازسرنو تعمیر کرایا۔ المعارف میں اس کی تصریح ہے۔

وزیاد بن ابی سفیان ھو اباني مسجد کوفه وروی فی بعض الحدیث ان موضع مسجدها وفار التنور[1] (ص۲۳۶)	اور زیاد ابن ابی سفیانؓ ہی مسجد کوفہ کے بانی تھے بعض حدیثوں میں روایت ہے کہ اس مسجد کا مقام ہے وَفَارَ التَّنُّوْرُ یعنی جس مقام سے طوفان نوحؑ کا پانی ابل پڑا تھا۔

دوسری روایت کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ کوفہ سے باہر تشریف لے گئے تھے صحرائے نجف پر نظر پڑی فرمانے لگے "کیا ہی اچھا منظر ہے تیرا (اے نجف) اور کیسی (اچھی) خوشبو ہے تیرے قعر کی پھر جناب باریتعالےٰ سے عرض کیا "خدا وندا قبرمرا در ہمیں زمین قرار دہ (ایضاً) اے پروردگار میری قبر اسی زمین میں قرار دیجیو مگر پہلی روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ تو چار پانچ ہزار برس پہلے ہی مقام قبر ان کا قرار دے چکے تھے۔

تیسری روایت بیان ہوا ہے کہ اپنے فرزند حسینؓ کو انھوں نے وصیت کردی کہ مجھے میرے دونوں بھائیوں ہودؑ و صالحؑ پیغمبروں کی قبر میں دفن کیجیو "در قبر دو برادرم ہود و صالح دفن کنید" (ص۲۸) حضرت ہود و صالح علیہم السلام دونوں برگزیدہ پیغمبر حضرت نوحؑ کی اولاد میں پانچ چھ پشت کے فصل سے حضرت علیؓ کے زمانہ سے تقریباً ڈھائی تین ہزار برس پہلے ہوئے ہیں۔ خاندانی بھائی تو وہ ان کے کسی طرح بھی نہ تھے، نہ حضرت علیؓ نبی ہیں جو منصب نبوت کے اعتبار سے انھیں اپنا بھائی کہتے حضرت ہودؑ تو قوم عاد کے پیغمبر تھے عرب کے جنوبی علاقے حضرموت کے دامن کوہ میں ان کی قبر ہے (ارض القرآن) نہ کہ نجف میں

---

[1] یہ مطلب سورہ ہود کی اس آیت کا ہے حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ یعنی یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور روئے زمین سے (پانی) ابل پڑا۔ التنور کے معنی لوگوں نے مختلف لئے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اس کو سطح زمین فرمایا ہے بعض کے نزدیک چشمہ یا وہ مقام جہاں پانی اکٹھا ہو۔

حضرت صالحؑ قوم ثمود میں مبعوث ہوئے تھے جن کا علاقہ مغربی و شمالی عرب تھا ان کی قبر بھی مدائن صالح میں تھی جو حجاز سے شام کے راستہ پر واقع تھا۔ عراقی نجف میں ان کی قبر بتانا محض لغو و مہمل ہے۔

چوتھی روایت

یہ کہا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے غسل و کفن اور حنوط کی وصیت کرنے کے بعد اپنے دونوں صاحبزادوں حسن و حسینؑ سے فرمایا تھا کہ جب جنازہ بیکر ملو تو پچھلے حصہ کو تم اٹھانا اگلا حصہ فرشتے اٹھائیں گے "پیش جنازہ را ملائکہ برخواہند داشت" "میری قبر کھدی اور لحد بنی ہوئی پاؤ گے اس میں دفن کرنا" "یک خشت از بالائے سر من بردارید و در قبر نظر کنید" میرے سرہانے سے ایک اینٹ اٹھا کر قبر کے اندر دیکھ لینا چنانچہ جب قبر میں جھانک کر دیکھا کسی کو نہ پایا

یک خشت از بالائے سر آنحضرت را برداشتند و در قبر نظر کردند کسے را در قبر ندیدند ناگاہ صدائے ہاتفے را شنیدند کہ بندۂ شائستۂ خدا بود امیر المومنینؑ حق تعالیٰ او را بہ پیغمبر خود ملحق گردانید (ایضاً)

حضرت موصوف کے سرہانے سے ایک اینٹ کو ہٹایا اور قبر میں جھانکا تو وہاں کسی کو نہ دیکھا ناگاہ ہاتف کی آواز سنی کہ امیر المومنینؑ بندہ شائستہ خدا تھے۔ حق تعالےٰ نے انھیں اپنے پیغمبر سے ملحق کر دیا۔

جب میت ہی غائب ہو گئی تو قبر کیسی گویا حق بر زبان جاری کہ سچی بات ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

پانچویں روایت

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کی زبانی ان الفاظ میں ملا صاحب نے درج کی ہے کہ :-

آخر سخنے کہ پدرم بہ دو برادرم حسن و حسین گفت این بود کہ اے فرزندان من چوں از دنیا رحلت کنم مرا غسل دہید پس خشک کنید بدن مرا بآں بردے کہ بدن رسول خداؐ و فاطمہؑ زہرا را بعد از غسل خشک کردم پس مرا حنوط کنید بحنوط جدّ خود و مرا بروئے تخت بخوابانید و عقب تخت را بردارید ہر طرف کہ پیش تخت میرود شما از عقب آں بروید

آخری بات جو میرے والد نے میرے دونوں بھائیوں حسن اور حسین سے کی تھی یہ تھی "اے میرے بیٹو! جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں مجھے غسل دینا میرے جسم کو اس چادر سے خشک کرنا جس سے میں نے رسول خدا اور فاطمہ زہرا کے بدن کو غسل کے بعد خشک کیا تھا پھر مجھے حنوط کرنا اپنے جد (نانا) کے حنوط

ام کلثوم گفت تشییع جنازہ پدر خود بیرون رفتم
چون بہ نجف رسیدم پیش تخت بر زمین فرو
آمد پس برادرانم عقب آنرا بر زمین گذاشتند
و امام حسن کلنگے بر گرفت چون یک کلنگ
بر زمین زد قبر کندہ و لحد ساختہ پیدا شد
و تختہ دران قبر بود کہ بقلم سریانی دو سطر
بر آں نوشتہ بود مضمون آن نوشتہ این بود
بسم اللہ الرحمن الرحیم - این قبر است ساختہ
است نوح پیغمبر برائے علی وصی محمدؐ پیش از
طوفان بہ نہصد سال چون آنحضرت را
بقبر گذاشتند ناپیدا شد ندانستیم کہ
بزمین فرو رفت یا بآسمان بالا رفت۔
(ص ۱۰۷)

سے پھر مجھے تخت پر سلا دیں۔ وہ تخت کے
پچھلے حصہ کو اٹھا نا رگویا اگلا حصہ فرشتے
لیکر چلیں گے) پس جس طرف تخت کا اگلا
حصہ چلے تم بھی اس کے پیچھے چلنا ام کلثوم
کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے جنازے کے
ساتھ باہر گئی جب نجف پہنچے تخت کا اگلا حصہ
زمین پر نیچے آگیا پس میرے بھائیوں نے
اس کا پچھلا حصہ زمین پر رکھ دیا امام حسن نے
کدال سے کر زمین پر ایک ضرب لگائی قبر کھل
کھدائی اور لحد بھی پیدا ہوئی ایک تختی اس قبر
میں تھی جس پر سریانی تحریر میں دو سطریں
لکھی تھیں ان کا مضمون یہ تھا بسم اللہ الرحمن
الرحیم یہ قبر ہے جسے نوح پیغمبر نے علی وصی
محمدؐ کے لیے طوفان سے نو سو سال پیشتر بنایا
تھا جب ان حضرت کو قبر میں رکھ دیا وہ
غائب ہو گئی ہم نہیں سمجھ سکے کہ وہ زمین کے
نیچے چلی گئی یا آسمان کے اوپر۔

لیجئے مجتہد شیعہ ہی کی روایت سے ثابت ہو گیا کہ نجف میں نہ حضرت علیؓ کی میت موجود
رہی اور نہ قبر۔ اب یہ تضاد بیانی بھی ملاحظہ ہو کہ پہلی روایت میں تو یہ کہا ہے کہ طوفان فرو
ہو جانے کے بعد حضرت نوحؑ نے اپنی قبر کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی قبر تیار کی تھی اب اس
روایت میں ہے کہ طوفان سے نو سو ۹۰۰ سال پہلے یہ علی وصی محمدؐ کے لئے انہوں نے قبر کھود
دی تھی پھر ایک اور روایت میں کہا کہ چار نفر حسنؓ و حسینؓ و محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر جنازہ
لے کر گئے تھے اور یہی قبر میں بھی اترے تھے۔ اس روایت میں ام کلثوم کا بھی نام لیا ہے کہ اپنے والد
کے جنازے کے ساتھ گئی تھیں جو رات کے وقت کوفہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر نجف
لے جایا گیا تھا۔

چھٹی روایت کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو مندرجہ بالا روایت کا ہے البتہ اس روایت میں حضرت نوحؑ کی تیار کردہ قبر میں سے سنگ مرمر کی لوح برآمد ہونے کا بیان ہے جس پر لکھا ہوا تھا کہ "ایں چیزے ست کہ نوحؑ برائے علی بن ابی طالب ذخیرہ کردہ است" اس میں طوفان سے نو سو سال پہلے کی تیار شدہ قبر کا ذکر نہیں ہے لیکن تدفین کے بعد قبر کے غائب ہو جانے کا ذکر البتہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :-

روی گفت حضرت را در آنجا دفن کردیم شاد برگشتیم بسبب آنچہ بر ما ظاہر شد از گرامی بودن آنحضرت نزد حق تعالیٰ در اثنائے راہ جماعتے از شیعہ بر خوردند کہ نماز بر آنحضرت را در نیافتہ بودند چوں ایں خبرہا را نقل کردیم گفتند ما نیز میخواہیم مشاہدہ کنیم آنچہ شما مشاہدہ کردہ اید رفتند بر سر قبر آنحضرت چوں بازگشتند گفتند ہر چند کندیم چیزے نیافتند (صفحہ ۱۰۸)

راوی نے کہا کہ آں حضرت کو ہم نے اس جگہ دفن کر دیا اور خوش خوش لوٹے اس سبب سے کہ جو کچھ ہم پر آں حضرت کا حق تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ہونے کی بارے میں ظاہر ہوا تھا راستہ میں شیعوں کی جماعت سے ملاقات ہو گئی جن کو آں حضرت کا جنازے پر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا تھا ہم نے جب وہ باتیں جو ہم نے مشاہدہ کی تھیں ان سے بیان کیں تو انھوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ خود ہم بھی مشاہدہ کریں جو تم نے مشاہدہ کیا ہے چنانچہ آں حضرت کی قبر پر چلے گئے جب لوٹ کر آئے تو بتایا کہ ہم نے وہاں کتنا ہی کھودا مگر کوئی چیز نہ پائی (یعنی نہ میت پائی اور نہ قبر)

ساتویں روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے بیٹوں حسن و حسین کو وصیت کر دی تھی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر میری قبر میں جھانک کر دیکھ لینا چنانچہ بعد فراغت نماز جو نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ریشمی کامدانی کا پردہ قبر پر تنا ہوا ہے

امام حسن آں پردہ را از بالائے سر آنحضرت دور کرد و در قبر نظر کرد دید کہ حضرت رسالت مآب و حضرت آدم و حضرت

امام حسن نے آنحضرت کے سرہانے سے پردہ سرکایا اور قبر میں جھانکا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب و حضرت آدم و حضرت

ابراہیم با حضرت امیر المومنین میگویند پس حضرت امام حسین پردہ را نیش پا ے آنحضرت دور کرد دید کہ فاطمہ زہرا و حوا و آسیہ بر آنحضرت نوحہ می کنند (ص[illegible])

ابراہیم ان سے باتیں کر رہے ہیں پس حضرت امام حسین نے پائینتی سے پردہ ہٹایا دیکھا کہ فاطمہ زہرا اور حوا اور آسیہ اُن حضرت پر نوحہ کر رہی ہیں۔

ملا صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ آدم و ابراہیم اور حوا و آسیہ کو اُن حضرات نے کیسے پہچان لیا تھا۔

بقیہ روایتوں میں انہی باتوں کا جو مندرجہ بالا روایتوں میں لکھی گئی ہیں اعادہ ہے بتغیر الفاظ کسی میں کہا ہے کہ جب حضرت علی کی وفات ہو گئی تو ان کے سرہانے ایک طلائی طبق پایا گیا جس کی تفصیل ان الفاظ میں بتائی گئی ہے "امام حسن فرمود چوں آنحضرت از دنیا رفت طبقے از طلا نزدیک سر آنحضرت یافتم کہ در آں تمامہ از کافور بہشت و چند برگ از سدرہ بہشت در آں طبق بود (ص[illegible]) یعنی امام حسن نے فرمایا کہ جب وہ حضرت دنیا سے چلے گئے تو یک طلائی طبق ان کے سرہانے پڑا کہ اس طبق میں بہشت کے کافور کی پانچ بتیاں اور بہشت کی بیری کے چند پتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "سہ حنوط از استبرق بہشت" یعنی مع حنوط بہشت کے ان کے لئے فرشتے لائے تھے اسی طرح کی یک روایت میں کہا ہے کہ جب جناب حسنؑ نے اپنی بہن زینب سے پکار کر کہا کہ ہمارے نانا جان کا حنوط لاؤ" چوں حنوط را کشودند جمیع کوفہ از بوئے آں خوشبو شد (ص[illegible]) یعنی جب حنوط کو کھول لا گیا تو سارا کوفہ اس کی خوشبو سے مہک گیا پھر کہا ہے کہ جنازے کے اگلے حصّہ کو جبرئیل و میکائیل فرشتے لیکر چلے ان کے پیچھے حسن و حسین چلے تو جدھر سے جنازہ جاتا تھا در و دیوار، عمارت اور درخت سب تعظیم کے لئے جھک جاتے تھے اس روایت کو جناب محمد بن علی (ابن الحنفیہ) سے ان الفاظ میں منسوب کیا ہے۔

محمد حنفیہ گفت بخدا سوگند کہ من میدیدم کہ جنازہ آنحضرت را بہر بہر دیوار و عمارت و درختے کہ میگذشت آنہا خم می شدند و خشوع میکردند۔ (ص[illegible])

محمد حنفیہ (فرزند علیؓ) نے فرمایا قسم بخدا میں دیکھ رہا تھا کہ جنازہ اُن حضرت کا جس دیوار و عمارت اور درخت کے پاس سے گذرتا وہ جھک جاتے اور اظہار غم کیا کرتے تھے۔

اسی سلسلہ میں ملا صاحب نے اپنے ایک امام (جعفر صادق) کی یہ روایت بھی درج کی ہے۔

ابن مسکان از حضرت جعفر صادقؑ پرسید
سبب خم شدن عمارتے کہ در سر راہ نجف
واقع است کہ اکنوں آنرا حنانہ میگویند
حضرت فرمود چون جنازۂ امیر المؤمنین را
پیش او گذرانیدند میل کرد و منحنی شد برائے
تأسف و حزن بر آنحضرت۔
(صفحہ ۱۰۹)

ابن مسکان نے حضرت جعفر صادقؑ سے
سبب دریافت کیا اس عمارت کے جھک
جانے کا جو نجف اشرف کے سر راہ واقع ہے
حضرت نے فرمایا کہ جب امیر المومنین کا
جنازہ اس کے سامنے سے گزار کر لے جارہے
تھے تو وہ آنحضرت پر رنج و غم کرنے کی وجہ
سے جھک گئی اور خمیدہ ہو گئی۔[1]

یہ بے قدرے نمونہ ہیں کثرت قصوں لغو و بیکار روایتوں اور بے بنیاد افسانوں کا جو نجف میں حضرت علیؓ کے مدفون ہونے اور قبر پر قبہ بننے کے ثبوت میں شیعہ لٹریچر میں بکثرت پائے جاتے ہیں باینہمہ اس حقیقت کا پتہ ان سے بھی چل جاتا ہے کہ نجف میں نہ ان کی قبر تھی اور نہ میت وہاں دفن ہوئی کیونکہ متعدد روایتوں میں صریحاً بیان ہوا ہے کہ تدفین کے بعد ہی میت اور قبر دونوں ناپید ہو گئیں۔ اسی طرح اس روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے جو بلا وطے میں میت کے صندوق کے بیک شب گم ہو جانے کی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ڈاکوؤں نے تابوت کو یہ سمجھ کر کہ اس میں مال ہے مع اونٹ کے لیا اور بازپرس کے خوف سے ایسا غائب کر دیا کہ پھر پتہ نہ چلا کہ میت کا کیا کیا' دفن کیا تو کہاں ورنہ پھینک آزاد دیئے لاگ مورخین نے بھی لکھا ہے کہ قبہ سے باہر مشہد علیؓ کی شاندار عمارت زمانہ مابعد کی تعمیر شدہ ہے" لیکن ان کے دفن ہونے کی جگہ نامعلوم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱ صفحہ ۱۵۹ گیارہواں اڈیشن) پروفیسر حتی نے عضد الدولہ کی بنوائی ہوئی عمارتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے ایک اچھی عمارت مشہد کی ہے جو (حضرت) علی کی مفروضہ قبر PRESUMED TO MB پر بنی ہے
(ہسٹری آف دی عربس صفحہ ۴۴) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے

---

[1] مولف نزہۃ القلوب نے لکھا ہے کہ واسط میں ایک مینار زمین سے آدھا تو سیدھا کھڑا ہے اور آدھا ٹیڑھا سا اس کی یہ حکایت بتاتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ را جنازہ گذشت این منار تعظیم را خم گشت حضرت امیر المومنین اشارت کرد کہ بایست [illegible] بماند (صفحہ ۴۱) یعنی حضرت علیؓ ادھر سے گذر رہے تھے یہ مینار تعظیم کے لئے جھک گیا انہوں نے اشارہ کیا کہ بس ٹھہر جا تو وہ اسی طرح رہ گیا۔ [illegible] صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی وفات ہوئی تو رات تاریک ہو گئی آفتاب آسمان میں تغیر ہو گیا زمین لرزنے لگی تسبیح و تقدیس کی آوازیں لوگوں نے سنیں اور یہ جانا کہ فرشتے نوحہ و [illegible] کر رہے ہیں (صفحہ [illegible])۔

ان حکایتوں اور روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے جو حضرت علیؓ کی میت کے مختلف مقامات میں مدفون ہونے کے متعلق مختلف مورخین نے بیان کی ہیں لکھا ہے کہ مشہد نجف تو ان کے مرقد کا غالباً صحیح مقام نہیں (ج۲ ص۱۵۸)

خوش فہمی یہ ہے کہ ایرانی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ عراق میں شیعی دنیا کے لئے دو متبرک مقام اور مشہد قائم کریں۔ مشہد کربلا کے علاوہ جس کا ذکر آگے آتا ہے ۳۶۶ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات سے سوا تین سو برس بعد ان کی مفروضہ قبر پر مشہد نجف تعمیر کرایا۔ بانی اس مشہد کا عضد الدولہ تھا جو بالوصیت خود بھی وہیں دفن ہوا اور اس کے اکثر اہل خاندان بھی وہیں مدفون ہوئے معز الدولہ کی قرابت بھی مشہد میں نہیں ہے کیونکہ وہ ۳۵۶ھ میں یعنی تعمیر مشہد سے گیارہ سال پہلے کہ اس وقت تک نجف ریگستان میں حضرت علیؓ کی قبر دریافت نہیں ہوئی تھی فوت ہوا تھا پہلے، اس کی میت مکان مسکونہ کے صحن میں دفن ہوئی پھر مقابر قریش میں منتقل کی گئی۔ (البدایہ ج۱۱ ص۲۶۰)

دوبارہ تعمیر۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مولف متوفی ۸۲۸ھ فرماتے ہیں "مشہد غری کی اس عمارت کا تو اب جزو قلیل ہی باقی رہ گیا جو عضد الدولہ نے ابتداءً بنوائی تھی کیونکہ آگ لگ جانے سے کل عمارت جل گئی تھی۔ آگ لگنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ دیواروں پر جو منقش چوکھٹے وغیرہ لکڑی کے آویزاں تھے ان میں اتفاقاً آگ لگ گئی تھی لیکن بعد میں عمارت کی تجدید کرلی گئی اور وہ عمارت ہیکل (یعنی مؤلف مذکور کے زمانہ شروع نویں صدی ہجری تک) باقی ہے۔ جس وقت عمارت المشہد علی ماھی علیہ الآن (ص۴۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا بیان ہے کہ ۴۴۳ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا تو ترکی جنگجوؤں نے مشہد علی بھی جلا ڈالا تھا جو تھوڑے سے عرصہ بعد دوبارہ تعمیر کرا لیا گیا (ایضاً) علامہ ابن کثیرؒ نے ۴۴۳ھ کے وقائع کے سلسلے میں بغداد کے روافض اور اہل سنت کی شدید خانہ جنگی کا تذکرہ کیا ہے جو تقریباً دو ہفتے تک جاری رہی۔ فریقین کے بہت سے اشخاص مارے گئے تھے اکابرین کے مقبرے بھی فسادیوں نے جلا ڈالے تھے پھر یہ فتنہ پھیل گیا، اور حد سے تجاوز کر گیا وہ فرماتے ہیں:—

فی صفر منہا (ای سنۃ ۴۴۳ھ) وقع الحرب
بین الروافض والسنۃ فقتل
من الفریقین خلق کثیر وذلک
ان الروافض نصبوا ابراجاً و
کتبوا علیہا بالذھب۔

اس سال (۴۴۳ھ) کے ماہ صفر میں روافض
اور سنیوں میں لڑائی چھڑ گئی جس میں فریقین کے
بہت سے آدمی مارے گئے سبب (اس لڑائی کا)
یہ تھا کہ رافضیوں نے ایک مینارہ نصب کیا
اور اس پر سونے کے پانی سے لکھا کہ

محمد وعلي خير البشر
فمن رضي فقد شكر
ومن أبى فقد كفر

فأنكرت السنة إقران علي مع محمد صلى الله عليه وسلم في هذا فنشبت الحرب بينهم واستمر القتال بينهم إلى ربيع الأول فقتل رجل هاشمي فدفن عند الإمام أحمد ورجع السنة من دفنه فنهبوا مشهد موسى بن جعفر وأحرقوا ضريح موسى ومحمد الجواد وقبور بني بويه وقبور من هناك من الوزراء وأحرق قبر جعفر بن المنصور ومحمد الأمين وأمه زبيدة وقبور كثيرة جدا وانتشرت الفتنة وتجاوز الحدود (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۶۲)

محمد و علی دونوں خیر البشر
جو مانے وہ مستحق رحمت
جو نہ مانے وہ مرتکب کفر

اہل سنت نے نام علی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ اس طرح برابر رکھنے کو بہت برا جانا پس ان کے مابین لڑائی چھڑ گئی جو ربیع الاول تک ان کے مابین جاری رہی۔ ایک ہاشمی شخص قتل ہو گئے تھے انہیں امام احمد (بن حنبل) کے مزار کے پاس دفن کیا گیا تھا اہل سنت ان کے دفن سے جب واپس آ رہے تھے موسیٰ بن جعفر (الصادق) کے مشہد کو غارت کر دیا۔ موسیٰ (الکاظم) اور محمد الجواد کی ضریح کو جلا دیا نیز بنی بویہ کی قبروں اور وزیروں کی جو قبور وہاں تھیں ان سب کو نذر آتش کر ڈالا جعفر بن المنصور و محمد الامین اور ان کی والدہ زبیدہ کی قبور اور بہت سی اور قبروں کو جلا دیا پھر فتنہ پھیل گیا اور حدود سے تجاوز کر گیا۔

مقالہ نگار مذکور کا یہ بیان اگر صحیح ہو کہ سنہ ۴۴۳ھ میں جب بقول علامہ ابن کثیر بغداد کا یہ فتنہ و فساد پھیل گیا اور حدود سے بھی تجاوز کر گیا تھا تو کیا عجب کہ مذہبی جنونیوں نے مشہد نجف کو بھی نذر آتش کر دیا ہو لیکن اہل سنت حضرت علیؓ کے اصلی مدفن کے بے حرمتی کا ارتکاب کبھی نہیں کر سکتے تھے سنیوں نے اگر ایسا کیا تھا اور مشہد کے ساتھ ساتھ بنی بویہ کی قبروں کو بھی جلا ڈالا تھا تو یقینی بات ہے کہ نجفی مشہد کو اہل سنت حضرت علیؓ کا اصلی مدفن نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ واقعہ تعمیر مشہد سے تقریباً ستر بہتر برس بعد کا ہے اس وقت تک بہت سے لوگ ایسے موجود رہے تھے جنہیں نجفی قبر کی حقیقت و اصلیت کا بخوبی علم تھا وہ جانتے تھے کہ بنی بویہ نے نجف کی ایک مفروضہ قبر پر یہ مشہد اپنی سیاسی مصلحتوں سے تعمیر کرایا تھا دوبارہ تعمیر کے بعد سے برابر زمانہ اصلی ۔ سمجھانے لگا اور رفتہ رفتہ شیعی دنیا

کے متبرک مرکزی مقام کی حیثیت سے حاصل ہوتی گئی۔

آتش زدگی اور دوبارہ تعمیر ہونے کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ ۷۲۷ھ میں نجف ہوتا ہوا بغداد گیا[1] تو وہ بیان کرتا ہے کہ نجف چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے جس کی آبادی تمام تر رافضیوں پر مشتمل ہے۔ واھل ھذہ المدینۃ کلھم رافضیۃ (رحلۃ ابن بطوطہ صفحہ ۱۱۰) مشہد علی میں تین قبریں بتائی گئی ہیں اور کہا ہے کہ ایک کے بارے میں لوگ

---

[1] ابن بطوطہ نے بغداد کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور ایک خاص باب "ذکر قبور الخلفاء ببغداد وقبور بعض العلماء والصالحین بھا" کے عنوان سے قائم کیا ہے، سب سے پہلے خلفاء کی قبروں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "قبور الخلفاء العباسیین رضی اللہ عنہم بالرصافۃ" یعنی الرصافہ خطہ بغداد میں عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں پھر ۱۳ خلفاء کی قبروں کا نام بنام ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ہر قبر پر صاحب قبر کا نام کندہ ہے اس کے بعد لکھا ہے اسی خطہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی قبور بھی ہیں اور مشائخ میں سے ابو بکر شبلی سری سقطی بشر حافی داؤد طائی و ابو القاسم جنیدؒ کے مزارات ہیں ان کے علاوہ بہت سے صالحین کی قبور ہیں۔ جانب غربی بغداد میں معروف کرخیؒ کا مقبرہ ہے پھر لکھا ہے وفی ھذا الجانب قبر موسی الکاظم بن جعفر الصادق والد علی بن موسی الرضا والی جانبہ قبر الجواد (صفحہ ۱۱۲) یعنی اسی جانب موسی الکاظم بن جعفر الصادق والد علی بن موسی الرضا کی قبر ہے اور اس کے پہلو میں محمد الجواد کی۔ آخر الذکر محمد تقی کے فرزند علی النقی کی قبر کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی تدفین اپنے دادا اور والد کے پہلو میں اور خاص بغداد میں نہیں ہوئی تھی بلکہ سامرہ کے قصر شاہی کے میدان میں ہوئی تھی۔ جہاں وہ خلیفہ عباسی کے زیر نگرانی ہونے کی وجہ سے رہتے تھے۔ ان کی وفات امیر المومنین المتوکل علی اللہؒ کے انتقال سے سات سال بعد ۲۵۴ھ میں ہوئی تھی اور ان کے فرزند ابو احمد بن المتوکل علی اللہؒ نے ان کے جنازہ کی نماز شارع ابو احمد پر پڑھائی تھی جو انہی کے نام سے منسوب ہے۔ (مروج الذہب ج ۴ صفحہ ۸۴)۔ ابن بطوطہ نے نجفی قبر کے بارے میں "یزعمون" لفظ لکھ کر جس طرح اظہار شک و شبہ کیا ہے بغداد کی قبروں میں سے کسی قبر کے بارے میں یہ لفظ نہیں لکھا کیونکہ وہاں کوئی فرضی قبر نہیں تھی جس طرح مقام قسترہ پر جناب علی بن الحسین (زین العابدین) کی مفروضہ قبر کے بارے میں ابن بطوطہ نے "یزعمون" لفظ لکھا ہے۔ بغداد کے حالات اور وہاں کے مقابر کے تذکرے میں ابن بطوطہ نے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مزار اور خانقاہ کا مطلق ذکر نہیں کیا حالانکہ شیخ موصوف کی وفات سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد ابن بطوطہ بغداد آیا تھا شاید اس وقت تک مزار اور خانقاہ کو شہرت اور مرجعیت حاصل نہیں ہوئی تھی جو بعد میں ہوئی۔

خیال کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی ہے دوسری کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی ہے اور تیسری کو سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی ہے۔ ابن بطوطہ نے "یزعمون" لکھ کر شک وشبہ کا اظہار کر دیا ہے۔

نجفی مشہد کی زیبائش وآرائش کے سلسلہ میں ابن بطوطہ نے قیمتی فرش وفروش، جھاڑ فانوس اور دیگر قیمتی اشیاء کا ذکر کرنے کے بعد مشہد میں زائر کے داخلہ کا چشم دید حال یوں لکھا ہے کہ جو شخص زیارت کو آتا ہے اوّل صاحب مشہد سے داخل ہونے کی اجازت کا طالب ہوتا ہے اور ان الفاظ میں اجازت مانگتا ہے۔

یا امیر المومنین! ھذا العبد الضعیف یستاذن علی دخولہ الروضۃ العلیا (اے امیرالمومنین! یہ بندۂ ضعیف روضۂ علیا میں داخل ہونے کی اجازت چاہتا ہے)

اجازت ملنے کی کیفیت تو ابن بطوطہ نے نہیں بیان کی کس طرح ملتی ہے صرف یہ لکھا ہے کہ اجازت مل جاتی ہے تو زائر داخل ہوتا ہے ورنہ واپس چلا جاتا ہے۔ نذر ونیاز ودیگر عطیات سے وہاں کی مشہد کے خزانے میں وہ بہتات بتائی ہے کہ شمار اس کا نہیں ہو سکتا۔ وخزانۃ الروضۃ عظیمۃ فیہا من الاموال ما لا ینضبط لکثرتہ (ایضاً) ابن بطوطہ کے زمانہ میں جب مشہد علی کی رونق اور شیعی دنیا کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی تو بنی بویہ کے زمانے میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہوگی، عراق کی سرزمین اس صورت حال کے وقوع پذیر ہونے کے لئے کس قدر موزوں تھی اور حضرت حسنؓ کا یہ منصوبہ کہ اپنے والد کی میت کو مدینے لے جا کر اپنی والدہ کے پہلو میں دفن کریں گے اگر پورا ہو جاتا اور مدینہ میں ان کی تدفین ہوتی پختہ قبر بنتی اور قبر پر کوئی قبہ و مقبرہ بھی تعمیر ہوتا تو حضرت آدمؑ و نوحؑ کی قبریں ان کے مقبرے میں نہ بنائی جاتیں اور ان کے مشہد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک، امہات المومنین اور جلیل القدر صحابہ کرام کی قبروں کی موجودگی میں وہ رونق مدینہ بستی میں کبھی حاصل نہ ہوتی جو نجفی ریگستان کے مشہد کو حاصل ہوئی اور نہ حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و دیگر انبیاء کرام اور حضرت حوّا و آسیہ کے حضرت علیؓ کی تعزیت کے لئے ان کی قبر پر آنے کی فرضی داستانیں اس طرح گھڑی جاتیں جو آپ ملاحظہ کر رہے ہیں اور ان کی اولاد کی نسبی برتری کے اظہار کے لئے الشریف والسید القب شیعہ ایرانی امراء کو مخصوص و مختص کئے جانے کا موقع ملتا جس کا ذکر آ گیا ہے۔ اب اس سلسلے میں مختصر حال مشہد حسینی کی

[illegible] ملاحظہ ہو۔

تعمیر مشہد حسینی

مؤلف نزہۃ القلوب فرماتے ہیں کہ مشہد حسین کی تعمیر بھی اسی عضدالدولہ نے کرائی تھی وہ لکھتے ہیں کہ:۔

دربیابان کربلا مشہد امیرالمومنین[1] حسین بن علی رضی اللہ عنہما است آنرا مشہد حائری خوانند بجہت آنکہ چناں ذکر رفت کہ بعہد متوکل خلیفہ آب در بستند تا خراب شود آب حیرت آورد و زمینے کہ ضریح حضرت است خشک ماند عمارت آں مشہد نیز عضدالدولہ فنا خسرو دیلمی ساخت و آں موضع شہرچہ شدست (ص ۳۲)

بیابان کربلا میں مشہد امیرالمومنین حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہے۔ مشہد حائری اس وجہ سے کہتے ہیں جیسا کہا گیا ہے کہ خلیفہ متوکل (علی اللہ عباسی) کے عہد میں پانی اس پر چھوڑا گیا تھا کہ خراب ہو جائے مگر پانی یوں ہی ٹھہرا رہا اور وہ زمین جہاں ضریح حضرت کی ہے خشک رہی۔ عمارت اس مشہد کی بھی عضدالدولہ دیلمی نے بنوائی اور وہ مقام اب چھوٹا سا شہر ہو گیا ہے

مؤلف نزہۃ القلوب کا یہ بیان اگر مطابق واقعہ ہو کہ نجفی مشہد کی طرح کربلائی مشہد بھی عضدالدولہ نے تعمیر کرایا تھا تو ظاہر ہے کہ حادثہ کربلا کے تین سو دس برس بعد اور خلیفہ المتوکل علی اللہ کے ابتدائی عہد کے سال ۲۳۲ھ سے کہ میدان کربلا کے بیچ اس وقت سے زراعت ہونے لگی تھی تقریباً سوا سو برس بعد ۳۷۰ھ یا اس سے چند سال بعد یہ مشہد تعمیر ہوا تھا۔

حضرت حسینؓ کی تدفین جداگانہ ہوئی تھی یا دیگر مقتولین کے ساتھ مورخین نے اس کی تصریح نہیں کی۔ فریقین کے مقتولین کی یکجائی تعداد ۲۰۰ بتائی گئی ہے۔ ۷۲ حسینی قافلے کے ۱۲۸ سرکاری فوجی دستے کے۔ قرائن اس کے موید ہیں کہ اس میدان میں جسے شیعہ مورخین و مصنفین بیابان و صحرائے کربلا کہتے ہیں فریقین کے مقتولین کی در جگہ یکجائی تدفین ہوئی تھی چنانچہ ملا باقر مجلسی کے بیان سے بھی تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

جسد مبارک جناب سید الشہداء را در آں مکان شریف کہ الحال است دفن کردند و علی بن حسین یعنی علی اکبر را در پائیں آنحضرت دفن

جناب سید الشہداء کے جسم مبارک کو اس مقام شریف میں جو اب ہے دفن کر دیا اور علی بن حسین یعنی علی اکبر کو ان حضرت کے پائینتی

---

[1] مؤلف نزہۃ القلوب نے غایت عقیدت سے حضرت حسینؓ کو امیرالمومنین کہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے وہ امیرالمومنین نہ تھے امیرالمومنین ہونے ہی کی غرض سے انہوں نے خروج البتہ کیا تھا مگر سوء تدبیری سے حصول مقصد میں ناکام رہے ان کے اس ناکام خروج کے مفصل حالات کتاب خلافت معاویہؓ و یزید میں ملاحظہ ہوں۔

کردند و سایر شہداء را در پائین پائے آں حضرت در یک موضع دفن کردند۔

دفن کیا اور تمام شہداء کو اُن حضرت کے پائنتی ایک ہی جگہ میں دفن کر دیا گیا۔

(جلاء العیون صـ۲۱۴)

ملا صاحب عباس بن علیؓ و دیگر ہاشمی مقتولین کی جداگانہ تدفین کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ پائیں پائے آنحضرت کے الفاظ سے صاف مطلب یہی ہے کہ لاشیں کسی ترتیب سے یکجائی دفن ہوئیں بعد میں یہ گنج شہیداں "سرپراہ قافلہ حضرت حسینؓ کے نام سے موسوم ہو کر تربت حسینؓ کہلایا۔ اور جب بنی بویہ کے عہد میں عمارت تعمیر کی گئی "مشہد حسین" سے موسوم ہوا بنی امیہ کے عہد خلافت کے خاتمہ ۱۳۲ھ تک بالفاظ دیگر نصف صدی کے عرصہ میں وہاں نہ کسی قبے یا مقبرے کا کوئی وجود تھا اور نہ زیارت کا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اقتباس میں اوپر بیان ہو چکا کہ عہد صحابہ و تابعین میں پختہ قبریں اور مقبرے بنانے کا رواج ہی نہ تھا تاریخی واقعات بھی اسی کے مؤید ہیں کہ اس زمانہ میں زیارت قبور کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ مع اپنی اہلیہ سکینہ بنت حسینؓ عرصہ تک عراق و کوفہ میں رہے وہ کبھی زیارت کے لئے کربلا نہیں گئے۔ اور نہ اہل خاندان میں سے کوئی شخص زیارت کے لئے گیا اور نہ ان کی نسل کے کسی فرد کی میت تعمیر مشہد سے پہلے وہاں دفن ہوئی عباسی خلافت قائم ہونے کے کچھ عرصہ بعد البتہ قبریں بھی بن گئیں اور معجزے اور کراماتوں کی حکایتیں بھی وضع ہونی شروع ہوئیں اور تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں تربت حسینؓ کے معجزات کا اور اس کی زیارت کے ثواب کا بدرجہ مبالغے سے پروپیگنڈا کر کے طرح طرح کی مشرکانہ بدعات کا اسے مرکز بنایا گیا تھا بعض سیاسی قسمت آزما بھی یہاں معتکف ہو بیٹھے۔ مثلاً عبیداللہ بن میمون القداح اور اس کا باپ (ملاحظہ ہو تحقیق مزید) زیارت تربت حسینؓ کے متعلق اب چند روایتیں ملا باقر مجلسی کی زبانی سنئے۔ ایک روایت میں جو اپنے کسی امام سے منسوب کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ابن قولویہ بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ روزے حضرت امام حسین علیہ السلام در دامن حضرت رسالت نشستہ بود و حضرت با او بازی میکرد و او را میخندانید

ابن قولویہ نے حضرت صادق سے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسالت کی گود میں بیٹھے تھے حضرت ان سے کھیل رہے تھے اور انہیں

پس عائشہ (رض)[1] گفت یا رسول اللہ بسیار خوش داری این طفل را چہ حضرت فرمود وائے بر تو چگونہ دوست ندارم او را وخوش نیاید مرا و او میوۂ دل من است و نور دیدہ من است بدرستیکہ امت من او را خواہند کشت پس ہر کہ بعد از شہادت او را زیارت کند حق تعالیٰ برائے او یک حج از حجہائے من بنویسد عائشہ از روئے تعجب گفت یک حج از حجہائے تو؟ فرمود بلکہ دو حج از حجہائے من باز عائشہ تعجب کرد حضرت فرمود بلکہ چہار حج پس پیوستہ او تعجب میکرد و حضرت زیادہ می کرد تا آنکہ فرمود کہ نود حج از حجہائے من کہ با ہر حجے عمرہ بودہ باشد۔

(جلاء العیون ص۱۴۹ ج۲)

ہو رہے تھے پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ اس بچے سے آپ کیسی الفت کرتے ہیں حضرت نے فرمایا تیرا برا ہو میں کیوں نہ دوست رکھوں اسے اور کیوں نہ پسند آئے وہ مجھے کہ میرے دل کا ثمرہ ہے اور میری آنکھوں کا نور ہے میری امت اسے یقیناً قتل کر دے گی پس جو کوئی کہ بعد شہادت اس کی زیارت کرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے میرے حجوں میں سے ایک حج کا ثواب لکھ دے گا۔ عائشہ نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ کے حجوں میں سے ایک حج کے برابر؟ حضرت نے فرمایا بلکہ دو حجوں کے برابر؟ عائشہ نے پھر تعجب کیا حضرت نے فرمایا کہ چار حجوں کے برابر۔ وہ اسی طرح تعجب کرتی جاتیں اور حضرت تعداد اور زیادہ کرتے جاتے یہاں تک کہ آپ نے آخر میں فرمایا کہ میرے حجوں میں سے نوے حجوں کے برابر کہ ہر حج کے ساتھ عمرہ بھی شامل ہو وہ سب ایک مرتبہ تربت حسین کی کی زیارت کر لینے کے برابر ہے۔

شیعوں کے مستند مجتہد و محدث "علامۃ الدھر و فرید العصر و نابغۃ الدوران حضرت ملا باقر مجلسی" نے تربت حسین کی صرف ایک مرتبہ زیارت کر لینے کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نوے مرتبہ حج و عمرہ کرنے کے مساوی ہونے کی صاف تشریح کی ہے اور سرزمین کربلا کا شرف دیگر مقامات مقدسہ پر ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب جلاء العیون کے صفحہ ۴۲۶ پر ایک طویل روایت میں سات انبیائے کرام حضرت آدم و نوح و ابراہیم و اسمٰعیل و موسیٰ و سلیمان و عیسیٰ کا اپنے اپنے

---

[1] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اسم مبارک کے بعد قبیح الفاظ ان بزرگوں نے لکھا تھا وہ حذف کر دیا گیا۔

وقت صحرائے کربلا میں ار دیکھو تا بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر نبی کو اس مقام پر کسی دکھی حادثے اور اذیت میں مبتلا ہونا پڑا تھا مثلاً حضرت آدمؑ جب جنت سے نکل کر اس دنیا میں آئے اور حضرت حوا کی تلاش میں سارے جہان کا چکر لگاتے ہوئے صحرائے کربلا میں داخل ہو کر اس مقام پر پہنچے جہاں ہزاروں برس بعد حصول خلافت کے عروج میں حضرت حسینؓ کو حادثہ پیش آنے والا تھا ان کا پیر ٹھوکر لگنے سے زخمی ہو گیا خون بہنے لگا۔ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے۔

پروردگارا! در ہیچ زمین گردیدم اندوہ والمے کہ درین زمین مرا رسید در ہیچ زمینے ندیدم حق تعالیٰ باو وحی کرد کہ دریں زمین برگزیدۂ من حسین شہید خواہد شد خواستم کہ تو در اذیت و اندوہ با او شریک باشی و خون تو بریں زمین ریختہ شود۔

اے پروردگار! تمام دنیا میں تو میں چکر لگا آیا ہوں غم و الم مجھے اس زمین پر پہنچا ہے کسی جگہ نہیں پہنچا حق تعالیٰ نے وحی کی کہ اس زمین پر میرا برگزیدہ حسین شہید ہوگا میں نے چاہا کہ تم بھی ان کی اس اذیت اور غم میں شریک رہو اور تمہارا خون بھی اسی زمین پر بہہ جائے۔

پوچھا حسین کون؟ فرمایا "فرزند زادۂ پیغمبر من ست و برگزیدۂ من ست" پوچھا قاتل کون؟ فرمایا "یزید است کہ اہل آسمان ہائے و زمین او را لعنت می کنند" اس پر حضرت آدمؑ نے بھی یزید پر لعنت کی اب حضرت نوحؑ کا واقعہ بھی ملا صاحب سے سنئے فرماتے ہیں حضرت نوحؑ جب کشتی میں سوار ہو کر چلے کشتی جیسے ہی کربلا پہنچی ایسا سخت تلاطم ہوا کہ کشتی کو غرق ہونے کا شرف حاصل ہو گیا "کشتی مشرف بہ غرق شد" حضرت نوحؑ نے بارگاہ الٰہی میں فریاد کی حضرت آدمؑ کی طرح ان سے بھی حسین و یزید کا ماجرا جو ہزاروں برس بعد پیش آنے والا تھا بیان ہوا پھر پیغمبر نوحؑ نے دو مرتبہ یزید پر لعنت کی جس کی برکت سے کشتی کو غرق ہونے سے نجات ملی۔

پس نوحؑ مکرر او را (یزید را) لعنت کرد و کشتی او از غرق نجات یافت و بر جودی قرار گرفت

پس نوحؑ نے دو مرتبہ یزید پر لعنت کی اور (اس لعنت کی برکت سے) ان کی کشتی کو ڈوبنے سے نجات ملی اور جودی پہاڑی پر جا ٹھہری۔

(ایضاً صفحہ ۱۲۲)

اب ذرا سنئے حضرت ابراہیمؑ گھوڑے پر سوار صحرائے کربلا سے گزر رہے تھے کہ یکایک گھوڑا سرک کر زمین پر آ رہا حضرت ابراہیمؑ کا سر مبارک پتھر سے ٹکرا گیا خون بہنے لگا۔ استغفار کرنے پر جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اس مقام پر نور دیدۂ مصطفیٰ و فرزند پسندیدۂ علی مرتضیٰ

قتل ہوں گے۔

خداخواست کہ تو نیز در بلیہ با او موافقت نمائی و خون تو دریں زمین ریختہ شود۔

(ایضاً)

خدا نے چاہا کہ تم بھی ان کے مصائب میں موافقت و شرکت کرو اور تمہارا خون بھی اس زمین پر بہہ جائے۔

جبرئیل نے انھیں بھی قاتل حسین کا نام یزید ہی بتایا اور کہا کہ آسمان و زمین کے رہنے والے "لوح و قلم" اس پر لعنت کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے لعنت بھیجنی شروع کی ان کا گھوڑا بھی ہر لعنت پر آمین کہتا جاتا تھا گویا لعنتیوں کے "بیش باد" کی طرح!

ابراہیمؑ سر بر داشت و آں ملعون را لعن بسیار کرد حق تعالیٰ اسپ ابراہیم را سخن در آورد ہر لعنے کہ ابراہیم می کرد او آمین می گفت

(ایضاً ص ۱۲۱)

حضرت ابراہیمؑ نے سر اٹھایا اور اس ملعون (قاتل حسین) پر بہت سی لعنت بھیجی حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھوڑے کو بولنے کی قوت عطا کی ابراہیمؑ کے ہر مرتبہ لعنت بھیجنے پر وہ بھی آمین کہتا جاتا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا ماجرا اور بھی عجیب بتایا ہے لکھا ہے کہ صحرائے کربلا میں فرات کے کنارے بکریاں چرا رہے تھے ہر چند بکریوں کو دریائے فرات کا پانی پلانے لے جاتے مگر بکریاں پانی نہیں پیتی تھیں۔ باری تعالیٰ کے حضور یہ سرگزشت پیش کرنے پر جواب ملا کہ سبب پانی نہ پینے کا خود بکریوں ہی سے پوچھ لو۔

چوں سوال کرد گوسفنداں بزبان فصیح گفتند کہ با خبر رسیدہ کہ فرزند تو حسین و جگر گوشہ پیغمبر آخر الزمان دریں زمین با لب تشنہ شہید خواہد شد پس ما بسبب حزن و اندوہ بر آنحضرت آب نخوردیم و خواستیم کہ در تشنگی با او موافقت کنیم۔

(ایضاً ص ۱۲۱)

جب پوچھا تو بکریوں نے فصیح زبان میں کہا کہ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کے بیٹے حسین اور پیغمبر آخر الزماں کے لخت جگر اس زمین پر تشنہ لب شہید ہوں گے پس انکی حضرت پر رنج و غم کے سبب سے ہم نے بھی پانی نہیں پیا اور یہ چاہا کہ ان کے پیاسے رہنے میں ہم بھی موافقت کریں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور ان کے وصی یوشع بن نون کو بھی صحرائے کربلا میں پہنچایا ہے ان کے پیر زخمی ہوئے خون بھی ان کا زمین کربلا پر بہا اور ان کو بھی یہ وحی آئی۔

در ایں زمین ریختہ خواہد شد خون برگزیدہ
من حسین خواہد سستم کہ خون تو دریں زمین ریختہ شود
(جلاء العیون ص [illegible])

اس زمین پر میرے برگزیدہ حسین کا خون
بہے گا اس لئے میں نے یہ چاہا کہ تمہارا خون بھی
اسی زمین میں بہہ جائے۔

حضرت موسیٰ نے بھی قاتل حسین پر لعنت کی یوشع نے آمین کہی پھر انہیں بتایا گیا کہ "دریا کی مچھلیاں، صحرا کے وحشی اور پرندگان ہوا" سب ہی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے بعد جب حضرت سلیمان کا زمانہ آیا وہ اپنے ہوائی تخت پر بیٹھے کربلا کے پاس سے گذر رہے تھے ہوائی تخت اچانک تین مرتبہ وہاں الٹ پلٹ ہو گیا انہوں نے ان کے سب ساتھیوں نے جن و آدمیان و حیوانات و مرغان نے یزید جیسے قاتل حسین پر تبرا دے لیا پھر لعنت کی چنانچہ اس لعنت کی برکت سے ہوائی تخت صحرائے کربلا سے باسلامت نکل گیا۔

پس از برکت آں لعنت باد بر یزید و آں
ساط را از صحرا بیروں برد (ایضاً)

پس اس لعنت بھیجنے کی برکت سے ہوا
چلی اور تخت سلیمانی کو صحرا سے باہر نکال لے گئی

آخر میں حضرت عیسیٰ کے سفر کربلا کا یہ ماجرا ملا صاحب نے تصنیف کیا ہے کہ صحرا عبور کرتے وقت ایک شیر ان کے اور ان کے حواریوں کی راہ میں حائل ہو گیا سبب اس حرکت ناشائستہ کا پوچھا تو وہ قدرت الٰہی سے یوں گویا ہوا۔

شیر بامر خداوند تعالیٰ بسخن آمد و بزبان
فصیح گفت نمی گذارم ازیں صحرا بیروں روید
تا لعنت کنید بر قاتل حسین۔
(ایضاً)

شیر خداوند قدیر کے حکم سے گویا ہوا اور
فصیح زبان میں کہنے لگا کہ اس وقت تک میں
صحرا سے باہر نہ جانے دوں گا جب تک تم قاتل
حسین پر لعنت نہ کرو گے

حضرت عیسیٰ نے قاتل و مقتول کے بارے میں دریافت کیا شیر نے کہا کہ مقتول تو "فرزند زادۂ نبی آخر و فرزند علی ولی" تھے اور قاتل:-

یزید است کہ وحشیان و درندگان ہمہ
او را لعنت میکنند خصوصاً در ایام عاشورا
پس حضرت عیسیٰ دست بدعا برداشت و یزید را
لعنت کرد و حواریان آمین گفتند و شیر دور شد
و ایشان ازیں زمین بیروں رفتند
ایضاً ص [illegible]

یزید ہے کہ وحشی جانور اور درندے سب
اس پر لعنت کرتے ہیں خصوصاً عاشورا کے دنوں
میں پس عیسیٰ نے بھی ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے
اور یزید پر لعنت بھیجی حواریوں نے آمین کہی
شیر الگ ہو گیا اور یہ حضرات اس زمین (کربلا)
سے نکل کر باہر چلے گئے

یہ تو ایک ادنیٰ نمونہ خرافات واھیہ کا ہے جو سرزمین کربلا کی تقدیس و عظمت میں وضع ہوئیں صدہا لغو و مہمل حکایتیں اور بھی اسی قماش کی بمرور زمانہ عوام میں پھیلائی جاتی رہیں یہاں کے دورِ عقلیت میں بھی افسانۂ کربلا کا جزو اعظم ہیں۔ تربت حسین کو شفایابی کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ قبر کے پاس دعا مانگنے کو وجہ قبولیت ٹھہرا گیا (صفحہ ۲۳) کربلا کی مٹی کو "خاک شفا" کہہ کر طرح طرح کے خواص اور خاصیتیں اکسیر کی سی بتائی گئیں متعدد قصے لوگوں کے کربلائی مٹی کو گھول کر پینے سے تمام امراض سے شفایاب ہونے کے مجتہد صاحب نے بیان کئے ہیں۔ نماز میں خاک کربلا سے بنی ہوئی ٹکیوں پر پیشانی رگڑنا مقبولیت نماز کی دلیل اور زیارت قبر وجہ نجات ہے۔ ستر ہزار فرشتے جو حضرت حسین کی مدد کو آرہے تھے مگر چند منٹ دیر میں پہنچنے کی بنا پر تربت حسین پر نزول ہی دن سے معتکف ہیں درود پڑھتے اور گریہ و بکا میں مصروف رہتے ہیں ان کے علاوہ چار ہزار فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ ہر روز آسمان سے اتر کر قبر پر نوحہ خوانی کرتے طلوع آفتاب کے بعد واپس چلے جاتے ہیں اور دوسرے چار ہزار نزول کرتے ہیں۔ اسمٰعیل نام ایک فرشتہ تمام زائرین کے نام و نسب و حلیہ کا ریکارڈ مرتب رکھتا ہے اور روزانہ واقعات کی رپورٹیں جناب رسالت مآب اور آئمہ کے روبرو پیش کرتا ہے زائر کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور بشارت جنت کی دی جاتی ہے۔

مغالاۃ فی البشر

جن کے قتل و دفن کی تقدیس و عظمت کے بارے میں عجمی دماغوں نے ایسی ایسی دیومالائی کہانیاں گھڑ ڈالی ہوں جو ابھی آپ نے ملاحظہ فرمائیں تو خود ان کی شخصیت اور ذاتی برگزیدگی کے بارے میں فوق الفطرۃ افسانوں اور بعید از قیاس وضعی حدیثوں اور روایتوں کا کیا کچھ ذخیرہ نہ فراہم ہوا ہوگا جو اب تک کربلائی لٹریچر کا جزو لاینفک ہے یہاں تک بیان ہوا ہے کہ "خداوند عالمیان" نے ولادت حسین سے بہت پہلے کہ استقرار حمل بھی نہ ہوا تھا جبرئیل فرشتہ کو یہ پیغام دیکر جناب رسول خدا کے پاس بھیجا کہ

از برائے تو پسرے متولد خواہد شد کہ امت تو بعد از تو او را شہید کنند	آپ کے لئے بیٹا پیدا کیا جائیگا جسے آپ کے بعد آپ کی امت شہید کر دے گی۔

(جلاء العیون صفحہ ۱۴۳)

پیغام سنتے ہی فرمایا کہ مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیئے۔ تین مرتبہ ایسے بیٹے کے ہونے سے

انکار کیا فرشتے نے جب وضاحت کی کہ وہ آپ کے صلب مطہر سے نہیں صلب علی سے ہوگا انھیں طلب فرما کر پیغام سنایا حضرت علیؓ نے بھی ایسا بیٹا لینے سے تین مرتبہ انکار کیا پھر حضرت فاطمہؓ کی مرضی معلوم کی گئی انھوں نے بھی یہ کہہ کر تین مرتبہ انکار کیا کہ:-

اے پدر! مرا احتیاجے بچنیں فرزند نیست

اے ابا جان! مجھے ایسے بیٹے کی حاجت نہیں

حضرت نے جب مطلع فرمایا کہ:-

او و فرزندانش اوصیایان دین وارثان آثار من وخازنان علم من خواہند بود گفت فاطمہ راضی شدم از خداوند عالمیان پس حاملہ شد بحضرت امام حسین بعد از شش ماہ آنحضرت متولد شد۔ فرزندے کہ شش ماہہ متولد شد زندہ نماندہ مگر حضرت امام حسین وحضرت عیسیٰؑ

(جلاء العیون صـ۱۲۳)

وہ اور اس کی اولاد دین کے پیشوا میرے آثار کے وارث اور میرے علم کے رکھوالے (خازن) ہوں گے فاطمہ نے (یہ سن کر) کہا کہ میں خداوند عالمیان سے راضی ہوں پس وہ حاملہ ہوگئیں حمل حضرت امام حسین سے اور چھ مہینے بعد وہ حضرت پیدا ہوگئے۔ جو فرزند چھ مہینے کا پیدا ہو زندہ نہیں رہتا سوائے حضرت امام حسین اور حضرت عیسیٰؑ کے

ایسے لایعنی ذہنی انحراف نے گمراہی کی ابتداء جیسا شواہد تاریخی سے ثابت ہے صوبہ عراق سے ہوئی اور جن اسباب سے ہوئی اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں ان تاریخی واقعات اور حروب ماضیہ کے حالات کو پیش نظر رکھنا ہوگا جن میں عراقیوں کا نمایاں حصہ رہا تھا۔ طالبان قصاص خون عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے مابین جنگ جمل عراق ہی کے شہر بصرے میں ہوئی پھر سات مہینے بعد عراق کے سرحدی مقام صفین میں دوسری ہولناک جنگ حضرت علیؓ نے عراقی معاونین کی معیت میں طالبین قصاص خون عثمانؓ سے کی وہاں سے عراقیوں کے ناکام ونامراد واپسی پر ان کا پھوٹ پڑ جانے سے تیسری جنگ صوبہ عراق میں حضرت موصوف کو اپنی ہی پارٹی کے خارجیوں سے نہروان کے مقام پر لڑنی پڑی تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے مقتول ہوگئے۔ ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک بیس برس کے عرصے میں امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اپنے عدیم النظیر حلم وکرم وتدبر سے عراقی مفسدین کو سیاسی خلفشار پیدا کرنے سے باز رکھا ان کی وفات ہوتے ہی عراقی شیعان علیؓ نے حضرت حسینؓ کو بیعت خلافت کی ترغیب وتحریص دے کر خروج پر آمادہ کیا، قسمیں کھا کھا کر وعدے کئے کہ حصول مقصد کے لئے اپنی جانیں

ان کی نصرت و حمایت میں قربان کر دیں گے عراقیوں کے وعدوں پر یقین کر کے اور اپنے تعلق فرزندوں اور ہمدردوں اور صحابہ کرام کی رائے کے خلاف سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے عراق تشریف لے گئے کوفیوں کی بیوفائی اور انحراف کے نتیجے میں جو حادثہ پیش آیا سب جانتے ہیں اس کے بعد بھی چند دیگر واقعات مختار ثقفی کا خروج، حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ شوہر سیدہ سکینہ بنت حسینؓ سے اس کی جنگ، مختار کا مارا جانا پھر مصعب کا امیر المومنین عبدالملک اموی کے مقابلہ میں قتل ہونا یہ سب واقعات عراق ہی میں پیش آئے ان تمام معرکوں میں عراقیوں نے بڑھ چڑھ کے حصہ لیا تھا مگر وہ اپنے اس دیرینہ مقصد میں کہ صوبہ عراق کو اسلامی حکومت کا مستقر بنا کر اولاد علیؓ میں سے کسی کو تخت خلافت پر بٹھا کے دیگر حصص مملکت پر سیاسی تفوق حاصل کر سکیں گے، کامیاب نہ ہوئے۔ متواتر ناکامیوں کی تاویلات کے سلسلے میں طرح طرح کے قصے اور حکایتیں گھڑی گئیں خاص کر حضرت حسینؓ کے بارے میں بیسیوں حدیثیں وضع ہوئیں جن کی ذرا سی جھلک ملا باقر مجلسی کی مندرجہ بالا روایت میں ہے کہ امت کے ہاتھوں ان کی شہادت روز ازل سے مقرر تھی وہ پیدا ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ "خلق پر حجت خدا ہوں" "حجت خدا باشد برای خلق" (ص ۱۴۲) اور بسبب شہادت درجہ او مرتبہ ان کا جن و انس (مخلوقین) میں سب سے بلند و بالا ہو بلکہ ان کے شیعوں کو بھی یہ علوئے مرتبت حاصل ہے کہ جس گنہگار کی چاہیں شفاعت کریں قبول ہو رد نہ ہو۔

حق تعالیٰ فرمود کہ او را (حسین را) بسبب شہادت درجہ خواہد بود کہ احدے از مخلوقین بآں درجہ نرسیدہ باشد و او را شیعہ چند خواہد بود کہ شفاعت کنند و شفاعت ایشان رد نشود۔

(جلاء العیون ص ۱۴۳)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا (حسین کا) درجہ بسبب شہادت ایسا (بلند) ہوگا کہ مخلوقین (یعنی جن و انس) میں سے کوئی اس درجہ تک نہ پہنچ سکے گا اور ان کے شیعہ یقیناً چند ہوں گے کہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت رد نہ کی جائے گی۔

اب یہ دیکھئے کہ تشہیر ان خرافات کی کب سے شروع ہوئی معلوم ہے کہ حادثہ کربلا ۶۱ھ میں پیش آیا تھا اس وقت سے ۱۳۲ھ تک کہ بہتر اکہتر برس کی مدت ہوتی ہے اموی خلافت کا عہد تھا اس زمانہ میں حضرت حسینؓ کے معاصرین کی بڑی تعداد بقید حیات تھی اصحاب سے صحابہ کرام و تابعین عظام ہیں ان کے عزہ اقربا بھی موجود تھے جو بیسیوں برس تک زندہ بھی

رہے۔ ان سب نے باصرار منع کیا تھا کہ خروج نہ کریں اور سیاسی اقتدار کے موہوم مقصد کی خاطر کوفیوں کے وعدوں پر بھروسہ کرکے جانِ عزیز کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ ان حضرات کی موجودگی میں جن کی معتدبہ تعداد عراق میں بھی تھی اور جو واقعات کی اصل نوعیت سے کماحقہ واقف تھے نہ کربلا کے بے سروپا افسانے مشتہر ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے اور نہ حضرت حسینؓ کی شخصیت کے بارے میں فوق الفطرۃ کہانیاں اور اساطیر منظر عام پر آسکیں۔ سنہ ۱۳۲ھ کے تیس چالیس برس بعد سے کوفہ کی سبائی ٹکسال میں کربلا کے وضعی افسانے گھڑنے شروع ہوئے۔ ابو مخنف جیسے کذاب راوی کا متوفی سنہ ۱۵۷ھ نے "مقتل حسین" مرتب کرکے ان کی تشہیر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ مقتولین کربلا کہ جن کی مجموعی تعداد بہتر بتائی گئی ہے نہ جدا جدا قبروں میں دفن کیا گیا اور نہ کیا جاسکتا تھا۔ اجمالی صورت میں یکجائی تدفین ہوئی تھی۔ سو برس کی طویل مدت گذر جانے پر کہ آثار مدفن بھی ان کے مٹ چکے تھے قبر حسین کے علاوہ اور تربتیں بھی ذہنی طور سے بنالی گئیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے مختصر سا باب "قبر حسین" جداگانہ قائم کرکے لکھا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کربلائی مشہد قبر حسین کا بنا ہوا ہے پھر "واللہ اعلم" لکھ کر اظہار شبہ کا کر دیا ہے ساتھ ہی ابن جریر وغیرہ مورخین کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس مقام کے آثار جہاں وہ قتل ہوئے تھے اس درجہ مٹ چکے تھے کہ کوئی شخص بھی صحیح طور سے وہ جگہ متعین نہیں کر سکتا تھا اس کے بعد کہتے ہیں کہ:۔

وقد کان ابو نعیم فضل بن دکین ینکر علی من یزعم انه یعرف قبر الحسین (البدایة والنہایة ج ۸ ص ۲۰۳ و تاریخ الاسلام ذہبی)

اور ابو نعیم فضل بن دکین تو اس شخص کے قول کو نہیں مانتے تھے جو قبر حسین کے جاننے پہچاننے کا دعویٰ کرے۔

یہ ابو نعیم بھی شیعہ تھے آخر میں ہشام بن الکلبی جیسے سبائی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جب پانی دوہا سیلاب کی طرح چھوڑ دیا گیا تھا اس کے چالیس دن بعد بنی اسد کا ایک اعرابی آیا جیسے جیسے زمین سونگھتا جاتا تھا ایک جگہ مٹی سونگھ کر کہنے لگا کہ یہی ہے قبر حسین گویا اس طرح قبر حسین شناخت کی گئی لیکن تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ آبپاشی کے بعد جب کہ ذکر آگے آتا ہے یہ سب جگہ مزروعہ ہو گئی تھی اور مدت تک مزروعہ رہی تھی۔ شخصیت پرستی کی بدعتیں جیسے لگی تھیں تیسری صدی ہجری کے ابتدائی حصہ [illegible] مشرکانہ بدعات نے عوام کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کر رکھا تھا کہ [illegible] کو پیروی دین خالص اور بدعات و خرافات سے

پاک رکھنے کی ذمہ داری عائد تھی اس کے سدباب کے لئے مؤثر کارروائی کرنی پڑی۔ یہ زمانہ امیر المومنین جعفر المتوکل علی اللہ عباسیؒ جیسے حامی سنت ماحی بدعت خلیفہ وامام المسلمین کا تھا۔ ان کے پیشرو خلفاء کے زمانے میں خلق قرآن و رویت باری تعالیٰ کے بارے میں جو مناظرے و مجادلے شدت سے جاری تھے حکماً بند کرا دیئے۔ لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ قرآن وسنت کے سوائے کوئی شخص ان چیزوں سے اشتغال نہ رکھے وامر الناس ان لا یشتغل احد الا بالکتاب والسنۃ لا غیر (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۳۱۶)

امام احمد بن حنبلؒ کو خلق قرآن کے مسئلہ میں جو اذیتیں اٹھانی پڑی تھیں ان کا مداوا کیا، جہاں عزیز کی حیثیت سے کچھ عرصہ انہیں اپنے پاس رکھا ان کا غیر معمولی اعزاز واکرام کیا وقد کان المتوکل یکرم الامام احمد بن حنبلؒ اکراماً زائداً (ایضاً ص ۳۳۷) مگر انہوں نے عطیات، خلعت و ملبوسات پیش کئے امام صاحب تو ان چیزوں سے مستغنی تھے۔ ان کے صاحبزادوں صالح و عبداللہ نے وصول کئے اور شہر میں خلیفہ موصوف امام

لہ امیر المومنین المتوکل علی اللہؒ کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

وکان المتوکل (علی اللہ) محبباً الی رعیتہ قائماً فی نصرۃ اہل السنۃ وقد شبہہ بعضہم بالصدیق فی قتلہ اہل الردۃ لانہ نصر الحق وردہ علیہم حتی رجعوا الی الدین .... وقد اظہر السنۃ بعد البدعۃ واخمد اہل البدع وبدعتہم بعد انتشارہا واشتہارہا فرحمہ اللہ وقد رآہ بعضہم فی المنام بعد موتہ وہو جالس فی نور قال قلت المتوکل؟ قال المتوکل قلت فما فعل بک ربک؟ قال غفر لی قلت بماذا؟ قال بقلیل من السنۃ احییتہا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۳۵۰)

اور خلیفہ المتوکل اپنی رعایا سے محبت کرنے والے ان کے محبوب تھے اہل سنت کی نصرت کو مستعد رہتے تھے بعض لوگوں نے انہیں حضرت صدیق اکبرؓ سے تشبیہ دی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین سے قتال کیا تھا حق کی نصرت کی تھی حتیٰ کہ انہیں دین حق پر لوٹا لیا تھا ...... (خلیفہ المتوکل کے عہد میں) سنت کو بدعت کے پھیل جانے اور مشتہر ہو جانے کے بعد احیا (زندہ) ہوا کہ وہ سب دب گئیں اور ماند پڑ گئیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان پر۔ ان کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ (رحمت الٰہی) کے نور میں بیٹھے ہیں پوچھا آپ متوکل ہیں کہا ہاں۔ متوکل ہوں پوچھا آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا کہا میری مغفرت کردی پوچھا کس وجہ سے کہا احیائے سنت کی جو قلیل خدمت میں نے کی تھی۔

صاحب سے مشورے کرتے بغیر ان کے مشورے کے قاضی ومفتی کا بھی تقرر نہ کرتے۔ تمام ممالک محروسہ کے محدثین کو خلعتیں اور وظائف دیئے احادیث نبوی کے بیان واشاعت پر مامور کیا بدعات کا قلع قمع کرایا۔

وارتفعت السنة جداً في ايام المتوكل عفا الله عنه وكان لا يولي احداً الا بعد مشورة الامام احمد وكان ولاية يحيى بن اكثم قضاء القضاة عن مشورته وقد كان يحيى بن اكثم هذا من ائمة السنة وعلماء الناس ومن المعظمين للفقه والحديث واتباع الاثر۔

(ایضاً ص ۳۱۶)

خلیفہ المتوکلؒ کے ایام خلافت میں سنت کو بہت فروغ و عروج ہوا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے امام احمد (ابن حنبلؒ) سے مشورہ کئے بغیر کسی ایک شخص کا بھی تقرر نہ کرتے ان ہی کی مشورے سے یحییٰ بن اکثم کو قاضی القضاۃ کے منصب پر مقرر کیا اور یہ یحییٰ بن اکثم ائمہ اہل سنت اور علماء الناس میں سے تھے فقہ و حدیث اور اتباع آثار میں بڑے درجے کے تھے۔

مشرکانہ رسموں سے نیز مغالاۃ فی البشر اور شخصیتوں کے بارے میں غلو کرنے سے لوگوں کو باز رکھنے کی غرض سے نائب السلطنت کو احکام جاری کئے گئے کہ سبائی اور رافضی حضرت حسینؓ کے متعلق حد درجہ غلو کرنے لگے تھے اور ساتھ ہی اکابر صحابہ خصوصاً حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نیز امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت حفصہؓ کی اہانت و بے ادبی کرتے تھے امیر المومنین نے بزرگان دین پر سب و شتم کرنے والوں کو عبرتناک سزائیں دلوائیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نیز ابن جریر طبری نے اعیان بغداد میں سے ایک شخص کی اس حرکت شنیعہ کا ذکر کیا ہے کہ حضرات شیخین اور امہات المومنین کی بدگوئی کیا کرتا تھا یشتم ابابکر و عمر و عائشۃ (ایضاً ص ۳۲۳ و طبری ج ۱۱ ص ۴۴۱) سترہ اشخاص نے اس کے خلاف شہادت دی تھی امیر المومنین کے حضور میں اس کا معاملہ پیش کیا گیا عبرتناک سزا کا حکم دیا۔

فرفع امره الى الخليفة فجاء كتاب الخليفة الى محمد بن عبد الله بن طاهر بن الحسين نائب بغداد يامره ان يضربه بين الناس حد السب ثم يضربه

اس شخص کا معاملہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوا خلیفہ موصوف کا تحریری حکم نائب بغداد محمد بن عبد اللہ بن طاہر بن حسین کے پاس آیا کہ سب لوگوں کے سامنے بدگوئی کرنے کی حد اس پر جاری کی جائے

بالسياط حتى يموت ويلقى في دجلة ولا يصلى عليه ليرتدع بذلك اهل الالحاد والمعاندة۔ (ايضاً ص ۳۲۲)

پھر اس کے اتنے کوڑے لگوائے جائیں کہ مرجائے اس کی لاش دجلہ میں نماز پڑھے بغیر پھینک دی جائے تاکہ ملحدوں اور دشمنانِ صحابہ کو عبرت ہو۔

محدث احمد بن نصر پر متعدد علماء سے کفر کا فتویٰ خلق قرآن کے مسئلہ میں دیکر پیشرو خلیفہ کے ہاتھ سے قتل کرا دیا تھا ان میں قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی[1] پیش پیش تھے انھیں قاضی القضاۃ کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ واعظین جو اسرائیلیات کے قصص بیان کیا کرتے تھے ممنوع کئے گئے۔ عیسائی اور یہودیوں کے لئے امتیازی نشان مقرر کئے گئے۔ جلسوں میں صلیب نکالنے کی مخالفت کی گئی۔ جو گرجے اور معبد مشرکین نے جدید تعمیر کرلئے تھے منہدم کرا دیئے گئے۔ امر المتوكل بهدم البيع المحدثة في الاسلام (طبری ج ۱۱ ص ۳۴) حکم ہوا کہ ان کے بجائے اگر مساجد تعمیر ہو سکیں تعمیر کی جائیں۔ عیسائیوں سے تعلیم حاصل کرنے کی مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ایک نصرانی کو جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا سزائے قتل دی گئی۔ حضرت ذوالنون مصری کے بارے میں شکایتیں پہنچیں کہ ان سے شریعت کے خلاف کچھ امور سرزد ہوتے ہیں ان کی طلبی کے احکام جاری ہوئے چنانچہ حضرت موصوف مصر سے چل کر عراق آئے۔ امیر المؤمنین نے جب بچشم خود ان کے احوال دیکھے ان کی باتیں اور مواعظ سنے مطمئن ہو کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

فرده مكرماً فكان بعد ذلك اذا ذكر عند المتوكل يثني عليه (ايضاً ص ۳۲۴)

ان کو (ذوالنون مصری کو) عزت و اکرام کے ساتھ واپس بھیج دیا بعد میں جب ان کا ذکر خلیفہ المتوکل کے سامنے ہوتا ان کی تعریف کرتے۔

[1] معتزلی خلق قرآن کے قائل تھے۔ کلام خدا کو مخلوق کہنے کا سلسلہ لبید بن اعصم یہودی سے چلتا ہے کہتے ہیں کہ اسی لبید یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کرنے کا اقدام باطل بھی کیا تھا۔ قاضی احمد مذکور نے اعتزال کی تعلیم بشر مریسی سے پائی تھی بشر نے جہم بن صفوان سے جہم نے جعد بن درہم سے اور جعد نے ابان بن سمعان سے اور ابان نے طالوت سے اور طالوت نے لبید بن اعصم یہودی مذکور سے جو توریت کے مخلوق ہونے کا قائل تھا۔ جعد کو امیر المؤمنین ہشام بن عبد الملک اموی نے قرآن کو مخلوق کہنے پر موت کی سزا دی تھی۔ قاضی احمد کے علاوہ وزیر ابن الزیات بھی [illegible] معتزلی کے معاملہ میں شریک تھا اس کے اور بھی تصور تھے ان [illegible] کی گئی۔

مشہد حسینی کے سلسلے میں امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کی ان مساعی اور مخلصانہ خدمات کا تذکرہ جو احیاء سنت اور رد بدعات کی غرض سے انجام دیں یہاں اس لئے کیا گیا کہ روافض نے حادثہ کربلا سے تقریباً ایک صدی بعد جو مزارات و منازل و عمارات وہاں بنائی تھیں قبروں پر نذریں اور چادریں چڑھائی جاتی تھیں، قبر پرستی کی مشرکانہ بدعتیں کی جاتی تھیں۔ منتیں مانی جاتی تھیں صاحب قبر سے التجائیں کی جاتی تھیں، جلب منفعت کی خاطر ایسے ایسے معجزات اور عجائب صاحب قبر کے بیان کرتے جو انبیائے کرام سے بھی منسوب نہیں کئے گئے جن کا قدرے ذکر ابھی ہوا۔ عوام کے مذہبی عقائد خراب کر رہے تھے حامی سنت امام المسلمین نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اور اسلام کے بنیادی عقیدے توحید و رسالت کو مشرکانہ توہمات سے پاک رکھنے کی خاطر تمام مزارات کو جو مدت مدید گزر جانے کے بعد بنائے گئے تھے مع دیگر منازل و عمارتوں کے انہدام کا حکم دے دیا۔ شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے ۲۳۶ھ کے کوائف کے سلسلہ میں حکم انہدام کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

فیہا (سنہ ۲۳۶ھ) أمر المتوکل بهدم قبر الحسين بن علي وهدم ما حوله من المنازل والدور وان يحرث ويبذر ويسقى موضع قبره وان يمنع الناس من إتيانه فذكر ان عامل صاحب الشرطة نادى في الناحية من وجدناه عند قبره بعد ثلاثة بعثنا به إلى المطبق فهرب الناس وامتنعوا من المصير إليه وحرث ذلك الموضع وزرع ما حواليه

(طبری ج ۱۱ ص ۴۴)

اور اس سال (۲۳۶ھ میں امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ) نے حکم دیا کہ حسین بن علیؓ کی قبر ڈھادی جائے اور اس کے آس پاس کی سراؤں اور مکانوں کو منہدم کر دیا جائے اور اس مقام پر جتائی بوائی اور آبپاشی کی جائے لوگوں کو وہاں جانے سے منع کیا جائے کہتے ہیں کہ پولیس افسر نے اس علاقہ میں اس کی منادی کرادی تھی کہ جو کوئی ان کی قبر کے پاس تین دن کے بعد پایا گیا قید خانے بھیج دیا جائیگا اس سے لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ادھر جانے سے روک دئے گئے اور اس مقام پر جتائی کرادی گئی اور اس کے آس پاس زراعت ہوتی رہی۔

شیعہ مورخ کے اسی بیان کو علامہ ابن کثیرؒ نے بعینہٖ الفاظ نقل کر دیا ہے نیز دوسرے

مورخین نے بھی امیر المومنین کے اس حکم کو جو عوام کو قبر پرستی اور مغالاۃ فی البشر سے باز رکھنے کی خاطر خدمتِ دین اور تحفظ عقیدہ توحید خالص کے اسی جذبہ صادق سے دیا گیا تھا جس سے خود ہمارے زمانہ میں سلطان ابن سعود نے جنت البقیع کے قبوں اور مزاروں کو منہدم کرا دیا تھا۔ شیعہ مورخین و مصنفین نے بالکل ہی دوسرا رنگ دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت علی و حسینؓ سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے ایسا کیا گیا تھا۔ بعض شیعہ مولفین نے تو قبر علیؓ کے منہدم کرانے کا بے بنیاد

سلہ پروفیسر حتی نے انہدام قبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کربلائی قبور کے منہدم کرانے کی وجہ سے شیعوں کو خلیفہ المتوکل سے دائمی نفرت ہو گئی ہے۔ چنانچہ طرح طرح کے بہتان اس حامی سنت متبع شریعت و راسخ العقیدہ عباسی خلیفہ پر تراشے گئے۔ یہاں تک لغو بیانی کی گئی کہ ایک مسخرے کو جس کی توند نکلی ہوئی تھی انھوں نے حضرت علی کی نقلیں اتارنے پر مقرر کیا تھا اور یعقوب بن سکیت شاعر و ادیب کو جو ان کے صاحبزادوں کو ادبیات کی تعلیم دیتا تھا محض اس بنا پر مروا ڈالا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ پر فرزندان خلیفہ کو ترجیح دینے سے منکر تھا۔ یہ سب بے بنیاد اتہامات ہیں۔ ابن سکیت مسلکاً غالی رافضی تھا اسی نے مندرجہ ذیل شعر کہے تھے جن میں خلفائے بنی عباس حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی و ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت و ہجو کی گئی تھی یہ رافضی شاعر کہتا ہے کہ:-

تاللہ ان کانت امیہ قد اتت — قتل ابن بنت نبیہا مظلوما
خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے — نبی کے نواسے کو مظلوم قتل کر دیا

فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ — ہذا لعمرک قبرہ مہدوما
تو ان کے دادا کی اولاد (بنی عباس) نے بھی تو ایسا ہی ظلم کیا۔ — کہ ان کی قبر کو کھدوا ڈالا

اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوہ رمیما
بنی عباس کو تو اسی کا افسوس تھا کہ وہ (حسین کے) قتل کرنے میں شریک نہ ہو سکے تھے — تو انھوں نے ان کی ہڈیوں ہی پر دھاوا بول دیا

ابن سکیت کو تو اس خبیثہ بہتان تراشی کی سزا ملی تھی نہ کہ ان خرافات کی پاداش میں جو رافضی راویوں نے وضع کی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تو جیسا شیعہ مورخین نے بھی بیان کیا ہے حضرت حسینؓ کو خروج کرنے سے بار بار اور باصرار منع کیا تھا اپنے ارادے سے جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو آخر میں یہ عاقلانہ مشورہ دیا تھا کہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ؛ ایسا نہ ہو کہ قتل ہو جاؤ اور بیوی بچے تمہارے اسی طرح تکتے کے تکتے رہ جائیں جیسے عثمانؓ کے بیوی بچے تکتے رہ گئے تھے شیعہ مورخ طبری ہی نے لکھا ہے کہ کربلا میں جب انھیں اپنے چچا

(بقیہ نوٹ ۱۳۳ صفحہ پر)

الزام بھی عاید کیا ہے حالانکہ جیسا پچھلے اوراق میں بوضاحت بیان ہو چکا امیر المومنین المتوکل
علی اللہ عباسی کے عہد سے تقریباً سوا سو برس بعد حضرت علیؓ کی یہ معروف مخفی قبر بنی بویہ کے زمانہ
امیر الامرائی میں دریافت ہوئی تھی۔ قبر کا جب وجود ہی نہ تھا تو انہدام کیسا؟ ہمعصر شیعہ
مورخ ابن جریر طبری نے جو عہد متوکلیہ میں پچیس برس کی عمر کے بغداد میں سکونت پذیر
تھے قبر علیؓ کے انہدام کا اشارۃً و کنایۃً بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ دوسرے شیعہ مورخ مسعودی
متوفی ۳۴۶ھ امیر المومنین موصوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت متواضع و متین و سلیم الطبع تھے
مخلوق کی حاجت روائی غایت درجہ کرتے تھے تشابت و تشدد مذہبی کا خاتمہ کر دیا تھا۔
کان سلیماً مجیباً الی الغایۃ برفع المحنۃ ومنع الجدل فی الدین
(کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ بریل ۱۸۹۴ء) شیعوں پر تشدد کرنے کا
جو الزام روافض نے لگایا محض بے اصل ہے۔ صرف ان ہی خبیثوں کو سزا دی گئی تھی جو
شیخین السدین و اکابر صحابہ و امہات المومنین کی بدگوئی کا ارتکاب کیا کرتے تھے ورنہ تمام
رعایا کے ساتھ شفقت و مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرتے۔ مولف کتاب فوات الوفیات نے
وزیر الجیلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خود امیر المومنین ہی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ مجھ سے پہلے
خلفاء رعایا کو اطاعت میں رکھنے کے لئے سختی کا برتاؤ کرتے تھے۔ وانا الین لھم
لیحبونی ولیطعونی (صفحہ ۱۳۲) میں تو ان کے حق میں بہت ہی نرم ہوں تاکہ الفت
مجھ سے کریں اور مطیع رہیں۔ خلیفہ موصوف جیسے متبع شریعت اور نرم مزاج امیر المومنین کا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۱ کا) یہ نیک مشورہ یاد آیا حسرت سے کہنے لگے لا یبعد ابن عباس
(ابن عباس نے کیا ٹھیک بات کہی تھی) پھر حضرت حسینؓ کے اس غلط اقدام کی اہل خاندان کی اکثریت
نے شدید مخالفت کی تھی؟ ان کی بہن زینب کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو امیر المومنین
یزید کے خسر تھے علیحدگی ہو گئی تھی شیعہ مولف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ عمر الاطرف برادر حسین
نے حادثہ کربلا کا حال سنکر یہی تو کہا تھا کہ حسین نے مجھ پر تو زور ڈالا تھا کہ ساتھ چلوں مگر میں تو بچا کہ
جوان ہوں ان کے خروج میں ساتھ دیتا تو میں بھی مارا جاتا۔ ان کے دوسرے بھائی محمد بن علی
(ابن الحنفیہ) کا موقف تو سب پر روشن ہے باوجود بار بار اصرار کے عاقبت نا اندیشانہ خروج
کی طرح ... خلیفہ وقت کی بیعت میں شامل رہے ... رافضی شاعر نے سبائی
... سب خروج میں شامل نہ ہونے کو جس جسارتانہ بدگوئی میں پیش کیا ہے
... اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...

یہ حکم کہ کربلا میں جو مزارات سرائیں اور مکانات تقریباً سو برس کی طویل مدت گذر جانے پر بنائے گئے تھے ان کو منہدم کرا دیا جائے صاحب قبر سے نفرت اور دشمنی کی بناء پر تو ہرگز نہ تھا بلکہ قبر پرستی اور مشرکانہ بدعات سے نفرت اور دشمنی کی وجہ سے تھا اور وہ بھی باتباعِ احکامِ شریعت اور آئمہ اہلِ سنت کے مشورے سے اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام احمد بن حنبل؈ سے مشورہ کئے بغیر ان معاملات میں کوئی حکم نہ دیتے تھے کہ قاضیوں کے تقرارات میں بھی مشورہ لیتے۔ امام موصوف کی وفات حکم انہدام سے پانچ چھ برس بعد ۲۴۱ھ میں ہوئی تھی یعنی جب مشرکانہ بدعات کا خاتمہ کرنے کے لئے اس حکم کا نفاذ ۲۳۶ھ میں کیا گیا امام موصوف امیر المومنین ہی کے پاس رہتے تھے اور ان کے مذہبی و شرعی مشیر تھے۔

بڑا اہل سنت نے تین خلفائے اسلام کے نام یکے بعد دیگرے اس سلسلے میں لئے ہیں کہ اپنے اپنے وقت میں انہوں نے ارتداد و بدعات کے طوفان کا کامیابی سے مقابلہ کیا یعنی اوّل حضرت ابوبکر الصدیق؈ کا پھر خلیفہ عمر بن عبد العزیز اموی؈ کا اور تیسرے امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسی؈ کا۔ کیونکہ آخر الذکر نے بقول صاحب فوات الوفیات بدعتیں مٹائیں اور سنت کو فروغ دیا۔ (المتوکل محا البدع واظہر السنة (ایضاً ص۱۳۲)

سلطان ابن سعود نے ہمارے زمانہ میں حضرت عباس؈ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کو منہدم کر دیا۔ جو قبہ اہل بیت کہلاتا تھا اور اسی قبے میں حضرت حسن؈ و علی بن حسین و محمد (الباقر) و جعفر (الصادق) وغیرہ بھی مدفون ہوئے تھے۔ یہ انہدام صاحب قبر حضرت عباس؈ سے معاذ اللہ کسی نفرت کی وجہ نہیں بلکہ رد بدعات کی بناء پر منہدم کرایا خلیفہ موصوف کے زمانہ میں اگر ان کے جد علی کے قبے میں ایسی ہی مشرکانہ باتیں ہوتیں جو کربلائی قبور پر ہوتی تھیں کہ باوجود ممانعت کے لوگوں کا وہاں اجتماع ہوتا صاحب قبر سے التجائیں کرتے منتیں مانتے چڑھاوے چڑھاتے تو اس قبے کے ساتھ بھی وہی کچھ کرتے جو سلطان ابن سعود نے کیا۔ غرض و مقصد مشرکانہ بدعات کو روکنا تھا نہ کہ صاحبانِ قبر سے کسی عناد و دشمنی کا مظاہرہ۔ خاندانی قربت اور رشتے کے تعلق سے حضرت علی و حسین؈ بھی تو انہی کے بزرگ تھے۔ خلیفہ موصوف کے متعدد دادیاں پردادیاں علویہ و حسنیہ و حسینیہ خواتین تھیں پھر خلیفہ موصوف ہی کی چچیری بہن سیدہ ام الفضل بنت خلیفہ مامون الرشید تھیں جو امامیہ کے نویں امام محمد بن علی الرضا کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان عباسیہ خاتون کے حسینی نسب شوہر کا عین عالم شباب میں کہ پچیس برس تین مہینے با

دن کی عمر تھی جب انتقال ہوا خلیفہ المتوکل علی اللہ کے بھائی ہارون بن امیر المومنین المعتصم باللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور امیر المومنین نے ... کی اور ان کے اکلوتے خورد سال یتیم فرزند علی بن محمد بن علی الرضا کو اپنے ہی پاس رکھا اور کچھ عرصہ بعد سیدہ ام الفضل کا کا ع شاہی عباسی خاندان میں داؤد بن داؤد بن علی السجاد بن عبداللہ بن عباس کے پردے سے ہو گیا محمد بن علی الرضا کے اس یتیم فرزند علی کو ان کی دادی ام ابیہا خواہر حقیقی جناب علی الرضا کے آغوش محبت میں پرورش کے لئے دے دیا گیا جن کے بوجہ ناکتخدا رہنے کے کوئی اولاد نہ تھی ۲۳۴ھ میں ام ابیہا نے وفات پائی۔ امیر المومنین المتوکل علی اللہ نے اپنے اس بھانجے کو جو اس وقت پندرہ سولہ سال کے تھے اور جنہیں امامیہ اپنا دسواں امام کہتے ہیں مدینہ سے اپنے پاس سامرا بلا لیا (البدایہ جلد ...) جہاں وہ عباسی خلفاء کے عزیز قریب کی حیثیت سے بعطائے گرانقدر وظیفہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتے رہے ۲۵۴ھ میں بعمر چالیس سال انتقال کیا۔ خلیفہ المتوکل علی اللہ کے فرزند ابو احمد نے نماز جنازہ پڑھائی (البدایہ ج ۱۱ ص ...) اور سامرہ کے قصر شاہی کے متصل میدان میں دفن ہوئے قرابت و محبت کے ان تعلقات کے ہوتے ہوئے دشمنی و عناد کے افسانوں کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے جو روافض نے تراشے ہیں۔[۱] امام المسلمین کی حیثیت سے جو ذمہ داری ان پر عائد تھی۔

---

[۱] خلیفہ ہارون الرشید کے داماد علی الرضا کی ۲۰۳ھ میں جب وفات ہوئی تھی ان کے بیٹے محمد سات سال کے تھے خلیفہ مامون نے اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لیا اور ناز و نعم سے پرورش کیا جب جوان ہو کر پچیس برس کی عمر کو پہنچے تو ... ام الفضل سے ان کی شادی کر دی۔ ... (الاسلامون العباسی ... دختر ... بنت ام الفضل (قاموس التراجم ج ۲ ص ...) کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے ہو گیا تھا ... ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ ایک کروڑ سالانہ کا ... وظیفہ مقرر کیا (امنیاء السنۃ ج ۲ ص ...) ۲۱۴ھ کے قریب میں شہزادی ام الفضل کے بطن سے پیدا ہوا جن کا نام اپنے والد کے نام پر علی رکھا یہ دونوں باپ بیٹے علی و محمد جنہیں امامیہ اپنا امام مانتے اور علی الہادی و نقی اور محمد الجواد کہتے ہیں۔ ... کی وفات کے وقت ... سات برس کے بچے تھے روافض نے یہ کہہ کر دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام ہونے کی وجہ سے ... تمام علوم پیدا ہوتے ہی سے ... کامل تھے ... اور جعلی روایتیں ... کذب بیانیوں کے اظہار میں وضع کیں کہ عباسی خلفاء نے ان دونوں کو جس والہانہ محبت و شفقت سے پالا پرورش کیا تھا اور ایک کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا کیا تھا ... اور اگر ... مجلسی نے متعدد ... روایتوں سے اپنی کتاب جلاء العیون کے ورق سیاہ کئے ہیں اور صرف اتنی سی بات کہ ... محمد الجواد کے ... فرزند علی ان کی زوجہ محترمہ سیدہ ام الفضل بنت مامون الرشید کے بطن سے نہ تھے ... دوسری عورت کے بطن سے تھے یہ بیوی ان کی ... کنیز ... تھی ... شہزادی نے اپنے والد خلیفہ مامون الرشید سے کی۔

(... جلد ۱۱ ص ...)

خلیفہ موصوف نے مغالاۃ فی البشر اور مشرکانہ مزید مات سے علم کو بچانے کی کوششیں کیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبی ذات اقدس کے بارے میں غلو کرنے سے امت کو بالفاظ واضح منع فرمایا تھا ارشاد مبارک ہے کہ :-

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسولہ

دیکھو تم لوگ میری ذات کے بارے میں غلو نہ کرنا جیسا ابن مریم (عیسیٰ) کے بارے میں نصاریٰ کر گئے ہیں میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں بس کہا کرو اللہ کے بندے اور اس کے رسول۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے روافض کے غلو کا ذکر کرتے ہوئے جو اپنے آئمہ کی شخصیتوں کے بارے میں کرتے ہیں کہ ان کی قبروں اور مشاہد کی زیارت کو حج کعبہ پر ترجیح دیتے ہیں

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۳۴) خلیفہ نے تلوار اٹھائی اور چار آدمیوں کی مدد سے اپنے محبوب داماد کے جس کو پیچھے سے آغوش محبت میں پالا تھا ٹکڑے کر دیئے مگر صبح کو جب معلوم ہوا کہ داماد زندہ اور صحیح سلامت ہے جس پر اس شرفیاں بھی عطا کیں پھر کہا ہے خلیفہ موصوف کے بھائی خلیفہ المعتصم باللہؒ نے مشہوت جالیا لیکن زہر ملوا کر اس کے ہاتھ سے محمد مذکور کو پلوادیا جس سے ہلاک ہو گئے دوسری روایت یہ ہے کہ معتصم باللہ نے بیٹی کو اپنے شوہر کے قتل کرنے پر راضی کر لیا ان ہی کے ہاتھ سے انگوروں میں زہر ملوا کر انہیں کھلوا دیئے لیکن ابن شہر آشوب کی جو روایت ملا صاحب نے آخر میں لکھی ہے وہ انتہائی سفلہ پن، خباثت و گندگی سے وضع کی گئی ہے یعنی شہزادی ام الفضل نے اپنے شوہر کے مار ڈالنے کو زہر کی ترکیب کی جو کسی بھی کے گندے دماغ کی تراشیدہ ہے یعنی "بہنگام مقاربت آں ملعونہ دستمال زہر آلود بآنحضرت داد (صفحہ ۲۰) یعنی مقاربت کے وقت زہر سے آلودہ دستمال شوہر کو دیا جس سے جسم میں زہر پہنچ کر باعث ہلاکت کا ہوا۔ یہ ہے ادنیٰ نمونہ ان خرافات کا جس سے عباسیوں کی دشمنی کا ثبوت دیا گیا ہے۔ یہ بھی بہ دروغ بے فروغ ہے جیسا بعض شیعوں نے منتسب کی خلافت عباسیہ کے ولیعہد کی حیثیت سے سامرہ میں اپنے ماموں خلیفہ المتوکل علی اللہ کی شفقت میں رہے اور پھر ان کے دونوں بیٹے حسن اور جعفر بھی وہیں رہے ان بزرگواروں میں سے کسی نے انقلابی جماعت سے کوئی واسطہ نہ رکھا تھا بعض علوی جو خود دعویٰ بغاوت کے گرفتار رہتے یا مارے جاتے لیکن عباسی اور علویوں کی تعلقات قرابتیں بدستور تھیں بلکہ اسی زمانہ میں ابو العباس عبداللہ بن المعتز باللہ نے یہ تجویز کی تھی جیسا ان کے علوی دوست ابو الحسین محمد بن الحسن العلوی کا قول محمد بن یحییٰ الصولی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ کوئی طالبی سوائے عباسیہ کے شادی نہ کرے اور کوئی عباسی بغیر طالبیہ کے تاکہ دونوں گھرانے یک جان رہیں۔ قال لا ادع طالبیاً یتزوج بغیر عباسیۃ ولا عباسیاً بغیر طالبیۃ حتی یصیر واشیئاً واحدا۔ (کتاب الاوراق الصولی صفحہ)

لکھا ہے کہ:-

وقد ثبت فی الصحاح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال لعن الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاۂم مساجد یحذر ما فعلوا وقال قبل ان یموت بخمس ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہاکم عن ذٰلک (رواہ مسلم) وقال اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاۂم مساجد (رواہ مالک فی الموطا) منہاج السنۃ ج ۱ ص۱۳۱

صحاح میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا وہ جو فعل کرتے ہیں اس سے بچو اور پانچ دن قبل اپنی رحلت کے فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا دیکھو تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا ہوں (رواہ مسلم) اور فرمایا اور میری قبر کو بت نہ ہونے دینا کہ لوگ پوجیں اللہ کا شدید غضب اس قوم پر ہوگا جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں۔ (رواہ مالک فی الموطا)

مولانا حالی نے آنحضورؐ کے ارشاد کو یوں ادا کیا ہے:-

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[۱]

شیخ الاسلام موصوف اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ متعدد بار ملک شام تشریف لے گئے تھے فتح بیت المقدس کے موقع پر بل نہ کے جوہر کے معاہدے میں پھر مقام سرغ تک لیکن ان میں سے کوئی صاحب ابراہیم خلیل اللہ کی قبر کی زیارت کے لئے نہیں گئے۔ لم یکن احدھم یقصد السفر الی قبر الخلیل (ایضاً ص۱۳۲)
اور نہ ان کی قبر پر کوئی قبہ بنا تھا اور نہ نبیوں کی قبروں کی کراتیں عہد صحابہ وتابعین بلکہ اس

[۱] یہ اشارہ آیت شریفہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ کی جانب۔

کے بعد کے زمانوں تک مشتہر کرنے کا پروپگنڈا کیا گیا تھا۔

ملا باقر مجلسی نے اپنی اسی کتاب جلاء العیون میں حضرت حسینؓ کی مفروضہ قبر کے معجزات کے بارے میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا ہے "ان معجزوں اور کرامتوں کے بیان میں جو مرقد مطہر و تربت آنحضرت کے سبب ظاہر ہوئے"۔ اور اس کے تحت خطیب سامرہ کے پورے چھ صفحے بعید از قیاس خرافات، بحر و پوچ کہانیوں اور من گھڑت افسانوں سے یہ ظاہر کرنے کے لئے سیاہ کر ڈالے ہیں کہ میدان کربلا کی اور تو سب زمین کو ہل چلا کر مزروعہ کر لیا گیا تھا مگر حضرت موصوف کی کرامتوں کی بدولت قبر کی جگہ محفوظ رہی۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ فرشتے قبر کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ انبیائے کرام زیارت کے لئے آتے رہتے تھے چنانچہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں زیارت کی غرض سے آئے تھے جس کی وجہ سے ایک غریب زائر کو موقع زیارت مشکل مل سکا تھا (صفحہ ٢٤٣) دوسری روایت میں جبرئیل و میکائیل کی ہمرہی میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مع گروہ ملائکہ بغرض زیارت قبر حسینؓ پر تشریف لانا بیان کیا گیا ہے نیز حضرت علی و فاطمہؓ کے تشریف لانے اور زائرین کو بہشت کے داخلے کی پرچیاں تقسیم ہونے کی روایت بھی بیان کی گئی ہے چونکہ لوگوں کو خلیفہ نے زیارت کی ممانعت کرا دی تھی اس لیے ایک زائر کا قصہ بیان کر کے اس کے منہ سے یہ کہلوا دیا ہے کہ باوجود حکم امتناعی میں زیارت ہرگز ترک نہ کروں گا وہ کہتا ہے:-

من زیارت آنحضرت و تعظیم او را هرگز ترک نکنم زیرا که موضعی که خلیل خدا و حبیب خدا و جبرائیل و میکائیل و ملائکه مقربین قصد زیارت آن نمایند سزاوار است که مردم رغبت نمایند در زیارت و تعظیم آن۔
(جلاء العیون صفحہ ٢٥٠)

میں تو ان جناب کی زیارت اور تعظیم کو ہرگز ترک نہ کروں گا کیونکہ یہ تو وہ مقام عالی ہے کہ حضرت خلیل اللہ اور حضرت حبیب خدا (محمد مصطفیٰ) نیز جبرائیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین اس کی زیارت کا قصد فرماتے ہیں اس لئے وہ سزاوار و مستحق ہے کہ لوگ رغبت زیارت اور تعظیم اس کے لئے ظاہر کریں۔

یہ باتیں تو ترغیب زیارت کی غرض سے کہی گئیں اب دو چار معجزے اور کرامتیں بھی سن لیجئے۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ہل چلانے والا جب اپنے بیلوں کو تربت کی

جانب اٹھتا وہ ایسا اٹھ کے کھڑے ہو جاتے کہ کتنا ہی تنگ تنگ کرتا آنکس مارتا وہ ٹس سے مس نہ ہوتے ڈنڈا مارتے مارتے اس کے ہاتھ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا مگر بیل کے بیل ضریح مبارک کی جانب ایک قدم بھی نہ اٹھاتے۔ جتائی کرانے پر جو شخص مامور تھا اس کے منہ سے یہ فقرہ کہلوا دیا ہے "من عصا را بدست خود گرفتم و آنقدر گاؤ را زدم کہ ریزہ ریزہ شد و گام برنہ داشتند" حضرت کی قبر کے علی حالہ موجود ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ بیل بھی تعظیماً رک کر کھڑے ہو جاتے ایک قدم بھی اس جانب نہ اٹھاتے۔ ہل والا یا قسمت کا مارا کوئی مزدور تھکا ماندہ وہاں بیٹھ جاتا اس کے قریب میں رفع حاجت کر دیتا وہ اور اس کی سات پشت کوڑھی اور پاگل ہو جاتی۔ ملا صاحب فرماتے ہیں:-

مردے نزدیک قبر آں حضرت حدثی کرد او و اہلبیت او دیوانہ شدند و بجذام و برص مبتلا گردیدند تا امروز اولاد ایشاں بجذام و برص مبتلا میشد -
(ایضاً صـ۲۳ـ)

ایک شخص نے آں حضرات کی قبر کے نزدیک رفع حاجت کر لی تھی تو وہ اس کی زوجہ (اہلبیت) دونوں پاگل اور جذام و کوڑھ میں مبتلا ہو گئے اور آج تک ان کی اولاد جذام اور کوڑھ میں مبتلا ہی جاتی ہے۔

اسی طرح کی اور کرامتیں بیان ہوئی ہیں مگر وہ جو کہتے ہیں دروغ گو را حافظہ نہ باشد ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ قبر ہی زمین پر باقی نہ رہی تھی آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔ ملا صاحب سے یہ ماجرا سنئے فرماتے ہیں کہ :-

چوں متوکل حکم کرد کہ آب بقبر آنحضرت ببندند قبر را شخم کنند زید و بہلول مجنون[2] رفتند بسوائے کربلا و دیدند کہ قبر درمیان زمین

جب متوکل نے حکم دیا کہ اس حضرت کی قبر پر پانی چھوڑ دیا جائے اور اس پر ہل چلایا جائے اور اس پر ہل چلایا جائے زید اور بہلول

---

۱ یہاں امیر المومنین کی بدگوئی میں جو لفظ تحریر کیا تھا حذف کر دیا گیا۔

۲ بہلول دیوانہ کے متعلق ملا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مذہباً شیعہ تھے مصلحت وقت سے تقیہ میں اظہار دیوانگی کا اس لئے کیا کرتے تھے کہ جو سچی بات جو بھی خود کہہ دیں دیوانگی کی وجہ سے کوئی معترض نہ ہو وہ مصر میں تھے اور انہدام قبر کی خبر ان کو مصر میں ملی تھی وہاں سے بیوہ گریاں و دل بریاں کوفے آئے اور کوفے سے زید کو ساتھ لے کر کربلا گئے تھے مصر میں خبر پہنچنے کے بعد وہاں سے بہلول کو آنے اور کوفے ہو کر کربلا پہنچنے میں کئی مہینے ضرور لگ گئے ہوں اس دوران انہدام کے بعد جاتی ہی ہو گی۔ شاید اسی وجہ سے قبر ان حضرت نے زمین پر نہ پائی ہوا میں معلق دیکھی گویا زمین پر قبر کا وجود باقی نہ رہا تھا۔

و آسمان معلق ایستادہ است۔ (ایضاً صفحہ ۲۳)

دیوانہ صحرائے کربلا میں پہنچ کر دیکھا کہ قبر زمین اور آسمان کے درمیان ہوا میں کھڑی ہے۔

میدان کربلا کو ۲۳۶ھ میں مزروعہ کیا گیا تھا اس وقت سے ۳۶۷ھ تک کہ تقریباً سوا سو برس کی مدت ہوتی ہے اس میدان کے قبرستان میں منتقل کئے جانے کا ثبوت تاریخ سے نہیں ملتا۔ عضد الدولہ فنا خسرو دیلمی نے جیسا مؤلف نزہت القلوب نے بھی تصریح کی ہے مشہد حسینی تعمیر کرایا تھا نجفی مشہد کی طرح کربلائی مشہد بھی بنا بویہ ہی کی یادگار ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ان مشاہد کا صوبہ عراق میں قائم ہونا فروغ رفض کے لئے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ عراقی مشاہد کے تقدس و عظمت کا شیعی دنیا میں وہی درجہ قرار پایا جو اسلامی دنیا میں حرمین شریفین کا رہا ہے۔ نجف اور کربلا کا زائر جس نوعیت سے مشہدی و نجفی و کربلائی کہلایا۔ ان کو شیعہ سوسائٹی میں جس احترام و محبت سے دیکھا گیا وہ مرتبہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے واپس آنے والے مسلمان حاجی کو اسلامی سوسائٹی نے آج تک نہیں دیا کیونکہ بہشت کا پروانہ اور مغفرت کا سرٹیفکیٹ جیسا آپ پچھلے اوراق میں ملاحظہ کر چکے ہیں مشہد کا نجفی و کربلائی زائر کو ملتے ہیں نہ کعبہ کے حاجی اور مدینۃ النبی کے زائر کو۔

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ بنی بویہ کے سیاسی اقتدار اور جارحانہ تشیع کی بدولت نہ صرف نجفی و کربلائی مشاہد شیوع اسلام کے چار سو برس بعد سے رفض و تشیع کے مرکزی حیثیت سے ابھرے بلکہ اس فرقہ کے مذہبی لٹریچر کی ابتداء بھی اسی زمانہ سے ہوئی۔ عقیدۃ الشیعہ کے مؤلف لکھتے ہیں مبدأ تدوین احادیث الشیعۃ فی ابتداء الامر علی زمن البویہیین ثم علی زمن الصفویین۔ یعنی کتب احادیث الشیعہ کے تدوین کی ابتداء بویہ کے زمانہ سے ہوئی پھر صفویوں کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ کتب احادیث شیعہ وغیرہ کے سب سے پہلے مؤلفین سب اسی عہد کے ہیں یعنی محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ و ابو جعفر القمی متوفی ۳۸۱ھ جامع احادیث شیعہ و محمد بن علی بن حسین طوسی متوفی ۴۶۰ھ وغیرہم ان کی تالیفات سے قبل شیعہ مذہب کی کتابیں جداگانہ حیثیت سے نہ تھیں۔ یہ چار کتابیں ہی تو متقدمین علمائے شیعہ کی معتمد علیہا تھیں۔ الکافی و کتاب الاستبصار و کتاب تہذیب و کتاب من لا یحضرہ الفقیہ بنی بویہ کے عہد کی ہیں۔ شیخ صدوق کی تقریباً تین سو تصانیف بتائی جاتی ہیں گویا عہد بویہی میں شیعہ مذہبی لٹریچر مرتب و مدون ہوا کتاب نہج البلاغہ بھی بنی بویہ ہی کے زمانہ امیر الامرائی کا

شاہکار ہے جس کا مختصراً ذکر آگے آتا ہے۔

تصنیف نہج البلاغۃ

مصنف اس کتاب کا صحیح طور سے متعین نہیں۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف نے ابوالحسن محمد بن حسین موسوی لقب الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ کو جن کا مختصر تذکرہ پچھلے اوراق میں آیا ہے مصنف اس کتاب کا بتایا ہے۔ ان کی مصنفہ آٹھ کتابوں کی تفصیل وله من التصانیف پیش کرتے ہوئے تیسرے نمبر پر کتاب نہج البلاغہ کا نام لکھا ہے[۱] بعض مورخین و مصنفین نے ان کے بڑے بھائی علی بن حسین موسوی لقب الشریف المرتضیٰ کو بھی اس کتاب کی تصنیف میں شریک بتایا ہے دوسرے مورخین مصنفین مثلاً مولفین وفیات الاعیان (ابن خلکان) و کشف الظنون نیز علامہ ابن کثیرؒ والذہبی نے شریف مرتضیٰ متوفی ۴۳۶ھ کو نہج البلاغہ کا مصنف کہا ہے شریف مرتضیٰ کو بھی اپنے چھوٹے بھائی کی طرح عربی ادبیات میں بلند پایہ حاصل تھا نیز یہ بڑے نحوی اور کٹر رافضی تھے۔ شیعہ مذہب کے اصول و فروع پر ان کی تصانیف بھی تھیں بقول علامہ ابن کثیرؒ ان کے کلام سے ابن جوزی نے وہ کلمات چھانٹ لئے تھے جو اجلۂ صحابہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ وغیرہم نیز امہات المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ و سیدہ حفصہؓ کی مذمت و تکفیر میں لکھے تھے ابن جوزی کی روایت سے ابوالقاسم بن برہان کا واقعہ بھی علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں شریف مرتضیٰ کے آخر وقت میں ان کے پاس تھا دیوار کی جانب ٹکٹکی باندھے کہہ رہے تھے لوگ کہتے ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ والی ہوئے عدل و انصاف سے کام لیا لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے میں کہتا ہوں یہ دونوں اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے (نعوذ باللہ) فاما اقول ارتدا بعد ما اسلما (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۵۳) ابوالقاسم کا یہ بھی قول ہے کہ یہ الفاظ سنتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا ڈیوڑھی تک پہنچا تھا کہ گریہ و بکا کا شور سنا اسی وقت دم توڑ دیا تھا۔

بعض محققین کی تحقیق میں شریف الرضی و شریف المرتضیٰ ہی تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں بلکہ چند فضلائے شیعہ کے مقالات کا مجموعہ ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ ہو حضرت موصوف کے بعض کلمات کو جمع کر کے اپنے مقالات میں شامل کر دیا ہے۔ علامہ الذہبی نے میزان

۱؎ سید مہدی بن سید جعفر الرضوی کاشی مؤلف کتاب تذکرۃ العلماء میں کہتے ہیں کہ کتاب نہج البلاغہ شریف الرضی کی تصنیف سے ہے۔

الاعتدال فی نقد الرجال میں شریف المرتضیٰ کا تعارف ان الفاظ سے کراتے ہوئے کہ "علی بن الحسین العلوی الحسینی الشریف المرتضیٰ المتکلم الرافضی معتزلی صاحب تصانیف" لکھا ہے کہ نہج البلاغہ کتاب انھوں نے ہی وضع کی تھی۔ مضامین کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

من طالع کتابہ نہج البلاغۃ جزم بانہ مکذوب علی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ففیہ السب الصراح والحط علی السیدین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما وفیہ من التناقض والاشیاء الرکیکۃ والعبارات التی من لہ معرفۃ بنفس القرشیین الصحابۃ وبنفس غیرہم ممن بعدہم من المتاخرین جزم بان اکثرہ باطل (ج صـ ۲۲۳)

ان کی (شریف مرتضیٰ کی) کتاب نہج البلاغہ کا جو کوئی مطالعہ کرے وہ یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر نہ رہے گا کہ یہ سب جھوٹ اور بہتان بر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ہے کیونکہ اس میں حضرت ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما جیسے معظمین کی صریح بدگوئی اور تنقیص ہے اور اس میں تناقض و رکیک باتیں اور عبارتیں ایسی ہیں کہ جس کو بھی قریشی صحابہ و ان کے بعد کے متاخرین (یعنی تابعین وغیرہ) کے افکار و ذہنیت سے واقفیت ہوگی وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کتاب کا اکثر حصہ باطل ہے۔

صاحب منہاج السنۃ النبویہ نے نہج البلاغہ پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اکثر الخطب التی ینقلہا صاحب نہج البلاغۃ کذب علی علیؓ وعلیؓ اجل واعلی قدرا من ان یتکلم ولکن ہولاء وضعوا اکاذیب وظنوا انہا مدح فلا ہی صدق ولا ہی مدح۔ (ج ۴ صـ ۱۵۹)

صاحب نہج البلاغہ نے جو خطبے درج کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر حضرت علیؓ پر بہتان ہیں اور حضرت علیؓ کی ذات اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس قسم کا کلام کر سکے جو اس کتاب میں ہے لیکن ان لوگوں نے تو اکاذیب وضع کر ڈالے اور سمجھا کہ یہ ان کی (علیؓ کی) مدح ہے مگر یہ باتیں نہ سچ ہیں اور نہ مدح۔

خطبوں اور تقریروں کے علاوہ مراسلات اور اقوال و حکم کا بیشتر حصہ وضعی و جعلی ہے خصوصاً حکم کے اقوال دوسروں کی جیب سے نکال کر اپنے ممدوح کی جیب میں ڈال دیے ہیں۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہماری دوسری کتاب میں تفصیلی گفتگو کی [illegible] تو ملاحظہ کر لیجیے کہ بغداد کے روافض کی جماعت نے جو بر [illegible] شریف الرضی و شریف المرتضیٰ کو [illegible] حاصل تھا ۔ بنی بویہ کی

سرپرستی میں یہ کتاب تصنیف کی جو حقیقت اور اصلیت کے اعتبار سے جیسا ابھی عرض کیا گیا ایک مجموعہ ہے غالی روافض کے مقالات کا جن میں انہوں نے اپنے مخصوص عقائد وافکار اور خیالات کو حضرت علیؓ کی زبان سے ادا کرایا ہے تاکہ حضرت علیؓ سے منسوب ہو کر اعتبار کا درجہ حاصل ہو لیکن بہت سی اندرونی شہادتیں خطبات کی زبان، اسلوب بیان اور ایسے معرب الفاظ کو جو بعد میں مولدہ کہلاتے ہیں اور تیسری چوتھی صدی ہجری میں کتب یونانی وغیرہ کے تراجم کی ضرورت سے وضع ہوئے تھے ایسی موجود ہیں جو ثابت اور مستحکم ثبوت ہیں اس امر کا کہ یہ کتاب بنی بویہ کی امیر الامرائی کے زمانہ چوتھی پانچویں صدی کے درمیان تصنیف ہوئی تھی اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً پھر اضافے ہوتے رہے البتہ جزو قلیل ان خطبات و مراسلات میں حضرت علیؓ کے فرمودات بھی شامل ہے جو دوسری کتب میں بھی پایا جاتا ہے لیکن بیشتر مواد اس کتاب کا محض وضعی ہے۔

بنی بویہ سے پہلے ایسی کوئی کتاب جس میں اکابر صحابہ و امہات المومنین کی بدگوئی کی گئی ہو منظر عام پر نہیں آسکتی تھی کیونکہ وہ زمانہ عباسی خلافت کی قوت کا زمانہ تھا آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ امیر المومنین المتوکل علی اللہ عباسیؒ کے عہد میں صحابہ و امہات المومنین کی اسائت ادب کرنے والا عبرتناک سزا پائے بغیر نہیں بچ سکتا تھا۔

اس کتاب کے مصنفین شریف الرضی و شریف المرتضیٰ اور دوسرے غالی روافض کی سکونت بغداد کے محلے الکرخ میں تھی کتب تاریخ میں خاص کر علامہ ابن کثیرؒ کی البدایۃ والنہایۃ میں ان فسادات کے تذکرے ہیں جو تقریباً ہر سال بغداد میں محلہ الکرخ کے غالی رافضیوں کے جارحانہ طرز عمل سے ہوتے رہتے تھے بنی بویہ کی حمایت نے انہیں دلیر کر دیا تھا کہ وہ صحابہ کی علی الاعلان بدگوئی کریں حتی کہ مہیار دیلمی شاعر جو مجوسی تھا اور تقولا تھی شریف الرضی کے حلقے میں بھی تھا وہ بھی اپنے آقا کی طرح غالی تھا سلک سبیل الرافضۃ (البدایۃ ج ۱۲ ص ۴۱) وہ بھی صحابہ کرامؓ کی بدگوئی کرنے لگا ابوالقاسم بن برہان نے اس پر اس سے کہا تھا مہیار! تم جہنم کے ایک کنارے سے ہٹ کر اسی کے دوسرے کنارے پر جا پہنچے کنت مجوسیا فاسلمت فصرت تسب الصحابۃ (ایضاً) یعنی تم مجوسی تھے اسلام لے آئے مگر پھر صحابہ کی بدگوئی کا ارتکاب کرنے لگے یہ شریف الرضی کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ یہ نو مسلم بھی سب صحابہ کا ارتکاب کرنے لگا۔

غرضیکہ سب و شتم صحابہ کی اس فضا میں اور بنی بویہ کی حمایت کے بھروسہ پر یہ کتاب مرتب و مدون ہوئی جو زمرہ غالی روافض کے دوسرے کاموں کی طرح بنی بویہ کے عہد کی یادگار ہے مگر اس کی شہرت زمانہ

تصنیف سے تقریباً دو صدی بعد اس وقت سے ہوئی جب آخری خلیفہ عباسی کے رافضی وزیر ابوطالب علقمی نے ابن ابی الحدید[1] سے شرح لکھوائی۔

فروغ رفض کے کارنامے

المختصر رافضی امیر الامراء آل بویہ کے زمانہ اقتدار میں جس کی مدت ان کے منصب امیر الامرائی کے خاتمہ تک جو ۳۳۴ھ میں ہوا تھا تقریباً ایک صدی سے قدرے زائد ہوتی ہے فروغ رفض کے حسب ذیل کارنامے انجام پائے جن کی تفصیلات پچھلے اوراق میں پیش کی گئی ہیں:۔

۱۔ ماتم حسین کی ابتداء سنہ ۳۵۲ھ میں۔

۲۔ عید غدیر کی ابتداء سنہ ۳۵۲ھ میں۔

۳۔ مشہد علی کی تعمیر سنہ ۳۶۹ھ میں۔

۴۔ مشہد حسین کی تعمیر سنہ میں۔

۵۔ تصنیف نہج البلاغہ

۶۔ تدوین کتب مذہب شیعہ۔

۷۔ سب صحابہ بالاعلان۔

۸۔ اذان میں شیعوں کے مخصوص فقرات کا شمول۔

۹۔ سنہ [illegible]ھ میں عراقی حاجیوں کے قافلہ سالار اور امیر حج کے منصب پر ایک شیعہ کا تقرر۔

۱۰۔ لقب الشریف مصنف نہج البلاغہ کو سرکاری طور سے عطا ہونا۔

الشریف بطور لقب خاندانی

بنی ہاشم کے ناموں کے ساتھ عباسی ہوں یا علوی و عقیلی و جعفری یا حارثی الشریف کا اطلاق اور استعمال خاندانی

---

[1] ابن ابی الحدید کا نام و سلسلہ نسب یہ ہے: ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید۔ مسلکاً معتزلی شیعہ [illegible]ھ میں بمقام المدائن پیدا ہوئے تھے۔ اپنے زمانے کے موجودہ اکثر علوم میں تبحر کامل رکھتے تھے، عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ متوفی [illegible]ھ کے عہد میں دیوان الرسائل میں مقرر ہوا اور پھر (؟) خلیفہ المستعصم باللہ عباسی متوفی [illegible]ھ کے زمانہ میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر ابن العلقمی وزیر علقمی کی شرح لکھنے میں منہمک ہو گئے [illegible]ھ میں وفات ہوئی۔ بیس جلدوں میں شرح ہے جس کے بیشتر حصہ میں انہوں نے مضامین کتاب کو طوالت کے ساتھ حالات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کلام حضرت علی کا ہے۔ علقمی نے تکمیل کتاب پر ایک ہزار دینار طلائی اور بیش بہا تحائف و خلعت فاخرہ بطور انعام دیے تھے۔ وہ وزیر تھا جس کی سازش و غداری سے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے اسلامی خلافت کو برباد کیا۔ ہلاکو خان جس نے بطور رفض کے اندھے جذبے میں کشت و خون اور غارت گری سے اسلامی خلافت اور مدینۃ السلام بغداد کو تباہ کر دیا تھا۔

لقب بطور سے بنی بویہ کے زمانہ سے قبل بالفاظ دیگر چوتھی پانچویں صدی سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا قریشی اور غیر قریشی تمام قبائل کے افراد شریف واشراف کہلاتے تھے۔ سب سے پہلے یہ لقب بہاء الدولہ نے ۳۸۸ھ میں مصنف نہج البلاغہ کو سرکاری طور سے عطا کیا تھا۔ چنانچہ یہ لقب نہ صرف ان کے نام کا جزو لاینفک ہو گیا بلکہ اہل خاندان اور دوسرے بنی ہاشم کے ناموں کے ساتھ بھی پانچویں صدی ہجری سے بطور لقب خاندانی استعمال ہونے لگا۔ تخصیص لقب کی حقیقت بھی صرف یہ ہے کہ ایک شیعہ حاکم نے شمائل ذاتی وکسبی کے اعتراف کے علاوہ حسن خدمات کے صلہ میں جو فرض رفض وشیعیت کے سلسلہ میں بنی بویہ کی سرپرستی وحمایت میں مصنف نہج البلاغہ نے انجام دی تھیں دیگر خطابات کے علاوہ اس عرفی لقب الشریف کو بھی با اظہار علوئے حسب ونسب ان سے مخصوص کیا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر ان حضرت شریف ابو احمد حسین موسوی اور ان کے دونوں نامور فرزندان شریف الرضی شریف المرتضی کا تعارف مزید کرا دیا جائے۔

یہ ابو احمد حسین موسوی چونکہ امامیہ کے ساتویں امام جناب موسی کی نسل سے تھے اس لئے موسوی کہلاتے تھے۔ مولد ومنشاء ان کا بصرہ تھا (عمدۃ الطالب ص۱۹۰) بصرے میں ان کا خاندان چند پشت سے مسکن گزین تھا بصرہ وبغداد اور دوسرے مقامات پر جہاں کہیں اس خاندان کے لوگ آباد رہے اپنے جد اعلیٰ کے نام کی نسبت سے حسب تصریح شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب۔ "موسوی یا موسویون" ہی کہلاتے تھے (ص۱۸۷ وص۱۹۹) چنانچہ اسی شہر بصرے میں جناب موسی[1] بن جعفر الصادق) کا کچھ عرصہ قیام سیاسی نظربند کی حیثیت سے رہا تھا۔ ان کے ایک بھائی بزرگوار تھے جنہوں نے جناب زید بن علی بن الحسین کے ناکام خروج سے تقریباً نصف صدی بعد سیاسیات وقتی میں علانیہ دلچسپی لی تھی۔ امیر المومنین محمد المہدی عباسی کے زمانہ میں انہیں بغداد طلب کیا گیا تھا۔ لیکن بقول شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب (ص۲۲۳) جب ان ہی کے بھتیجے محمد بن[2] اسمعیل بن جعفر الصادق نے ان کی مخبری امیر المومنین ہارون الرشید سے ایک حج کے موقع پر کردی اور

---

[1] ان کے زمانے بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تک جناب موسی کا مشہور لقب "الکاظم" اختراع نہیں ہوا تھا ورنہ وہ اور ان کے دوسرے اہل خاندان کاظمی کہلاتے نہ موسوی۔

[2] شیعہ مؤلف نے صراحتاً لکھا ہے کہ کان محمد بن اسمعیل بن الصادق مع عمه موسی الکاظم یکتب له فی السر الی شیعته فی الآفاق (ص۲۲۳) یعنی محمد بن اسمعیل بن الصادق اپنے چچا موسی الکاظم کے خطوط ومراسلات لکھا کرتے تھے جو وہ خفیہ طور سے ہر جگہ کے اپنے منسوبین سے کرتے رہتے تھے۔

ان کی خفیہ مراسلت اور خط و کتابت کے وہ سب راز ظاہر کر دیئے جو وہ اپنے سیاسی طرفداروں سے کیا کرتے تھے خلیفہ موصوف سفر حجاز کی واپسی میں انھیں اپنے ساتھ لیتے گئے اور گورنر بصرہ عیسیٰ بن جعفر عباسی کی نگرانی میں رہنے کا حکم دیدیا تاکہ ان کے طرفداروں سے کوئی رابطہ ان کا انقلاب حکومت کے کسی اقدام کے سلسلہ میں قائم نہ ہوسکے پھر کچھ عرصہ بعد اسی مقصد سے بغداد میں نظر بند رکھا گیا وقت وفات پچپن برس کی عمر تھی ساٹھ اور دریاں تھیں۔ ۲۰ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے ان ۲۳ بیٹوں میں پانچ لاولد تھے تین کے اولاد ذکور نہ تھی اور دوسرے پانچ بھی منقرض رہے۔ صرف دس بیٹوں سے نسل چلی۔ اس نسل میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا جذبہ متوارث رہا جناب موسیٰؑ کے متعدد فرزندوں نے سیاسی خروجوں اور بغاوتوں میں عملاً حصہ لیا تھا۔ ان میں ایک زید النار بن موسیٰؑ تھے جنھوں نے بصرے پر چند روزہ تسلط کے ایام میں بقول ہشیمہ مؤلف عمدۃ الطالب عباسیوں کے مکانات باغات اور ان کے کل اسباب و متاع کو جلوا ڈالا تھا اسی لئے زید النار کہلائے گرفتار ہو کر خلیفہ مامون الرشید کے حضور میں پیش ہوئے مامون نے اپنے ولیعہد ولداور ان کے بھائی جناب علی الرضا کے پاس بھیجدیا مگر ان کو زید النار کی حرکات سے اتنی ناگواری ہوئی کہ مدت العمر ان سے کلام نہ کیا (ص ۲۱۴) دوسرے ابراہیم بن موسیٰؑ تھے جو سفاکانہ قتل و غارت گری کی وجہ سے الجزار (قصاب) کہلائے ہیں۔

یقال له الجزار لکثرۃ قتل من اھل یمن واخذ اموالھم۔
(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۲۴۹)

ان کو (ابراہیم بن موسیٰ کو) یوجہ یمانیین کو کثرت سے قتل کرنے اور ان کے اموال لوٹ لینے سے قصاب کہتے تھے۔

یہ واقعہ ۱۹۹ھ کا ہے جب ابو السرایا ایک مفسد لٹیرے نے بصرے میں فوجی جمعیت اکٹھی کر کے ابن ابراہیم کو یمن بھیجا تھا علامہ شبلیؒ نے خلیفہ مامون الرشیدؒ کے عہد کی ان بغاوتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علوی حضرات نے اپنے چند روزہ حکومت میں جو جو ظلم اور زیادتیاں کیں ان کے بیان کو ایک دفتر چاہیئے زید فرزند موسیٰ (الکاظم) نے بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سیکڑوں خاندان تباہ کر ڈالے عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلا دیئے حسین ابن الحسن نے مکہ معظمہ کا قیمتی خزانہ لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر (الصادق) کی حکومت میں جو چند روز کے لئے حجاز کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علویین و آل فاطمہ کا وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس نہ رہا۔ ابراہیم بن موسیٰ ... فاطمہ ... کے ... ہ ... ان کا ... ف ...

نہایت گری کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون (الرشید) نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہو کر مامون (الرشید) کے پاس حاضر کیے گئے مگر انھوں نے نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا (المسعودی)

ان ہی ابراہیم الجزار کی اولاد میں تین واسطوں سے ابو احمد حسین والد شریف الرضی و شریف المرتضیٰ تھے بایں طریق ابو احمد حسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم الجزار بن موسیٰ الکاظم) یہ تین بھائی تھے ابو احمد حسین وابو الحسن اور ابو عبداللہ احمد۔ بنی بویہ کے شروع زمانہ امیر الامرائی میں بصرہ کی سکونت چھوڑ کر یہ خاندان بغداد میں مسکن گزین ہوا۔ ابو احمد حسین میں بقول شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب خاندانی عصبیت کا مادہ بہت تھا۔ کان شدید العصبیۃ (ص ۱۹۰) چنانچہ معز الدولہ بن بویہ دیلمی نے ۳۵۴ھ میں انھیں طالبی خاندان کا نقیب (مکھیا) مقرر کیا اس وقت تک طالبیوں اور عباسیوں کے جداگانہ نقیب نہیں ہوتے تھے یہ تفریق ان ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ نقابت کے علاوہ عراقی حاجیوں کے قافلہ سالار کا اور امیر حج کا منصب بھی دیا گیا۔ جو ان کے بعد ان کے بیٹوں کو بھی ملا۔ عضد الدولہ نے کسی الزام سے انھیں برطرف کر دیا تھا لیکن بہاء الدولہ نے بحال کیا۔ بہاء الدولہ کے یہاں انھیں تقرب حاصل تھا ۳۸۱ھ میں جب امیر المومنین القادر باللہ عباسی نے بہاء الدولہ کی دختر سکینہ کو حبالۂ عقد میں لیا یہی ابو احمد حسین موسوی بہاء الدولہ کے وکیل تھے ۳۹۴ھ میں لقب الطاہر ذو المناقب بھی انھیں عطا ہوئے اور قاضی القضات کے عہدے پر تقرر کرنا چاہا مگر امیر المومنین نے منظور نہ کیا۔

ولاہ بہاء الدولۃ قضاء القضاۃ مضافاً الی النقابۃ فلم یمکنہ القادر باللہ۔ (عمدۃ الطالب ص ۱۹۰)

بہاء الدولہ نے ان کو نقابت کے علاوہ قاضی القضاۃ مقرر کیا مگر (خلیفہ) القادر باللہ نے منظوری نہ دی۔

۴۰۰ھ میں بعمر ۹۷ سال فوت ہوئے۔ شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ اپنے گھر کے اندر دفن ہوئے پھر ان کی میت کو مشہد حسین میں منتقل کر دیا گیا۔ فدفن عند قبرہ قریباً من قبر الحسین (ص ۱۹۱) یعنی وہاں قبر حسین کے پاس ہی دفن ہوئے۔ گویا اس وقت تک قبر حسین کے پاس اہل خاندان میں سے کسی اور کی تدفین نہیں ہوئی تھی۔ یہی سب سے پہلے ان کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ غرضیکہ شریف الرضی و شریف المرتضیٰ کے والد ابو احمد حسین موسوی کا خطاب و لقب الطاہر ذو المناقب تھا الشریف سے ملقب نہ تھے۔ کتاب

انساب الاشراف بلاذری کے مشہور مقالہ "الاستشراف" میں مقالہ نگار لکھتے ہیں:۔

ابن الحسین بن موسیٰ بن محمد وھو والد الشریف الرضی والشریف المرتضیٰ وکان (۳۰۴ — ۴۰۰ھ) لم یطلق علیہ لقب الشریف وکل ما لقبوہ بہ ھو الطاھر ذوالمناقب۔

حسین بن موسیٰ بن محمد جو شریف رضی و شریف الرضیٰ کے والد تھے اور جن کا زمانہ (۳۰۴ — ۴۰۰ھ) کا تھا لقب الشریف کا اطلاق نہ ہوتا تھا وہ جس لقب سے ملقب تھے وہ صرف "الطاہر ذوالمناقب" ہی تھا۔

جیسا کہ بیان ہوا شریف و اشراف الفاظ بغیر تخصیص سب ہی قبائل عرب کے افراد کے لیے مستعمل تھے طبقات السبکی میں حضرت عمر الفاروق کی ذریت میں سے ایک صاحب کے تذکرہ میں الشریف العمری کہا گیا ہے اسی طرح خود ہاشمی خاندان کے افراد کے ذکر میں شریف و اشراف الفاظ عام معنی میں مستعمل تھے نہ بطور مخصوص خاندانی لقب کے مؤلف سیرۃ الحلبیہ جناب علی السجاد بن عبداللہ بن عباسؓ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

ورایت علیا ھذا جد الخلفاء العباسیین کان علی غایۃ من العبادۃ والزھادۃ والعلم والعمل وحسن الشکل حتیٰ قیل انہ کان اجمل قریشی علی وجہ الارض وکان یصلی فی کل لیلۃ الف رکعت ولذلک کان یدعی السجاد (مطبوعہ مصر ص۲۳)

اور ان علی کو جو خلفائے عباسی کے جد تھے دیکھا گیا کہ وہ عبادت و زہد و علم و عمل اور حسن شکل میں غایت درجہ کے تھے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وہ دنیا کے پردے پر سب سے زیادہ خوبصورت "قریشی" تھے رات بھر میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے اور اس وجہ سے السجاد کہلاتے تھے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں شریف سے مراد ایک معزز قریشیؓ ہاشمی سے ہے اور یہی لفظ شریف و اشراف بلاذری الہ ابن ولید جبرہؒ کی تالیفات میں ان قبائل عرب کے افراد کے لیے بکثرت مستعمل ہوئے ہیں جو قریشی بھی نہ تھے مثلاً کتاب انساب الاشراف بلاذری میں بنی عوف بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم بن مر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کے ایک شخص کا واقعہ بیان ہوا جو قریش کے کسی بھی قبیلے سے نہ تھا محض عرب تھا اسے بھی شریف کہا گیا ہے چونکہ وہ اپنے قبیلہ کا معزز شخص تھا حضرت عمرؓ نے اس کے لیے بھی دیگر اشراف کے ساتھ ڈھائی ہزار درہم وظیفہ مقرر کی تھی۔ انساب الاشراف کی عبارت ہے:۔

فقال لہ عتاب بن علاق احد بنی عوف بن سعد وکان شریفاً ...... وکان عمر بن الخطاب فرض لعتاب هذا مع الاشراف فی الفین وخمسمائۃ (کتاب انساب الاشراف بلاذری ج ۲ ص ۲۲)

عتاب بن علاق نے جو بنی عوف بن سعد کے ایک فرد تھے اور شریف تھے ان سے کہا ..... حضرت عمر بن الخطاب نے ابن عتاب کے لئے بھی دوسرے اشراف کے ساتھ ڈھائی ہزار کا وظیفہ مقرر کیا۔

قبائل عرب کے سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کو رقوم وظائف کے علاوہ پارچات خلعت بھی عطا ہوتے تھے ایسے سب اشخاص اشراف کہلاتے تھے خواہ وہ عرب کے کسی قبیلے سے ہوں جنہیں بیت المال سے انہیں دو ڈھائی ہزار کا وظیفہ ملتا ہو چنانچہ بلاذری نے ایک معرکہ میں ایسے اشراف کے مقتول ہو جانے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وقتل الضحاک معہ من الاشراف ثمانون کلھم یاخذ العطیفہ کان لکل منھم فی العطا الفان وقطیفۃ یعطونہا مع عطائھم۔ (مقاتل الاشراف ج ۲۳ ص ۱)

ضحاک قتل ہوئے اور ان کے ساتھ اسّی اشراف بھی قتل ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کو پارچات خلعت عطا ہوتے اور ہر ایک کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ وظیفے کے ساتھ پارچات خلعت بھی عطا ہوتے تھے۔

تصریحات بالا سے بخوبی ثابت ہے کہ شریف و اشراف کسی خاص خاندان سے مخصوص نہ تھے ۔ کسی خاندان کو لقب کے طور سے مخصوص کرنے کی بدعت بہار الدولہ بویہی کے زمانے سے بغداد میں شروع ہوئی اپنے امام جعفر کے پوتوں پر پوتوں اور دوسرے حسینی نسب اشخاص کو اس نے خلعت مناصب وخطاب اور عطیات دئے۔ ابو احمد حسین موسوی کی اولاد میں صرف دو بیٹے تھے ایک علی تھے اور چھوٹے محمد۔ علی کو ۳۸۸ھ میں المرتضیٰ ذوالمجدین خطاب دیا اور محمد کو الرضی ذوالحسبین پھر پانچ سال بعد ۳۹۳ھ میں لقب الشریف سرکاری طور سے عطا کیا گیا چنانچہ اسی لقب سے

۱ھ شریف الرضی و شریف المرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت حسن صاحب عسکرتی العلوی بن حسن الناصر تھیں یا سلسلے سے عمر بن علی بن شریف (زین العابدین) کی نسل سے تھے۔

۲ھ بویہی خاندان کے حکمران خلفا میں ابی بویہ کے متوسل رہے۔ ابو احمد حسین موسوی کے جوم میں ... ابو طالب بن علی بن محمد تھے جو بہار الدولہ کے نقیب تھے اور ان کے بڑے بھائی محسن کی اولاد میں ابراہیم بن حسن بن علی بن حسن مذکور کو بہار الدولہ کے فرزند نے شرف الدولہ نے بھی ... تقرب حاصل تھا نقابت الطالبین کا ... دیا تھا۔ شریف الرضی کی نسل تو ایک دو پشت کے بعد ختم ہو گئی شریف المرتضیٰ کے ولد و خاندان بغداد ... (... ص ۱۴۲)

ملقب ہو کر یہ دونوں بھائی اپنے ناموں کے بجائے الشریف المرتضیٰ والشریف الرضی ہی کہلانے لگے۔ اسی بدعت کی تقلید میں دوسرے عباسی اور ہاشمی فضلا اور شعراء کے ناموں کے ساتھ الشریف کا رواج اسی پانچویں صدی سے شروع ہوا۔ ڈاکٹر عبداللہ اپنے مقالہ "الاشراف" میں لکھتے ہیں کہ :-

ولقد جاء في كتب التراجم من لقب من العباسيين بالشريف فمن ذلك الشريف البياضي مسعود بن عبد العزيز ابو ابن الحسين (توفي سنة ۴۶۸ھ) وابن الهبارية محمد بن محمد بن صالح (توفي ۵۰۹ھ) كان يلقب بالشريف العباسي وهذان ينتهي نسبهما الى عبد الله بن العباس (ص[illegible])

کتب تذکرہ میں ان عباسیوں کا تذکرہ ملتا ہے جو لقب الشریف سے ملقب تھے ان میں سے الشریف البیاضی مسعود عبدالعزیز یا ابن الحسین متوفی ۴۶۸ھ اور ابن الہباریہ محمد بن محمد بن صالح متوفی ۵۰۹ھ تھے یہ حضرات الشریف العباسی سے ملقب تھے اور ان کا سلسلہ حضرت عبداللہ بن العباسؓ پر منتہی ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں جو دو مثالیں عباسی شعراء و فضلاء کے ناموں کی پیش کی ہیں کتب تراجم و تذکرہ اور تاریخ میں عباسی علماء و فقہاء و محدثین و مصنفین وغیرہ کے اسماء کی بکثرت مثالیں ملتی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۸) کے علویوں میں سب سے زیادہ متمول تھے اور بقول صاحب عمدۃ الطالب کان سبب الفتنۃ بین العلویین والعباسیین (ص۲۴۹) یعنی علویوں اور عباسیوں کے مابین دینی فتنہ برپا ہونے کے باعث تھے۔

ا؎ صاحب وفیات (ابن خلکان) لکھتے ہیں کہ وہ متاخرین شعرائے عرب کے بلند پایہ شاعر تھے ان کے دیوان کے شروع میں ان کا نام و نسب اس طرح تحریر ہے "الشریف ابو جعفر مسعود بن الحسن بن عبدالوہاب بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبیداللہ بن العباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم القرشی الہاشمی"

۲؎ ان کے بارے میں بھی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مشہور شاعر تھے نام و نسب اس طرح لکھا ہے الشریف ابو یعلیٰ محمد بن محمد بن صالح بن حمزہ بن عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب معروف بابن الہباریہ ملقب نظام الدین البغدادی ان کے جد ورثیں محمد بن عیسیٰ متوفی ۲۲۶ھ سفید لباس پہنکر دربار خلافت میں چلے آتے تھے لوگ البیاضی کہنے لگے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ ان کا دیوان شعر بہت ضخیم ہے چار جلد پر مشتمل وفات ان کی کرمان میں ہوئی تھی۔ ان کی ایک تصنیف نتائج المعانی بھی تھی۔ قبیلہ ہباریہ کی خاتون کے بطن سے تھے اس لئے ابن الہباریہ کہلاتے تھے۔

ہیں جو سب پانچویں صدی ہجری کا اور اس کے بعد کی ہیں۔ علامہ ذہبی کے علاوہ علامہ ابن کثیر کی مبسوط تاریخ میں بھی عباسی اکابر کے تذکرے میں شرافت کا استعمال پانچویں صدی ہجری کے واقعات کے ضمن میں ہی ملتا ہے اس سے پہلے نہیں مثلاً [illegible] کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ۔

الشریف ابوجعفر عبدالخالق بن ابی موسیٰ عیسیٰ بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن العباس عبدالمطلب کی وفات ہوئی جو الشریف ابوجعفر الحنبلی العباسی سے معروف تھے ان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

کان احد الفقہاء والعلماء العباد الزہاد المشہورین بالدیانۃ والفضل والعبادۃ والقیام فی اللہ بالامر بالمعروف والنہی عن المنکر لا یاخذہ فی اللہ لومۃ لائم الی آخرہ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۱۱۹)

وہ ان عابد و زاہد علماء و فقہاء میں سے تھے جو دیانت و فضل اور عبادت میں اور نیک باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے کا اللہ واسطے کام کرنے میں مشہور رہے اور اللہ کے کام میں بدگویوں کی بدگوئی کا لحاظ نہیں کرتے۔

ان کے بیٹے الشریف عماد الدین العباسی تھے جن کے متعلق خطیب بغدادی لکھتے ہیں "کان اماماً عالماً بالفروع" مدرسہ شریفیہ میں مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد سے ہاشمی خاندان کی ان دونوں شاخوں علویوں اور عباسیوں کے ناموں کے ساتھ الشریف بطور لقب خاندانی بالعموم مستعمل ہونے لگا تھا۔ بیجاپور کے دارالعلوم نظامیہ میں مشہور شافعی فقیہ شرف شاہ عباسی متوفی [illegible]ھ استاذ تھے اور اعلیٰ پایہ مصنف بھی شافعی مسلک پر ان کی مشہور تصنیف بھی ہے وہ الشریف شرف شاہ عباسی کہلاتے تھے۔ اس زمانہ کے پانسو سال بعد حجاز و عرب سے باہر بھی ہاشمی افراد کے لئے یہ لقب مستعمل تھا الشریف محمد بن عبدالغنی عباسی متوفی [illegible]ھ جنہوں نے کتاب رشحات عین الحیات کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا مقام ازنیک کے قاضی تھے وہ الشریف سے ملقب تھے (کشف الظنون ج ص ۹۰۵) یہ چند مثالیں تو عباسی علماء و فضلاء کے اسماء کی پیش ہوئیں جعفری و عقیلی اشخاص بھی پانچویں صدی ہجری سے الشریف لقب سے ملقب ہوئے اس سے قبل کبھی نہیں لہٰذا علامہ سیوطی کا یہ قول حقیقت سے قطعاً بعید ہے کہ لقب شریف کا اطلاق صدر اول میں بالفاظ دیگر پہلی صدی ہجری میں ہاشمی خاندان کے افراد

پر ہوتا تھا خواہ عباسی ہوں یا جعفری و عقیلی، حسنی و حسینی ہوں یا دیگر اولاد علی رضی بن ابی طالب سے ہوں۔ گذشتہ اوراق میں جو تصریحات پیش کی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے قارئین کو واضح ہوگا کہ شریف و اشریف لقب جو قریش و دیگر قبائل عرب کے سب ہی ممتاز افراد کے لئے بالعموم مستعمل ہوتا رہا صرف ہاشمیوں سے اس کے مخصوص و مختص کئے جانے کی بدعت رافضی امیر الامراء بغداد یعنی بنی بویہ کے زمانے سے شروع ہوئی اور فروغ رفض و شیعیت کی پیدا کردہ تفرقہ مذاقی کی اس فضا میں شروع ہوئی جس کے تفصیلی حالات آپ ابھی پڑھ چکے ہیں ان سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ جاہلی عرب جو نسبی فخر کے خوگر تھے اپنے اپنے قبیلہ سے انتساب ہی کو باعث صد ناز و افتخار سمجھتے تھے اسلام نے نسب کے فخر و مباہات کو مٹا دیا تھا۔ عہد رسالت میں تقوی نے فخر بالآباء و حمیۃ جاہلیہ کی جگہ لے لی تھی عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں بھی یہ حالت قائم رہی اس کے بعد سے سیاسی کشمکش کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت لحمی و قرابت نسبی کی باتیں ہونے لگیں اور اسی کو قرابت روحانی کے بجائے وجہ امتیاز بتایا جانے لگا خصوصاً اس وقت سے جب حضرت علی رضی کو اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت حسین رضی کو اپنے شیعوں کے سیاسی موقف کی بدولت ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا پھر ان کے پوتے پروتے جناب زید اور یحییٰ بن زید مذکور کے خروجوں اور بغاوتوں کے نتائج بد سے بنی ہاشم کے سیاسی وقار کو صدمہ پہنچا تھا اس کی تلافی کے طور سے شیعان بنی ہاشم نے اپنے سیاسی حریفوں کی مذمت و منقصت میں اور اپنے فریق کی نسبی و حسبی برتری اور امامت کی دینی و دنیاوی قیادت پر بلحاظ اسد ان کے حق و احقاق کے بارے میں صدہا حدیثیں وضع کیں حتیٰ کہ عباسی خلافت کے قائم ہونے کے متعلق مشرق سے کالے جھنڈوں کے ساتھ لشکروں کے آنے کی پیش گوئیاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ عباسی خلافت کے قائم ہونے کے بعد سے ہاشمی خاندان کے تفوق و برتری کے سلسلے میں شریعت سے بھی مدد لی گئی "نقابۃ الہاشمیین" کا محکمہ و ادارہ قائم ہوا جس کا مختصر ذکر اس موقع پر ضروری ہے۔

نقیب بنی ہاشم

اموی عہد خلافت میں تقسیم وظائف و ارزاق کا یہ دستور تھا کہ قریش و انصار وغیرہ کے معزز و سربرآوردہ شخص کے ذریعہ جسے "عریف" یعنی مکھیا کہتے تھے یہ رقوم و ارزاق تقسیم کئے جاتے تھے۔ عریف اپنے قبیلہ و خاندان کے ان سب حالات سے کما حقہ واقف ہوتا تھا کہ کون حیات ہے کون فوت ہو گیا، کون موجود ہے

دور کون غائب - فکان لکل قبیلۃ عریفٌ یلقن اعطیتھم ویبلّغھا الیھم (کتاب نسب قریش صفحہ ۱۵۳) یعنی ہر قبیلہ کا عریف (نگھیا) ہوتا تھا جو ان کے عطیات وصول کرتا اور انھیں پہنچا دیتا[1]

عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں یہی دستور قائم رہا۔ بنی ہاشم کو بھی دوسرے قریشی و انصاری خاندانوں کی طرح بغیر کسی ترجیح کے وظائف دیے جاتے تھے۔ امیر المومنین ابو العباس عبد اللہ السفاحؒ - اول خلفاء بنی العباس کے ابتدائے عہد خلافت کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ کے پوتے عبد اللہ بن حسن مثنیٰ قرآن شریف بغل میں دبا کر دربار خلیفہ میں ایسے وقت پہنچے کہ اکابر بنی ہاشم و اعیان مملکت موجود تھے اور پہنچتے ہی کہنے لگے۔

یا امیر المومنین اعطنا حقنا الذی جعل اللہ لنا فی ھذا المصحف	اے امیر المومنین! ہمیں ہمارا وہ حق دلوایئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مصحف میں دیا ہے۔

عبد اللہ بن حسن مثنیٰ کا اشارہ سہم ذوی القربیٰ یعنی خمس کے متعلق تھا جس کے بارے میں گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنے ایام میں بنی ہاشم کو خمس نہیں دیا تھا خلفائے ثلاثہ کے طریق کا اتباع کیا تھا اور یہی مسلک پہلے تین عباسی خلفا کا بھی رہا۔ چنانچہ امیر المومنین عبد اللہ السفاحؒ نے عبد اللہ مذکور کے سوال کا برجستہ جواب دیا۔

إن جدك عليًّا كان خيرًا مني واعدل وقد ولي هذا الامر فاعطى جديك الحسن والحسين وكانا خيرًا منك شيئًا وقد اعطيتكه وزدتك عليه۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ صفحہ ۵۳)	تمہارے جد بزرگ حضرت علیؓ نے جو مجھ سے بہتر اور زیادہ عدل کرنے والے تھے جب وہ خلافت پر فائز ہوئے تو کیا انھوں نے تمہارے دادا حسن اور حسین کو جو تم سے زیادہ بہتر تھے اس سے کچھ زیادہ عطا کیا تھا جو تمہیں دیا جاتا ہے۔

---

[1] بعض اوقات غائب یا مردہ لوگوں کے وظائف و ارزاق بھی یہ نگھیا وصول کر لیتے تھے اس کے سد باب کے لیے امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے عاصم بن ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ کو اہل مدینہ کے وظائف و ارزاق تقسیم کرنے بھیجا۔ ہدایت کی تھی کہ اپنے ہاتھ سے مستحقین کو دیں اور تحقیق کریں کون زندہ ہے کون مر گیا۔ بعض کو یہ تحقیقات ناگوار ہوئی۔ حضرت حسینؓ و عبد اللہ بن زبیرؓ وغیرہ نے عاصم سے پوچھا کیسے تقسیم کروگے؟ فرمایا امیر المومنین کا حکم ہے کہ غائب کے بجائے حاضر کو دوں اور مردہ کے بجائے زندہ کو اور سب کو اپنے ہاتھ سے دوں۔ اس پر ان حضرات نے دریافت کیا تو آپ کو بھی اسی طرح دو گے۔ جواب اثبات میں پاکر حضرات برافروختہ ہوگئے۔ بعض لوگوں نے عاصم پر حملہ کیا وہ جان بچانے کو کسی ایک کے گھر میں جا چھپے۔ حضرت حسینؓ و ابن الزبیرؓ نے یہ رقوم اپنے ہاتھ سے تقسیم کردیں۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۳)

عبداللہ اس جواب پر ششدر رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصورؒ کے زمانے میں بھی تقسیم وظائف میں بنی ہاشم کے ساتھ نہ امتیازی سلوک برتا جاتا تھا اور نہ ان کو دوسروں پر کوئی فوقیت تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اسمٰعیل الفہری کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر المنصورؒ نے عرفہ کے دن اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں تم لوگوں پر سیاست کرتا ہوں، اس کے مال پر اس کا خزانچی ہوں اور اسی کے حکم کے مطابق وظائف و ارزاق تقسیم کرتا ہوں پھر لوگوں سے کہا:-

فاسمعوا ایها الناس! وسلوا الله فی هذا الیوم الشریف الذی وهب لکم فیه من فضله ما اعلمکم به فی کتابه اذ یقول الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ ان یوفقنی للصواب ویسددنی للرشاد ویلهمنی الرأفة بکم والاحسان الیکم ویفتحنی لاعطائکم وقسم ارزاقکم بالعدل انه سمیع مجیب۔

(البدایة والنهایة ج ۱۰ ص ۱۲۳)

لہٰذا اے لوگو! آج - اس مبارک دن (یوم عرفہ) میں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ شرف تمہیں عطا کیا جیسا اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا ہے کہ "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے پسند کر لیا (تمہارا) اسلام دین" تو اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کرو کہ مجھے سیدھا چلائے اور ہدایت نیک کی توفیق دے اور تمہارے ساتھ رافت و مہربانی کرنے کا جذبہ میرے دل میں ڈالے اور تمہارے عطیات و ارزاق عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے کا خوگر بنائے کیونکہ وہ ہی سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

چنانچہ امیر المومنین موصوف بھی تقسیم وظائف و ارزاق میں خلفائے راشدین ہی کے طرز عمل کے متبع رہے تھے، بنی ہاشم کو کسی کے اموال میں ترجیح نہ دی۔ وہ کسی ذی شخص کے معاملے میں عدل و انصاف سے تجاوز نہ کرتے[1]۔ خطیب بغدادی ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:-

---

[1] مشہور مورخ جسٹس امیر علی بھی لکھتے ہیں کہ خلیفہ المنصورؒ نے اپنے عمال سے اپنی رعایا کے لئے بے دریغ مثالی انتظام کی کسوٹی بنائے انصاف کا جو حکم دیتے کی بجا ضرورت پوری پوری اطاعت کی جائے۔ چند ساربانوں نے جن کے اونٹ خلیفہ نے کرایہ پر لئے تھے جب مدینہ کے قاضی کے ہاں دعویٰ کیا اور قاضی نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۵ پر)

وکان محمد عدلاً [illegible] صلاۃ [illegible] فقہ [illegible]

تاریخ خطیب بغدادی [illegible] یعنی ابو جعفر المنصور [illegible] عالم [illegible]

[illegible] وفات پائی۔ آپ کے فرزند [illegible] ابراہیم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حنیفہ [illegible]

[illegible] جعفر المنصور [illegible]

[illegible]

حدیث [illegible] الموطا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] المنصور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] المنصور [illegible]

[illegible] روایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حدیث [illegible]

[illegible] حدیث سیکھنے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۵ پر)

نقد اور ملبوسات باشندگان حرمین شریفین کو عطا کئے لیکن تقسیم وظائف و ارزاق میں کوئی خاص ترجیح بنی ہاشم کو نہیں دی۔ ان کے نامور فرزند خلیفہ ہارون الرشیدؒ نے البتہ اپنی خلافت کے پہلے سال سنہ ۱۷۰ھ میں ہاشمیوں کو اموال خمس کے حصے مساوی تقسیم کیے جانے کا حکم دیدیا۔

وفیہا (۱۷۰ھ) امر الرشید بسہم ذوی القربیٰ ان یقسم بین بنی ہاشم علی السواء (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۱۶۰)

اور اس سال یعنی ۱۷۰ھ میں (ہارون) الرشیدؒ نے حکم دیا کہ ذوی القربیٰ کے حصے (خمس) کو بنی ہاشم کے درمیان مساوی طور سے تقسیم کیا جائے۔

مورخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ تقسیم خمس کسی خاص محکمے کے ذریعہ کی گئی تھی اور آیا اسی زمانے میں نقابتہ الہاشمیین کی بنیاد پڑ گئی تھی مسلمہ تاریخ طبری میں سب سے پہلے بنی ہاشم کے جس نقیب کا ذکر ملتا ہے وہ احمد بن عبدالصمد بن علی ہاشمی تھے جو بعمر [illegible] سال [illegible]ھ میں فوت ہوئے تھے اُن کے بعد اُن کے فرزند محمد ان کے جانشین ہوئے۔ خلیفہ مامون الرشید کے عہد خلافت میں جو سنہ ۲۱۸ھ تک رہا بعض دوسری بدعتوں[۱] کی طرح بنی ہاشم کی نقابت کا سنگ بنیاد بھی شاید رکھ دیا گیا ہو بہرحال نقابت ہاشمیہ چوتھی صدی ہجری کے تقریباً وسط تک غیر منقسم قائم رہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۴ کا) اس کی اطاعت کی جائے رعایا کی درستی کے لئے لازم ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے عفو و کرم کا لطف اسی میں ہے کہ سزا دینے کی قدرت کے باوجود معاف کر دیا جائے سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو اپنے سے کمزور پر ظلم کرے چنانچہ خود بھی انہی باتوں پر عمل پیرا رہے تلواروں کا استعمال کیا جو لوگ نظام خلافت کو درہم برہم کرنے اٹھے پہلے بار انھیں سمجھایا ملنے تادیبی مہم بھی اونہیں سے جو لوگ طالب معافی ہوئے معاف کر دیا موسیٰ بن حسن مثنیٰ کا ذکر اوپر آچکا ہے یہ بھی اپنے بھائی محمد الارتضا کی بغاوت میں شریک تھے گرفتار ہو کر خواستگار معافی ہوئے انھیں معاف کر دیا اور وظیفہ بھی عطا کیا۔ وموسیٰ ابن عبد اللہ اختفی بالبصرۃ فاُخذ وحمل الی المنصور فعفا عنہ (کتاب نسب قریش ص ۵۳) انہی موسیٰ کی نسل میں بڑے بڑے عالی تبار فرزند ان ہوئے حکومت ادریسیہ مغرب و افریقہ کے بانی نیز شرفائے کرام جن کی یادگار اب اردو کے شاہ حسین ہیں نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ نسب بھی انہی موسیٰ سے متصل کیا جاتا ہے۔

[۱] خلیفہ مامون الرشید مسلکاً معتزلی شیعہ تھے۔ خلق قرآن کا مسئلہ جس کے سلسلے میں انھوں نے اور ان کے جانشینوں المعتصم باللہ اور واثق باللہ نے بڑی شدت برتی تھی انہی کا اٹھایا ہوا تھا۔ نیز پنجوقتہ نماز کے بعد کھڑے ہو کر تین تین تکبیریں باآواز بلند کہلوانے کی بدعت بھی انھوں نے قائم کی تھی جس کے متعلق علامہ ابن کثیر نے صحیح فرمایا تھا کہ اس بدعت کی کوئی دلیل تھی اور نہ سلف کا اس پر عمل تھا وہ لکھتے ہیں۔
ھذہ البدعۃ التی امر بہا المامون فانہا بدعۃ محدثۃ لم یعمل بہا احد من السلف
(ج صـ۲۷۲)

شیوخ سیرالعراق بنی بویہ کے زمانۂ اقتدار میں عباسیوں اور طالبیوں کے جدا جدا نقیب مقرر ہوئے

ثم ضعفت العباسیون فی العصبیۃ لہم وقوی بال بنی بویہ وامۃ لہم الطالبیون فثبتت عندہم النقابۃ فاصبح للہاشمیین نقیبان (النشاشیبی)

چوتھی صدی ہجری میں جب عباسی خلافت کو ضعف لاحق ہوا اور طالبیوں کے دیلم وغیرہ کی وجہ سے قوت حاصل ہوئی تو اس نقابت میں بھی دوئی پڑ گئی یعنی ہاشمیوں کے دو نقیب ہو گئے۔

مؤلف طرفۃ الاصحاب فی معرفۃ الانساب کے بیان کے مطابق عباسی عہد کے یہ نقیب اپنے خاندان کے زعماء ہوتے تھے اور نقیب ذوی الانساب، نقیب الاشراف و نقیب بنی ہاشم، عباسیین و الطالبین کہلاتے تھے ان کے انتخاب میں ان امور کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ باعتبار حسب و نسب اعلیٰ ہوں، صائب الرائے و صاحب تدبیر اور علوم سے بہرہ ور ہوں۔ الماوردی کہتے ہیں:۔

اذا اراد المولی ان یولی علی الطالبیین نقیباً او علی العباسیین نقیباً تخیر منہم اجلہم بیتاً واکثرہم فضلاً واجزلہم رایاً۔ (الاحکام السلطانیۃ)

طالبیوں پر یا عباسیوں پر جب حاکم نقیب کا تقرر کرے تو ان میں سے ایسے شخص کو منتخب کرے جو اعلیٰ شرافت کا ہو باعتبار رائے کے۔

انتخاب کے بعد خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہو کر تقرری کی سند باضابطہ عطا ہوتی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے [illegible]ھ میں عباسی نقیب کے تقرر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وفی یوم عرفۃ قلد الشریف ابو الحسن الزینبی[1] محمد بن علی بن ابی تمام الزینبی نقابۃ العباسیین وقرئ عہدہ بین یدی الخلیفۃ بحضرۃ القضاۃ والاعیان

عرفہ کے دن الشریف ابو الحسین الزینبی محمد بن علی بن ابی تمام الزینبی کا نقابت عباسیین پر تقرر کیا گیا سند تقرر خلیفہ کے سامنے اور قاضیوں و اکابرین کی موجودگی میں پڑھی گئی۔

طالبی نقیبوں کے تقرر کا بھی یہی ضابطہ تھا مثلاً [illegible]ھ میں الشریف ابو احمد محسن الموسوی (پدر الشریفان الرضی و المرتضی) کے تقرر سے متعلق بھی یہی مولف لکھتے ہیں:۔

فیہا قلد الشریف ابو احمد الحسن بن

یعنی اس سنہ ([illegible]ھ) میں الشریف ابو

---

[1] یہ نسباً عباسی تھے اپنی پردادی سیدہ زینب بنت سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے نام کی نسبت سے زینبی کہلاتے تھے (کتاب لب اللباب فی تحریر الانساب سیوطی)

بن موسیٰ الموسوی نقابۃ الاشراف الطالبیین۔ (ص۳۰۰)

ابوالحسن بن موسیٰ الموسوی کو نقابت الاشراف طالبیین پر مقرر کیا گیا۔

الماوردی اور دیگر مولفین نے ہاشمی نقباء کے فرائض بیان کرتے ہوئے جو یہ حضرات پانچویں صدی ہجری میں انجام دیتے تھے لکھا ہے کہ نقباء کا فرض تھا کہ ہاشمی خاندان سے مختلف گھرانوں سے ذکور و اناث کی مکمل فہرستیں اور فوتی و پیدائش کے رجسٹر مرتب رکھیں۔ وظائف و ارزاق کی تقسیم کریں، خاندانی اوقاف کا انتظام و اہتمام کریں۔ انساب کا تحفظ کریں، داخل النسب اور خارج النسب کے معاملات اور وراثت کے مسائل کا تصفیہ کریں غیر کفو قرابتوں کی روک تھام کریں وغیرہ وغیرہ دیگر امور مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ عرب قبائل خصوصاً قریشی گھرانوں سے وظائف و ارزاق کی تقسیم جس کی ابتداء عہد فاروقی سے ہوئی تھی اموی خلافت میں خاندانوں کے عریف کے ذریعہ ہوتی تھی عباسی خلافت میں یہی عریف نقیب کہلاتے تھے النقیب عریف القوم والجمع نقباء (لسان العرب) عرب کی جماعتی زندگی قبائلی تھی، ہر قبیلے و خاندان کا سردار و سربراہ (یعنی سید) اسی خاندان اور قبیلے کا پسندیدہ و منتخب شخص ہوتا تھا اور بیشتر نقیب انہی سادات قبائل سے منتخب ہوتے تھے اور یہ سب نقیب ایک ہی سرکاری ادارے سے منسلک تھے افسر اعلیٰ نقیب النقباء کہلاتا تھا علامہ ابن کثیرؒ نے چھٹی صدی ہجری کے نصف حصہ آخر میں طلحہ بن علی بن ابو احمد طراد عباسی کی وفات کے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ وہ نقیب النقباء تھے اور یہ عہدہ ان کے گھرانے میں چند پشتوں سے متوارث تھا دیگر فرائض کے ساتھ خاندان کے انساب سے کما حقہ واقفیت بھی نقیب کے لئے لازم تھی تحفظ انساب کے بارے میں قریشی و ہاشمی نقباء کی اسناد میں یہ ہدایت درج ہوتی تھی کہ:۔

الثقل فی امور انسابھم تحلاً لا یدع مجالاً للریب ولا یستطیع معہ احداً ان یدخل فیھم بغیر نسب ولا یخرج علیھم بغیر سبب۔

ان کے (قریشی و ہاشمیوں کے) معاملات انساب پر کڑی نظر رکھو تاکہ کسی کو مجال دھوکہ و فریب کی نہ ہو سکے اور نہ کوئی شخص بلا تعلق نسب ان میں داخل ہو سکے اور نہ بغیر کسی وجہ و سبب کے ان میں سے خارج ہو سکے۔

اسی کے ساتھ گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ سے اہل خاندان کو محفوظ رکھنے صحابہ کرام کے سیاسی اختلافات و مشاجرات نیز صالحین امت کی تنقیص کے بارے میں لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانا بھی نقیب کے فرائض میں شامل تھا۔ متعدد عجمی مدعیوں اور سیاسی قسمت آزماؤں نے علوی نسب کے ادعاء کے ساتھ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوششیں کی تھیں ان میں سے بعض کا تذکرہ ان اوراق میں پہلے آچکا ہے۔ غرضیکہ اس قسم کی خدمات کی غرض سے نقابت بنی ہاشم معرض وجود میں آئی تھی نہ کہ محض نسبی فخر و مباہات کے کسی جذبہ سے جیسا ایک مؤلف کو یہ کہنے میں غلطی ہوئی کہ ...

وکان القوم هم الحاكمين المسيطرين هم يفعلون ويقررون ويقولون كما يودون	یہ لوگ (بنی ہاشم) تو حاکم و حکمران ہی تھے جیسا چاہا کیا جو چاہا نام رکھا اور جو چاہا اپنے کو کہا

معترض نے یہ الفاظ نقابت الطالبیین ہی کے سلسلے میں لکھے ہیں مگر ایک مثال بھی وہ اس کی پیش نہ کر سکے کہ بنی ہاشم یعنی عباسی خلفاء نے زائد از پانصد سالہ دور خلافت بغداد میں اولاً اور تقریباً تین سو برس مصر میں عالم اسلامی کے مذہبی سردار و امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے آٹھ سو سال کی اس طویل مدت میں اپنی نسلی و نسبی تفاخر و برتری کے اظہار کیلئے کوئی خاص لقب و اصطلاح اپنے لئے مخصوص کی ہو۔ لقب الشریف کے استعمال کی کیفیت تو آپ ابھی سن چکے ہیں۔ عباسی خلفاء کے القاب السفاح والمنصور والرشید وغیرہ کا نسبی تفاخر اور اس کے اظہار سے کیا تعلق اور واسطہ۔ ان خلفاء نے تو خاندانی و نسبی امتیاز کے لئے اپنے ناموں کے ساتھ لقب الشریف نہ خود استعمال کیا اور نہ سرکاری تحریرات و فرامین میں یہ یا ایسا کوئی لقب لکھوایا جو دیگر قریشی گھرانوں سے ان کی نسبی برتری کے اظہار کا سبب ہو۔ تعلقات قرابت و مصاہرت ان کے قریشیوں کے ساتھ برابر قائم رہے بالخصوص اپنے بنو اعمام امویوں کے ساتھ۔ امیر المؤمنین عبداللہ السفاحؒ تو حضرت مروانؓ کے پر پوتے عبدالعزیزؒ کے مادری بھائی ہی تھے۔ پھر ان کے بعد کے تینوں عباسی خلفاء امیر المؤمنین ابوجعفر المنصورؒ ان کے فرزند محمد المہدی اور پر پوتے ہارون الرشیدؒ کی زوجیت میں اموی خواتین تھیں جن کے بطن سے اولادیں بھی ہوئیں۔ ابو جعفر المنصورؒ کی اموی زوجہ سے دو صاحبزادے علی و عباس تھے یہ دونوں عباسی شہزادے ابو عثمان بن خالد اسید بن ابی العیص بن امیہ کے نواسے تھے۔ علاوہ متعدد قرابتوں کے عباسی خلافت کے مناصب

جلیلہ پر دور میں متعدد اموی حضرات فائز رہے[1] کیونکہ برخلاف اموی خلافت کے عباسی
عہد میں ملازمت کے دروازے عرب و غیر عرب سب ہی کے لئے آئینی طور سے کھلے ہوئے تھے
اہلیت و قابلیت شرط تھی نسل و نسبی امتیاز اور شیعہ سنی کا فرق۔ شیعہ مورخ مسٹر جسٹس
امیر علی بھی کہتے ہیں:۔

> عباسی خلافت کا نظم و نسق ایسے آئین اور معین ضوابط پر چلتا رہا جو
> دور حاضر کے متمدن نظام و آئین کے مماثل تھا اور بعض پہلوؤں کے اعتبار
> سے ہمارے زمانے سے بھی ترقی یافتہ تھا۔ سلطنت کے عہدے اور مناصب
> مسلمانوں عیسائیوں مجوسیوں اور یہودیوں کے لئے یکساں اور مساویانہ طور
> سے کھلے ہوئے تھے۔ (ص۲۲۳ ہسٹری آف سیرسینز)

---

[1] علامہ ابن حزم نے جمہرۃ الانساب (ص۱۰۹) میں تفصیل بیان کیا ہے کہ عباسی خلافت میں امیر المومنین المتوکل علی اللہ کے عہد سے ہمارے زمانہ تک یعنی تقریباً دو سو برس تک بغداد کے قاضی القضاۃ کا عہدہ اموی خاندان کی ایک شاخ بنو ابی الشوارب سے موسوم تھی قائم و برقرار رہا تھا۔ ان میں محمد بن حسن بن عبد اللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ اور علی بن محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب یہ دونوں اور ان کے باپ دادا اور چچا محمد بن عبد اللہ اموی بغداد کے قاضی القضاۃ رہے نیز العباس بن محمد اموی بصرہ کے قاضی تھے۔ مورخ ابن کثیر نے ۴۱۷ھ کے واقعات کے سلسلہ میں ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن عباس بن محمد بن عبد الملک مذکور کی وفات کے تذکرہ میں جو بغداد کے قاضی القضاۃ تھے۔ بیان کیا ہے کہ اس اموی خاندان ابی الشوارب میں ۲۴ اشخاص عباسی خلافت میں اپنے اپنے وقت میں قاضی اور قاضی القضاۃ رہے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت مروان کے ایک پوتے عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز امیر المومنین ابو جعفر المنصور کے خاص ندیموں میں تھے اور ہر وقت کے حاضر باش سپاہ سرکار عالیہ میں ملبوس رہتے۔ دوسرے خلفاء المعتصم باللہ اور الواثق باللہ کے عہد میں ابو مروان محمد بن عثمان جو حضرت عثمان ذی النورین کے اخلاف میں تھے مصر کے قاضی تھے اور ان کے بنو عم میں محمد بن عبد اللہ بن عبد ... کے والی تھے۔ اسی طرح دیگر اموی اشخاص مختلف عہدوں پر مقرر رہے تھے۔ علامہ ابن حزم نے معن عباسی کا اکابر کا ذکر کیا ہے جو اندلس کے اموی سلاطین کے یہاں معزز مہمان کی حیثیت سے دنوں تک رہے۔ انقلاب خلافت کے زمانہ میں جو ظالمانہ قتل و قتال و جدال ہوئے وہ وقتی تھے بعد میں دونوں خاندانوں کی سابقہ تعلقات رشتے قرابت پر لیٹ آئے۔ ابو مخنف جیسے کذاب راوی نے گھڑا وہ ہی تنہا شخص ہے جس نے اپنے خاص مقصد سے عباسیوں کے ہاتھوں امویوں کے قتل عام کے اور ان کی قبروں کو اکھڑ کر بد نصیب لاشوں کو جلانے وغیرہ کے بے بنیاد جھوٹے قصے تراشے ہیں وہ ان حقائق کی روشنی میں جو مختصراً بیان ہوئے بے حقیقت ثابت ہوتے ہیں ہماری دوسری کتاب تاریخ بنو العباس میں تفصیل ملاحظہ ہو۔

امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ سے جب ان کے حاجب الربیع نے کسی شخص کے تقرر کے بارے میں عرض کیا تھا کہ تعلقات کی بنا پر ان کا حق بھی ہے امیر المومنین نے فرمایا کہ ہمارے ذاتی مال میں ان کا حق ہے ذکر مال المسلمین میں پھر فرمایا انا لا نولی للحرمة والرعاية بل للاستحقاق والكفاية ولا نؤثر ذا النسب والقرابة على ذي الدعاية یعنی ہم قرابت اور رعایت کی بنا پر تقرر نہیں کرتے بلکہ استحقاق اور اہلیت کی بنا پر کرتے ہیں۔ اہلیت وصلاحیت والے پر ترجیح صاحب نسب اور قرابت کو نہیں دی جا سکتی۔ اسی اصول کی اکثر وبیشتر پیروی کی گئی شیعہ اور روافض بھی بوجہ اہلیت ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہوئے لیکن ان میں سے بعض بدبختوں نے غداریاں بھی کیں مثلاً ۶۰۰ھ میں بعہد امیر المومنین الناصر لدین اللہ عباسیؒ عہدہ وزارت پر ابوالحسن ناصر بن مہدی حسنی[1] فائز تھے انھوں نے بقول شیعہ مورخ ونساب یعنی مولف عمدۃ الطالب انقلاب حکومت کی سازباز کی تھی اور بذات خود امیدوار خلافت کے تھے اس وزیر کی خفیہ سازشوں کے متعلق ایک منظوم قطعہ میں کسی نے خلیفہ کو مطلع کیا تھا اس میں کہا تھا کہ

فان کان حقا من سلالة احمد فهذا وزير في الخلافة طامع

وزیر مذکور کی ریشہ دوانیوں کا تو بروقت قلع قمع ہو گیا تھا لیکن تقریباً چالیس سال بعد ۶۴۲ھ میں قلمدان وزارت ایک غالی رافضی ابن علقمی کے سپرد تھا اس نے دوسرے رافضی نصیر الدین طوسی کے ذریعہ دار الخلافہ بغداد پر تاتاری ٹڈی دل کا حملہ کرا دیا تھا۔ بغداد تباہ ہوا امام المستعصم باللہ[2] خلیفہ شہید ہوئے ان کا قتل گویا ہاشمی وعربی خلافت کا قتل تھا

---

[1] ابو الحسن مذکور کتاب مدارس زمانہ میں متوطن اور شیعی مسلک کا پیرو تھا۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے ابو الحسن ناصر بن مہدی بن حمزہ بن مہدی بن الناصر بن زید بن حمزہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ابراہیم بن محمد البطحائی بن القاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بن علی ابی طالب۔

[2] امیر المومنین ابو احمد عبد اللہ المستعصم باللہ اپنے والد ابو جعفر المستنصر باللہ کی وفات پر ۶۴۰ھ میں مسند آرائے خلافت ہوئے سولہ برس خلیفہ رہے اپنے والد کی طرح نیک نفس وعلم دوست حلیم وکریم خلیفہ تھے ایک دن کتب خانہ میں بیٹھے مطالعہ کتب میں مشغول تھے خادم خاص عرفہ فرش پر بیٹھا تھا اسے نیند آ گئی اور ایسی غفلت کی نیند سویا کہ کروٹ بدلتا ہوا آقا کے پاس لڑھک آیا اور سر اس تکیہ پر لگ گیا جس پر جھکے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے خلیفہ نے مہتمم کتب خانہ کو لٹا رہنے سے بلا کر کہا اسے سونے دو جب ہم چلے جائیں جگا دینا۔ الساعۃ ہو کہ ہماری موجودگی میں بیدار ہو کر (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۱ پر)

عباسی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی عربوں کی عالمی سیادت اور سیاسی اقتدار عالم اسلامی سے ہمیشہ کے لئے زائل ہو گیا۔ دودمان ہاشمی کے عباسی و علوی گھرانے کچھ تو قتل عام میں فنا کے گھاٹ اتر گئے اور کچھ مختلف دیار و امصار میں منتشر و متفرق ہو گئے۔ فرزندان محمد مصطفےٰ کے خون نے دارالسلام بغداد میں بہہ کر نقابت بنی ہاشم کے خاتمے کا بھی اعلان کر دیا۔ اس اجڑے دیار میں عجمی و آفاقی آ بسے نقابت ہاشمیین کے بقول ایک مؤرخین شی پلید ہوئی کہ ہاشمیوں کے وارث عرب و قریش کے بجائے عجمی ہو گئے۔ واقول ما انتہ اما بعد استعجم الامر فقالوا نقابۃ الاشراف۔ ہاشمی گھرانے کے نقیب کا صرف نام باقی رہ گیا۔ بغداد کی ایک خانقاہ کا متولی بلقب نقیب الاشرف یا شریف کہلانے لگا۔ مؤلف عمدۃ الطالب نے طالبی گھرانوں کے انساب کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مختلف مقامات کے نقیبوں کا ذکر کیا ہے نیز ابن قیم عباسی کی کتاب نسب کا نقیبوں کے مرتبہ شجرات سے جو دستبرد زمانہ سے باقی رہ گئے تھے مختلف گھرانوں کے انساب بعد کے نسابین نے مرتب کئے کہیں کہیں بعض مدعیان فاطمیت کا تذکرہ بھی آ گیا ہے اس سلسلے میں عبیدیوں کے ادعائے فاطمیت اور لقب الشریف و السید کے مخصوص کرنے کی کیفیت کتب انساب و تاریخ کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہوا چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

عبیدی فاطمیت ونسبی سیادت

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں جس کے فقرات پہلے نقل ہوئے ہیں یہ بیان کرتے ہوئے کہ الشریف بغداد میں ہر عباسی و علوی و جعفری و عقیلی کا لقب تھا اور مصر میں ہر علوی کا لکھا ہے کہ:۔

فلما ولی الفاطمیون بمصر خصوا | جب فاطمین (عبیدیین) کی مصر میں حکومت

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۶۲) کا گستاخی پر خوف زدہ ہو (صفحہ ۲۶۵ تاریخ ادبیات فارسی) خلیفہ کی شہادت کے بعد دو سال تک دنیائے اسلام بلا مرکزیت رہی جب شہزادے ابوالقاسم احمد بن ابو نصر محمد الظاہر بامرللہ سے ۱۳ رجب ۶۵۹ھ کو سلطان بیبرس نے مصر میں المستنصر باللہ کے لقب سے بیعت خلافت کی تقریباً تین سو برس تک مسلمانان عالم کے دینی مقتدا کی حیثیت سے عباسی خلفاء نے مرکزیت کو قائم رکھا بالآخر جب رومی سلطان سلیم نے ۹۲۳ھ میں مصر پر قبضہ کیا آخری خلیفہ عباسی نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرکے تمام حقوق و امتیازات خلافت ان کے سپرد کر دیئے۔ ہمارے زمانے میں شریف حسین مکی کی غداری سے ترکی سلاطین کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

اسمر الشریف علی ذریة الحسن والحسین فقط واستمر ذلک بمصر الی الآن ۔

قائم ہوگئی کہ لقب الشریف کو انہوں نے صرف اولاد حسن و حسین کے لیے مختص کر دیا اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے ۔

مستند اور معتبر مورخین و نسابین کی تصریحات سے کتاب "تحقیق مزید" میں بیان کیا گیا ہے کہ نام نہاد فاطمیین کا مورث عبید اللہ بن میمون القداح ایرانی نژاد مجوسی تھا سیاسی مقصد سے فاطمیت کا ادعاء اسی طرح کیا تھا جس طرح اور جس مقصد سے قرامطہ کے یحییٰ بن زکرویہ بن مہرویہ مجوسی نژاد نے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اپنے متبعین اور اپنے آپ کو فاطمیین سے موسوم کیا تھا۔ سموا بالفاطمیین (بدایہ ج ۱۱ ص [illegible]) وہ اس کا بھائی حسین[1] بن زکرویہ بھی عبید اللہ کی طرح مہدیت کے مدعی ہو کر اسمٰعیل بن جعفر (الصادق علیہ السلام) کی اولاد سے اپنے کو منسوب کرتے تھے مولف کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین نے بھی دیگر مستند مورخین کی طرح بنی عبید کے مورث کے بارے میں لکھا ہے کہ :۔

کان والد عبید ھذا من نسل القداح الملحد المجوسی وقیل کان والد عبید یھودیا من اھل سلمیة من بلاد الشام وکان حدادا ... وعبید ھذا

اور اس عبید (اللہ) کا باپ [illegible] (قداح) ملحد مجوسی کی نسل سے تھا کہتے ہیں کہ یہ عبید ملک شام کے شہروں میں سے سلمیہ کا یہودی تھا اور آہن گر تھا ... اور اس عبید کا

---

[1] حسین بن زکرویہ نے اپنا نام احمد رکھ کر جو تحریرات میں جو شاہانہ القاب تحریر کئے تھے وہ اوپر نقل ہوئے ہیں دیکھئے یہ مجوسی نژاد کس ڈھٹائی سے اپنے کو لکھتا ہے کہ "احمد بن عبد اللہ المہدی المنصور بالله الناصر لدین اللہ" یعنی اللہ کی مدد سے کامیاب اللہ کے دین کا مددگار اللہ کے حکم کا ... اللہ کے حکم سے حکومت کرنے والا اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دینے والا اللہ کے حرم کی حرمت قائم کرنے والا رسول اللہ کی اولاد سے پسندیدہ امیر المومنین امام المسلمین منافقوں کو ذلیل کرنے والا تمام جہانوں میں خدا کا نائب ظالموں کا قلع قمع کرنے والا ظالموں کی کمر توڑنے والا ملحدوں کو فنا کرنے والا انصاف دشمنوں کو قتل کرنے والا مفسدوں کو ہلاک کرنے والا دیکھنے والوں اور نور حاصل کرنے والوں کے لئے روشنی مخالفوں کو پراگندہ کرنے والا سید المرسلین کی سنت قائم کرنے والا اور بیٹا اس کا جو بہترین سے بہترین تھے (یعنی حضرت علی کی اولاد وغیرہ) مگر اس بد بخت مدعی نے جس بربریت سے مسلمانوں کا قتل عام کیا، خانہ کعبہ کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا، اس کے ساتھیوں قرامطہ نے جس وحشیانہ ظلم سے حاجیوں کے قافلوں پر بار بار [illegible] مسلمانوں کے سیاسی نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے جو شورش و فساد برپا کیا وہ تاریخ کا سیاہ باب ہے عباسی خلافت کے لشکر نے بالآخر ان مفسدوں کا قلع قمع کر دیا تھا ۔

كان اسمه سعيداً فلما دخل المغرب تسمى بعبيد الله وزعم انه علوي فاطمي ثم ترقت به الحال ان ملك وتسمى بالمهدي وكان زنديقاً خبيثاً عدواً للإسلام متظاهراً بالتشيع متستراً به حريصاً على ازالة الملة الاسلامية قتل من الفقهاء والصالحين جماعة كثيرة۔

نام سعید تھا اور جب مغربی افریقہ میں داخل ہوا اپنے کو عبید اللہ سے موسوم کیا اور علوی فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا پھر اس کو ایسا عروج ہوا کہ حکمراں ہو گیا اور مہدی سے موسوم ہوا وہ زندیق خبیث اسلام کا دشمن تھا۔ اسلام کا اظہار تشیع کے پردے میں کرتا تھا اور ملت اسلامیہ کے تباہ کرنے کا بڑا حریص تھا فقہا اور صالحین کی جماعت کثیر کو اس نے قتل کر ڈالا تھا۔

ان ملحدوں کا اصلی مقصد ہاشمیوں یعنی مغربی افریقہ کے ادریسی حسنیوں کی بیخ کنی تھی اسی مدعی حسینی نسب نے یحییٰ بن ادریس حسنی کو جو حضرت حسن بن علیؓ کے اخلاف میں سے اور مغربی افریقہ کی ادریسی سلطنت کے اعاظم ملوک میں سے تھے اپنے ایک فوجی سردار مصالہ بن حبوس کے ہاتھوں بڑے بڑے عذاب دے کر مروایا تھا (قاموس التراجم) ایک غیر مسلم مورخ ڈوزی نے لکھا ہے کہ:-

"عبید اللہ ابن میمون تو اسماعیلیوں یعنی ابنائے اسماعیل بن جعفر (الصادق) کا بھی دلی دشمن تھا اولاد علیؓ سے عقیدتمندی محض اپنا منصوبہ پورا کرنے کے لئے اختیار کی تھی ورنہ دل سے وہ پکا ایرانی تھا۔ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد اور تمام عربوں کو ایک ہی زمرے میں خیال کر کے سب سے متنفر تھا اور اس بات کو خوب سمجھے ہوئے تھا کہ ایرانی اگر کسی علوی کی حکومت قائم کرنا چاہیں گے تو ایرانیوں کو ہرگز ہرگز اس سے کوئی نفع نہ پہنچیگا۔ چنانچہ اس نے اپنے متبعین کو صلاح دی کہ اولاد علیؓ میں سے جو کوئی بھی ہاتھ لگے فوراً ہلاک کر دیا جائے۔"

یہی مورخ عبیدیوں کے وحشیانہ ظلم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"عبید اللہ کے وحشی لشکر نے شہروں پر قبضہ کر کے جو جو ظلم کئے ہیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ برقہ میں امیر لشکر نے شہر والوں کے ٹکڑے کر کے ان کی

بوٹیاں آگ پر بھونیں اور جو شہر والے وہاں موجود تھے اُن کو بُھنا ہوا گوشت کھلایا اور پھر سب کو آگ میں زندہ ڈال دیا" (تاریخ ارشٹ ودونٹی)

عبید اللہ کا یہ لشکر نیم وحشی جنگجو بربری قبائل کا تھا جو توہم پرست تھے اور یہودی کے پروپیگنڈے کے جال میں پھنس گئے تھے۔ عبید اللہ کے جھوٹے دعوے نسب اور عقائد باطلہ و خرافات کے ذکر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:-

واهل المعرفة بالنسب وغيرهم من علماء المسلمين يعلمون انه كذب في دعوى نسبه وان اباه كان يهوديا ربيبا لمجوسي فله نسبتان نسبة الى اليهود ونسبة الى المجوس وهو واهل بيته كانوا ملاحدة وهم ائمة الاسماعيلية الذين قال فيهم العلماء ظاهرهم مذهب الرفض وباطنه الكفر المحض وصنف العلماء كتبا في كشف اسرارهم وهتك استارهم وبيان كذبهم في دعوى النسب و دعوى الاسلام وانهم بريئون من النبي صلى الله تعالى عليه وسلم نسبا ودينا۔ (منهاج السنة ج ۲ ص ۳۳)

مسلمان علماء میں سے جو حضرات انساب وغیرہ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ (عبید اللہ) اپنے نسب کے دعوے میں جھوٹا تھا نیز یہ کہ اس کا باپ یہودی تھا اور مجوسی کا پرورش یافتہ یعنی اس کی دو نسبتیں تھیں ایک یہود سے اور دوسری مجوس سے وہ اور اس کے گھر والے ملحد تھے اور یہی اسماعیلیہ کے امام تھے جن کے بارے میں علماء کا قول ہے کہ ظاہر ظہور ان کا مذہب رفض تھا اور باطن میں کفر محض۔ علماء اسلام نے ان لوگوں کے راز فاش کرنے اور ان کا پردہ چاک کرنے اور ان کے دعوے نسب اور دعوے اسلام کے بطلان میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان لوگوں کا کوئی واسطہ باعتبار نسب اور دین کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ تھا۔

خود علامہ جلال الدین سیوطی نے عبیدی حاکمان مصر کا تذکرہ اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ دعوے نسب وخلافت ان کا قطعاً باطل تھا اور مورث ان کا مجوسی تھا علم الانساب کے کسی عالم نے بھی ان کے دعوے کی تصدیق نہیں کی انھوں نے اسی ضمن میں ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک منظوم رقعہ کسی نے عبید اللہ کے پروتے العزیز کو مخاطب کرتے ہوئے جمعہ کے دن منبر پر رکھ دیا تھا کہ اگر دعویٰ نسب میں سچے ہو تو ذرا اپنے اجداد کے پانچ پشت تک نام تو گنا دو اور خود المعز کے زمانہ میں ابن طبا طبا علوی نے جب اُن کا نسب

پوچھا شجرۂ نسب بیان کرنے کے بجائے المعز نے اپنی تلوار میان سے کھینچتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تیرا شجرۂ نسب ہے اور حاضرین کے درمیان اشرفیاں بکھیر کر بتایا تھا کہ یہ میرا حسب ہے۔
ذہبی نے صحیح کہا ہے کہ عبیدیوں کا ادعائے نسب تو ایک بہانہ اور فریب تھا انہیں جب سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا ادعائے نسب سے بے پرواہ ہو گئے مغربی افریقہ کے زمانہ قیام میں جب عبیداللہ نے موریتانیہ کی ایک عرب ریاست پر حملہ کرنا چاہا اس کے حکمران سعید ثانی کو پیغام بھیجا کہ اطاعت قبول کر لے پیغام کے ساتھ کچھ اشعار بھی لکھ کر بھیجے تھے کہ اطاعت قبول نہ کی تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور مطیع ہونے کی حالت عدل و انصاف سے انتظام مملکت کیا جائیگا سعید نے جواب میں احسن طلیطلی شاعر کے شعر بھی بھیجے جن میں کہا تھا "خانۂ کعبہ کی قسم تو جھوٹ بولتا ہے تو جانتا نہیں کہ عدل و انصاف کسے کہتے ہیں راستی اور نیکی کا کلمہ آج تک تیرے منہ سے نکلا ہی نہیں تو مکار اور بے دین ہے۔"

گویا اس کے ہمعصر افریقی مسلمان کو اس کی بیدینی و مکاری سے بخوبی واقفیت تھی نصف صدی سے زیادہ مدت کے بعد جب اس کی اولاد نے مصر پر تسلط حاصل کر لیا تھا انساب اثیوں علویوں نے اس کے دعوے نسب کو کبھی قبول نہیں کیا مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ کے ایک پوتے حسین اباصغر بن علی زین العابدین کی نسل سے ایک علوی گھرانا جو بنی طاہر سے معروف تھا مصر میں متوطن تھا عبیداللہ کے بیٹے المعز کے وقت میں اس علوی گھرانے کے معزز شخص مسلم بن عبیداللہ بن طاہر تھے جو بقول مؤلف مذکور مسلم العلوی کہلاتے تھے کسی نے ایک رقعہ المعز کے یہاں اس مضمون کا رکھوا دیا کہ اگر آل ابی طالب سے ہو تو بنی طاہر کے یہاں اپنا رشتہ کرنے کے لئے پیام دو۔ قبول کر لیں تو معلوم ہو جائیگا کہ ان کے ہم کفو ہو۔ اس رقعہ کے ابتدائی دو شعر یہ تھے۔

ان کنت من آل ابی طالب — فاخطب الی بعض بنی طاهر
اگر تم (نسباً) آل ابی طالب سے ہو — تو ذرا بنی طاہر کے گھرانے میں کسی کے یہاں پیام دو
فان رآک القوم کفواً لهم — فی باطن الامر و فی الظاهر
تو اگر یہ لوگ تمہیں اپنا ہم کفو جان لیں — حقیقت میں اور ظاہر میں (تو تمہارے نسب کا ثبوت مل جائیگا)

المعز نے رقعہ پڑھ کر اپنے بیٹے العزیز کے رشتہ کا پیام بھجوایا جو مسلم العلوی نے قبول نہ کیا مؤلف موصوف مزید لکھتے ہیں کہ۔

قلت قرء المعز الرقعه خطب الی مسلم بن عبید الله بن طاهر العلوی بنته لابنه العزیز فلم یجبه و اعتذر بان کل من بناته فی عقد واحد من اقربائه فحبسه المعز واستصفی امواله ثم سئل بعد ذلك فقال انه اهلکه فی الحبس وقال انه هرب (ص ۲۳۳)

المعز نے جب رقعہ پڑھا اپنے بیٹے کا پیام مسلم بن عبیداللہ بن طاہر کی ایک دختر کے لئے دیا۔ انھوں نے منظور نہ کیا اور عذر کیا کہ میری بیٹیوں کا اپنے قرابتداروں سے پہلے ہی عقد ہو چکا ہے المعز نے انھیں قید میں ڈال دیا ان کا مال متاع بھی ضبط کر لیا اس کے بعد کسی نے انھیں پھر دیکھا کہتے ہیں قید کی حالت میں ہلاک کر دیا اور یہ قول بھی ہے کہ وہ فرار ہو گئے تھے۔[1]

علم النسب کی اصطلاح میں ایسے شخص کو مردود النسب کہتے ہیں جس کے دعوے نسب کو اہل علم ان بی جعفریوں اور قبیلہ کے بی عبیدیوں کے مورث عبیداللہ کا دعوئے نسب بقول علامہ ابن حزم شرمناک تھا اس نے ایسے نسب شریف کا مدعی ولد جناب جعفر (الصادق) سے منتسب ہونے کا ادعا کیا تھا جن کے ایک ایک فرد کا حال اہل خاندان بنی ہاشم طالبیوں وعباسیوں کے علاوہ تمام قریشی گھرانوں کے اشخاص اور حجازی باشندوں کو بھی معلوم تھا۔

جناب جعفر (الصادق) کے بارہ اولادیں تھیں سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں۔ دو بیٹے عبداللہ اور اسمٰعیل اور ایک بیٹی ام فروہ زوجہ اولی فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب کے بطن سے تھے باقی پانچ بیٹے اور چار بیٹیاں کنیزوں سے تھے یعنی موسیٰ و محمد و اسحٰق اور ان کی دو بہنیں فاطمۃ الکبریٰ اور بریہ ایک ام ولد سے عباس اور ان کی دو بہنیں اسماء و فاطمہ دوسری ام ولد سے اور علی تیسری سے تھے وہ اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت طفل صغیر تھے۔

جناب جعفر (الصادق) کی اولاد میں عبداللہ سب سے بڑے تھے انہی کے نام سے ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ عبداللہ کے اولاد ذکور نہ تھی صرف ایک بیٹی فاطمہ تھیں جو عباسی

---

[1] ان مسلم العلوی کے پوتے حسن بن طاہر بن مسلم نے کربلا پہنچ وطن حجاز سے نکل کر عراق چلے گئے تھے پھر وہاں سے سلطان محمود سبکتگین کے پاس غزنی پہنچ گئے ان کی موجودگی میں مصر کے عبیدی کا الظاہر کا ارشاد الظاہری العلوی سلطان موصوف کی خدمت میں پہنچا تھا اس ظاہری کا دعویٰ نسب بھی جھوٹا تھا حسن بن طاہر بن مسلم نے سلطان کے حضور میں اس کا مباحثہ ہوا اس کے عقائد باطلہ اور نسب کے ادعائے باطل کا اظہار ہونے پر اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ (عمدۃ الطالب)

خاندان میں عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب کو بیاہی گئیں (کتاب نسب قریش ص۶۳ و جمہرۃ الانساب ابن حزم)

مجھلے اسمٰعیل تھے اور خلقتاً لنگڑے تھے اسمٰعیل الاعرج کہلاتے تھے (عمدۃ الطالب ص۲۳۲) یہ عین عالم شباب میں کہ ستائیس اٹھائیس برس کی عمر تھی فوت ہو گئے یعنی جناب جعفر (الصادقؒ) کی رحلت سے پندرہ سولہ برس پہلے ۱۳۳ھ میں مدینہ سے کوئی چار میل دور موضع العریض جو خاندانی ملک تھا منزلت آخرت طے کی میت مدینہ لا کر دفن ہوئی۔ تین اولادیں چھوڑیں دو بیٹے محمد اور علی اور ایک بیٹی فاطمہ۔ محمد تو ایک کنیز کے بطن سے تھے اور علی و فاطمہ یہ دونوں بھائی بہن مخزومیہ خاتون اُمّ ابراہیم بنت ہشام بن اسمٰعیل بن ہشام بن الولید بن المغیرہ سے تھے نانی اور پرنانی ان دونوں کی عدویہ خواتین تھیں پرنانی تو حضرت فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی ام جمیل تھیں اور نانی حضرت عمرؓ کے برادر حقیقی زید بن الخطاب کی پروتی ام حکیم تھیں۔
(کتاب نسب قریش ص۶۳)

اسمٰعیل بن جعفر (الصادقؒ) کے یہ دونوں فرزند سیاسی وجوہ سے اپنے چچا جناب موسیٰؒ سے جنہیں امامیہ بلقب الکاظم اپنا چھٹا امام کہتے ہیں سخت مخالف اور عباسی خلافت کے مؤید اور طرفدار تھے۔ شیعہ مورخ و نساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ہی کے بیان سے یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل مذکور اپنے چچا کے مراسلت و مکاتبت کا کام کیا کرتے تھے جو انقلاب حکومت کے سلسلہ میں وہ اپنے طرفداروں کو خفیہ طور سے بھیجا کرتے تھے۔

کان محمد بن اسمٰعیل بن الصادق مع عمہ موسیٰ الکاظم یکتب لہ فی السر الی شیعتہ فی الآفاق۔ (عمدۃ الطالب ص۲۳۳)

محمد بن اسمٰعیل بن الصادق اپنے چچا موسیٰ الکاظم کے پاس خط و کتابت کا کام کرتے تھے جو وہ اپنے طرفداروں کو بیرونجات میں بھیجا کرتے تھے۔

یہی مولف مزید لکھتے ہیں کہ محمد مذکور نے اپنے چچا کے یہ سب راز امیر المومنین ہارون الرشیدؒ پر اس وقت ظاہر کر دیئے (اظہر اسرارہ) جب وہ ایک حج کے موقع پر مدینہ میں آئے تھے جناب موسیٰ کو امیر المومنین مدینہ سے اپنے ساتھ لے گئے پہلے بصرے میں رکھا پھر بغداد میں نظر بند کئے جانے کا حکم صادر کیا۔ محمد مذکور کے بھائی علی بن اسمٰعیل کے بارے میں علامہ ابن حزم کا بیان کہ وہ بھی اپنے چچا کی مخبری کرتے تھے انھیں بھی ان پر نگراں مقرر کیا گیا (موکلاً علیہ) مولف عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ محمد بن اسمٰعیل تو امیر المومنین ہی کی معیت میں عراق چلے گئے تھے خلیفہ سے

صلہ کی حاصل کیا اور بغداد ہی میں فوت ہو گئے۔

خرج معہ الی العراق ومات ببغداد (ص۲۶۳)

یعنی محمد مذکور ان ہی کے (خلیفہ ہارون الرشید کے) ساتھ عراق چلے گئے اور بغداد میں فوت ہوئے۔

نیز فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ نے اپنے اس بھتیجے کو قطع صلہ رحمی و مخبری کیلئے بددعا دی تو یہ بھی وہ جلد مر گئے۔ سال وفات ان کا ۱۸۳ھ بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ دونوں فرزندان اسمٰعیل بن جعفر الصادقؑ بغداد میں سکونت گزیں رہے۔ خلفاء عباسی کے خاندان سے ان کی متعدد قرابتیں بھی تھیں۔ سطور بالا میں یہ ذکر ضمناً آیا ہے کہ ان کی پھوپھی یعنی جناب جعفر الصادقؑ کی حقیقی پوتی عالیہ بنت عبداللہ بن جعفر عباسی خاندان میں عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کو جو امیر المومنین ہارون الرشید کے چچیرے بھائی تھے بیاہی تھیں۔ (کتاب نسب قریش ص۶۳)
اور خود جناب جعفر الصادقؑ کی دو صاحبزادیاں فاطمۃ الکبریٰ اور زینب جو محمد و علی فرزندان اسمٰعیل کی پھوپھیاں تھیں، عباسی خاندان میں امیر المومنین ابوجعفر المنصور کے سگے بھتیجے محمد بن ابراہیم (الامام) بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ کے حبالہ عقد میں یکے بعد دیگرے آئیں (کتاب نسب قریش ص۶۳) نیز جناب جعفر الصادقؑ کی تین پھوپھیاں فاطمہ و ام الحسن و ام الحسین بنات جناب علی زین العابدینؑ، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور جناب ابراہیم الامام محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے بیاہی گئیں اور تینوں کے بطن سے اولاد بھی ہوئی (نسب قریش ص۶۳) تیسری پھوپھی یعنی میمونہ بنت حسین بن زید بن علی زین العابدین امیر المومنین محمد المہدی عباسی کی زوجہ تھیں (المعارف) ان سے اولاد بھی تھی۔ غرضیکہ جناب جعفر الصادقؑ کے یہ دونوں پوتے محمد و علی فرزندان اسمٰعیل بتعلقات قرابت و یگانگت خلفائے عباسی کے یہاں خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ دونوں صاحب اولاد تھے۔ محمد کے دو ہی بیٹے تھے جعفر اور اسمٰعیل ثانی اور علی کے بھی صرف دو ہی فرزند تھے محمد اور ابوالحسن اسمٰعیل ثالث۔ ان سب سے نسل چلی کتب انساب میں ان کے اخلاف کے نام و تذکرے تفصیلاً درج ہیں۔ عبیدیوں کے ذہنی شجرہ میں ان میں سے کسی کا نام نہیں ملتا۔

عبیدیوں نے محمد بن اسمٰعیل بن جعفر الصادقؑ کو اپنا ساتواں امام قرار دینے کی غرض سے طرح طرح کی کہانیاں وضع کی ہیں جو واقعات تاریخ کے سراسر خلاف ہیں۔ زمانہ حال کے ایک اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں:—

"مولانا جعفر صادق نے مولانا محمد بن اسماعیل کو چھپا دیا کیونکہ بنی عباس ان کی جان لینے کے درپے تھے اور میمون القداح کو جو سلمان فارسی کے پوتے تھے ان کا کفیل مقرر کیا اس وقت مولانا محمد بن اسماعیل کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ بحوالہ کتاب عیون الاخبار صـ۳۴) امام محمد کے والد کا جب انتقال ہوا تو محمد کی عمر ۲۶ سال تھی اور ان کے بھائی علی کی ۱۸ سال کی تھی) عوام الناس کے اطمینان کے لئے امام موسیٰ کاظم کو جنہوں نے تاویل و حقیقت کا درس لیا تھا آپ کا حجاب یا مستودع (یعنی ظاہری نائب) اور میمون القداح کو آپ کا کفیل (یعنی باطنی نائب) مقرر کیا تاکہ لوگ آپ کو بھول جائیں اور امام موسیٰ کاظم کی طرف متوجہ ہو جائیں اس لئے آپ محمد مکتوم کہے جاتے ہیں اکثر شیعہ موسیٰ کاظم کے پیرو ہو گئے۔ مولانا جعفر صادق نے اپنے پوتے محمد بن اسماعیل کے رشتے کو چند اہل اخلاص و معرفت کے سوا خاص و عام دونوں سے چھپایا موسیٰ کاظم کو جب مستودع یا حجاب کا مرتبہ مل گیا تو انھوں نے یہ دعویٰ شروع کیا کہ میں ہی مستقل امام ہوں اور لوگوں کو دھوکا دے کر اپنی اور اپنی اولاد کی طرف امامت منتقل کر لی"
(کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام صـ۲۷)

جس کسی نے یہ پُر کہانی وضع کی ہے اُسے تاریخ و انساب کی معلومات مطلق نہ تھیں۔ محمد مذکور کے والد اسمٰعیل جب بوقت وفات ستائیس اٹھائیس برس کے تھے تو بیٹے کو ۲۶ سال کا بتانا انتہائی لغو بیانی ہے۔ محمد مذکور کے دادا جناب جعفر (الصادقؑ) کی ولادت ۸۰ھ کی تھی بیس سال کی عمر میں یا بالفاظ دیگر ۱۰۰ھ میں اگر ان کی شادی ہوئی جو زیادہ قرین قیاس ہے تو ان کے ان بڑے صاحبزادے اسمٰعیل کی ولادت چار پانچ سال بعد ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ میں ہوئی ہوگی ۱۳۳ھ میں انتقال ہو گیا یعنی ستائیس اٹھائیس سال کی عمر میں اس وقت ان کے بڑے بیٹے محمد مذکور پانچ چھ برس کے ہوں گے نہ کہ ۲۶ سال کے۔ اپنے ہاشمی خاندان سے ایسے طفل صغیر اور معصوم بچے سے عباسی خلافت کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا کہ اس بچے کی جان لینے کے درپے ہوتے اور جناب جعفر (الصادقؑ) ہی اپنے اس صغیر سن پوتے کو عباسیوں سے کیوں چھپاتے جن سے بجد ہونے کے علاوہ متعدد قرابتیں بھی تھیں جن کا ذکر سطور بالا

میں کیا گیا ہے۔ عباسیوں کی دشمنی کا یہ جھوٹا افسانہ ظاہر ہے اس لئے تراشا گیا کہ اس زمانہ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد عبیداللہ از نسل میمون القداح مجوسی غالیت کے ادعائے کاذبہ کے ساتھ مہدی موعود اور محمد بن اسمٰعیل کی اولاد ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر کے اسلامی سیاسی نظام اور خلافت عباسیہ کے درپے تخریب ہونے والا تھا۔

اب اس موقع پر عبیداللہ مذکور کے دعوے نسب کی مختصر کیفیت مستند نسابین کی زبانی سنئے۔

واضح رہے کہ اس عبیداللہ کا نام سعید تھا مغربی افریقہ میں مہدویت کے دعوے کے ساتھ اس نے اپنے دادا کے نام پر اپنا نام عبیداللہ رکھا تھا۔

علامہ ابن حزم نے صراحتاً بیان کیا ہے کہ عبیداللہ نے پہلے تو جناب جعفر الصادقؑ کے بڑے بیٹے عبداللہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا تھا چنانچہ جناب محمدؒ (الباقر) کی اولاد کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ:۔

ان بنی عبید ولاۃ مصر الآن قد ادعوا فی اول امرھم الی عبد اللہ بن جعفر بن محمد ھذ فلما صح عندھم ان ھذا لم یعقب الا ابنۃ واحدۃ ترکوہ و انتموا الی اسمٰعیل بن جعفر محمد۔
(جمھرۃ انساب ابن حزم)

بنی عبید نے جو اس وقت مصر میں حکمراں ہیں پہلے پہل تو عبیداللہ بن جعفر بن محمد سے اپنے کو منسوب کرنے کا ادعا کیا مگر جب انھیں اس بات کی صحت ہو گئی کہ ان عبداللہ کے سوائے ایک بیٹی کے اور کوئی عقب نہ تھا، تو ان کو چھوڑ دیا اور اسمٰعیل بن جعفر بن محمد سے، اپنے کو منسوب کر دیا۔

قیم مؤلف عمدۃ الطالب بھی فرماتے ہیں کہ:۔

ان المھدی (عبید اللہ) اول ما ادعی انتسب الی ابنہ محمد بن اسمعیل بن الصادق لصلبہ و زمانہ لا یحتمل ذلک

(عبیداللہ مہدی) مہدی نے پہلے تو یہ ادعا کیا کہ وہ بنی محمد بن اسمٰعیل بن صادق کے صلب (اسمٰعیل) سے ہے مگر زمانہ اس کے اس (دعویٰ) کا متحمل نہیں ہو سکتا

کیونکہ محمد مذکور اور عبیداللہ مہدی کے زمانہ میں تقریباً ایک صدی کا فرق آتا ہے۔ آخر میں محمد بن اسمٰعیل کے بیٹے حسین کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر محمد مذکور کا نہ کوئی تیسرا بیٹا تھا اور نہ کسی بیٹے کا نام حسین تھا علامہ ابن حزم نے اس کے جھوٹے دعوے پر یوں ریمارک کیا ہے:۔

ومرۃ ادعی۔ انہ ولد الحسین بن محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر وکل ھذ...

اور کبھی یہ ادعا کیا کہ وہ حسین بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد ہے یہ سب دعویٰ اس کا

دعوى مفتعلة لأن محمد بن اسمٰعيل بن جعفر لم يكن له قط ولدٌ اسمه الحسين وهذا كذبٌ فاحشٌ ولأنّ مثل هذا النسب لا يخفى على من له أقلّ علم بالنسب ولا يجهل اهله الا جاهلٌ (جمهرة الانساب صـ۳۳)

شرمناک ہے کیونکہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر کے حسین نام کوئی بیٹا تھا ہی نہیں یہ سب تو کھلا کھلا جھوٹ ہے۔ جس شخص کو انساب کا ذرا سا بھی علم ہوگا اس سے ایسا نسب مخفی نہیں رہ سکتا اور نہ اہل خاندان (یعنی بنی ہاشم) میں سے کوئی اس سے ناواقف رہ سکتا ہے سوائے جاہل کے۔

علامہ ابن حزم متولد ۳۸۴ھ و متوفی ۴۵۶ھ عبیدیوں کے زمانے میں تھے اور ان مدعیان فاطمیت کے حالات و واقعات سے واقفیت بھی کما حقہ رکھتے تھے لیکن ان سے بھی زیادہ فیصلہ کن بیان اس بارے میں کتاب نسب قریش کے مؤلف مصعب زبیری متولد ۱۵۶ھ و متوفی ۲۳۶ھ کا ہے جو محمد و علی فرزندان اسمٰعیل بن جعفر اور ان کی اولاد کے نہ صرف ہم زمانہ تھے بلکہ متعدد قرابتیں بھی ان کے خاندان کی اس گھرانے سے تھیں انھوں نے ذاتی علم و واقفیت سے محمد مذکور کے صرف دو بیٹے جعفر و اسمٰعیل بتائے ہیں کوئی تیسرا بیٹا حسین نام نہیں بتایا، اس لئے ابن حزم کا یہ ریمارک صحیح ہے کہ عبید اللہ کا یہ دعویٰ کہ وہ حسین بن محمد بن اسمٰعیل کی اولاد سے ہے شرمناک اور کھلا کھلا جھوٹ تھا۔ خود ایک ذی علم اسماعیلی مصنف[1] نے صراحتًا تسلیم کیا ہے کہ ان کے آئمہ کے صحت نسب پر جو اعتراضات ہیں "باوجود اس کے کئی دفعہ اس کے متعلق سوالات کئے گئے ہمارے نہ تو کسی امام نے اور نہ کسی داعی نے تشفی بخش جواب دیا (کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت مطبوعہ حیدرآباد دکن صـ۱۶۳) دعوے نسب ہی جب بے بنیاد تھا جواب کیا دیتے عبیدیوں نے جس مقصد سے یہ زبردست سیاسی تحریک مذہب کی آڑ لیکر چلائی تھی۔ انہی اسماعیلی مؤلف کی زبانی سنئے جن کی کتاب کے اقتباسات اوپر نقل ہوگئے ہیں "فرقہ اسماعیلیہ کے بانی" کی ذیلی سرخی سے لکھتے ہیں کہ:-

"ہمارے قدیم اسماعیلی دعوت کی تعلیم اسلام کی تعلیم سے مختلف نظر آتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تعلیم کا بانی کون ہے اور کب سے اور کس طرح یہ شروع ہوئی اس کے بانی ایرانی نژاد میمون القداح یا ان کے فرزند

---

[1] ڈاکٹر زاہد علی۔ ایم اے مولوی فاضل (پنجاب) ڈی فل (آکسن) سابق پروفیسر عربی و وائس پرنسپل نظام کالج حیدرآباد (دکن)

سیدنا عبداللہ میں" (ایضاً صفحہ ۱۱۲)

راندی اسماعیلی مولف نے ایک اور ذیلی عنوان قائم کیا ہے "اسماعیلی دعوت کے محرک اور اس کا مقصد" اس کے تحت لکھتے ہیں کہ:-

"سیدنا عبداللہ (عبیداللہ) نے اسماعیلی دعوت قائم کی جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانے میں برسرِ حکومت تھی۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے آزاد شریک کئے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی کی راہوں کی طرف مائل تھے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے اہلِ بیت کی مدد دینا پڑی تاکہ وہ شیعہ جن کو اہلِ بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کر لیں ...... -

شیعہ جو اس زمانہ کی موجودہ حکومتوں یعنی حکومت عباسیہ بغداد اور حکومت اموئیہ اندلس سے ناراض تھے اہلِ بیت کے کسی ذکی فرد کو اپنا حق لینے کے لئے ابھارتے اور اسے حکومت کی ترغیب دلا کر اپنا امام بناتے اور اس کی قیادت میں عباسیوں اور اموئیوں کا مقابلہ کرتے۔ بعض وقت لوگ صرف ان کے نام سے فائدہ اٹھاتے تھے حالانکہ وہ خود ایسی تحریک کو پسند نہ کرتا تھا چنانچہ مولانا علی کے فرزند مولانا محمد بن الحنفیہ کے نام سے دعوت کی جاتی تھی اور آپ خود اس سے انکار فرماتے رہے اسی طرح سیدنا عبداللہ (عبیداللہ بن میمون القداح) نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا جعفر کے حکم کے خلاف تھی ------ .

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبداللہ میمون نے خفیہ طور پر مال و دولت حاصل کرنے کے لئے ایک جماعت تیار کی اور ظاہر میں اپنا مکر و فریب چھپانے کے لئے مولانا محمد بن اسماعیل کی طرف دعوت کرتے رہے ان داعیوں کے ایرانی النسل ہونے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ انھوں نے اس قسم کے خیالات پھیلائے ہوں (یعنی مولانا علی الوہیت و عقیدہ تناسخ و حلول) کیونکہ ایرانی بالطبع حلول و تناسخ کے قائل تھے یعنی اپنے بادشاہوں کو خدا مانتے تھے۔ ہم شیعوں کے اکثر عقائد یعنی حکومت کا ایک موروثی امر ہونا اس کا باپ کے بعد بیٹے میں منتقل ہونا بھی ایرانی خیالات سے تعلق رکھتا

ہے جو دوسا میں انقلاب کی رسم جاری تھی شریعت کے ہر عمل کی تاویل کرنے سے سیدنا میمون اور ان کے فرزند عبداللہ جیسے داعیوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ لوگ باطن سے واقف ہو کر شریعت کو معطل سمجھیں" (ص۳)

اسماعیلی مصنف کا مندرجہ بالا اقتباس کسی تشریح کا محتاج نہیں وہ صاف کہتے ہیں کہ اس تحریک کا بانی ایرانی نژاد معالج چشم میمون کا بیٹا عبداللہ تھا اور مقصد اس کا مسلمانوں کے دین و مذہب کی بیخ کنی اور اسلامی سیاسی نظام کی تخریب تھا چنانچہ مزید کہتے ہیں کہ :-

"سیدنا عبداللہ بن میمون القداح نے اپنے اسماعیلی مذہب کی بنیاد ان اصول پر رکھی کہ آنحضرت صلعم نے ظاہری شریعت کی تبلیغ کی، باطنی شریعت کے لئے آپ نے مولانا علی کو قائم کیا۔ مولانا علی اور آپ کے بعد جو چھ امام گذرے انہوں نے باطنی شریعت کو مکمل کیا ساتویں امام مولانا محمد بن اسمٰعیل نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر کے باطنی شریعت جاری کی . . . .

گویا آپ کے زمانے سے ظاہری اعمال یعنی نماز وغیرہ کے ادا کرنے اور شرعی محرمات سے بچنے کی ضرورت نہیں رہی ان کی تاویل کی معرفت کافی ہے" (ص۲۳)

تاویل کے سلسلے میں مصنف مذکور نے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

"کیا ہم اپنے ایسے مذہب کو اسلام کے موافق کہہ سکتے ہیں جس کی توحید میں کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر لا امام الزمان ہو، جس میں آنحضرت صلعم کے بعد ایک اور ساتواں رسول پیدا ہو گیا ہو (یعنی محمد بن اسمٰعیل بن جعفر) جس میں مولانا علی رسول اللہ کی زندگی تک آپ کی رسالت میں شریک ہوں، جس میں مولانا علی اور آئمہ رسول اللہ سے چار درجے افضل مانے گئے ہوں، جس میں قرآن مجید، توریت اور انجیل کی طرح ایک تحریف شدہ کتاب سمجھی گئی ہو جس میں شریعت محمدی کے ظاہر کو نہ صرف منسوخ ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ۱۲۲ھ کے بعد سے (یعنی بوقت وفات اسمٰعیل بن جعفر الصادق) سے معطل کر دیا ہو۔ جس میں ہم نے اپنی سیادت و منوسیت برقرار رکھنے کے لئے تقیہ اختیار کیا ہو اور مختلف مواقع پر مختلف تعلیمیں دی ہوں۔ جس میں امام محرمات اور فواحش کے مرتکب ہونے پر

• بھی امام باقی رہتا ہو جس میں امام کی تعظیم و تکریم میں سجدہ غیر منکر سمجھا گیا ہو جس میں ہم اپنے آپ کو بجائے "عبداللہ" لکھنے کے "عبدالمستنصر" یا "عبد سیدنا و مولانا" لکھتے ہوں۔ وغیرہ" (ص۴۳)

ایسے ہی تاویلات باطلہ کے چور دروازے سے بقول ابن قیم دشمنانِ اسلام نے ملتِ اسلامی میں داخل ہونے کی جسارت کی تھی۔

وانما دخل اعداء الاسلام من المتفلسفة والقرامطة والباطنية والاسماعيلية والنصيرية من باب التاويل۔

(اعلام الموقعين عن رب العالمين)

تحقیق کہ متفلسفہ قرامطہ و باطنیہ اسماعیلیہ و نصیریہ جیسے دشمنانِ اسلام تاویل ہی کے دروازے سے داخل ہوئے۔

* پچھلے اوراق میں مختصراً ذکر آیا ہے کہ تیسری چوتھی صدی ہجری کی ان وضعی حدیثوں کے ذریعہ جن کا ذکر آگے آتا ہے یہ پروپیگنڈہ شدت اختیار کر گیا تھا کہ جلد ہی مہدی کا ظہور ہونے والا ہے جو نسل فاطمہ سے ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ عبیداللہ نے اسی پروپیگنڈے کے ذریعہ مغربی افریقہ کے نیم وحشی بربری قبیلے کتامہ میں اپنے متبعین کی کثیر تعداد فراہم کی۔ ۳۰۲ھ میں مصر کے فتح کرنے کے لئے زبردست مہم بھیجی، مگر عباسی عامل کے لشکر کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سات ہزار مقتول اور تقریباً اسی قدر اسیر ہوئے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری کامل ص۲۵)

لیکن ساٹھ سال بعد ۳۵۸ھ میں جب عباسی خلافت کے مصری عامل کی حربی قوت کمزور تھی عبیدیوں کے قائد جوہر کو مصر پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد شام فلسطین و حجاز پر جہاں ان سے پہلے ان کے ہم عقیدہ ایجنٹ قرامطہ فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر چکے تھے بار بار حملے کر کے عارضی تسلط بھی کر لیا تھا۔

علاقہ سندھ و ملتان میں قرامطہ اور اسماعیلیہ کو جو باطنیہ کہلاتے تھے تھوڑی مدت کے لئے سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو گیا تھا۔ بشاری مقدسی سیاح کے قول کے مطابق چوتھی صدی ہجری سندھ کے پایۂ تخت منصورہ میں تو ایک قریشی حاکم حکومت کرتا تھا مگر خطبہ عباسی خلیفہ کا پڑھا جاتا تھا (یخطبون للعباسی) اور ملتان میں اس وقت اسماعیلیہ باطنیہ کو اقتدار حاصل ہو گیا تھا جو مصر کے عبیدی فاطمی کا خطبہ پڑھتے تھے (اما الملتان فیخطبون للفاطمی) یہ زمانہ امیر المومنین القادر باللہ عباسی کا عہد خلافت تھا۔ وہ بذات خود بلند پایہ کے عالم

فقیہ اور صاحب تصنیف تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

كان الخليفة القادر بالله من خيار الخلفاء وسادات العلماء في ذلك الزمان وكان كثير الصدقة حسن الاعتقاد وصنف قصيدة فيها فضائل الصحابة وغير ذلك

(البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۳)

خلیفہ القادر باللہ نیک سیرت خلفاء میں سے اور اس زمانے کے سادات العلماء میں سے تھے بہت زیادہ خیرات کرتے تھے بڑے اچھے عقیدے کے تھے۔ انھوں نے فضائل صحابہ وغیرہ میں قصیدہ بھی تصنیف کیا تھا۔

مسلمانانِ عالم کے مذہبی مقتدا کی حیثیت سے اس عالم و فاضل خلیفہ نے خرب دین سرگرمیوں کے سد باب کے لئے موثر تدابیر اختیار کیں عراق و بغداد کے معتزلی علماء و فقہاء کے خیالات درست کئے وہ سب عقائد باطلہ سے تائب ہوئے اور تحریراً مقر ہوئے کہ آئندہ کوئی مخالف اسلام کوئی بات ذکر نہ کریں گے علامہ ابن کثیرؒ نے ۴۰۸ھ کے واقعات کے سلسلہ میں، امیر المومنین کی ایسی دینی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

وفي سنة ثمان واربعمائة استتاب القادر بالله الخليفة فقهاء المعتزلة فاظهروا الرجوع وتبرؤا من الاعتزال والرفض والمقالات المخالفة للاسلام واخذت خطوطهم بذلك وانهم متى خالفوا حل فيهم من النكال والعقوبة ما يتعظ به امثالهم۔

(البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۶)

اور ۴۰۸ھ میں خلیفہ القادر باللہ نے معتزلی فقہاء سے ان کے عقائد سے توبہ کروائی انھوں نے عقائد اعتزال و رفض اور مخالف اسلام مقالات سے تبرا کر کے اظہار رجوع کیا خلیفہ نے ان سے تحریراً اقرار لیا کہ اس کے بعد جب کبھی وہ اس کے خلاف کریں تو ایسی سزا اور عقوبت کے مستوجب ہوں گے جو دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

پھر سلطان محمود غزنویؒ کو فرمان بھیجا کہ روافض، اسماعیلیہ، باطنیہ، قرامطہ، جہمیہ والمشبہ گمراہ فرقوں کی تحریکات کا قلع قمع کریں چنانچہ سلطان غازیؒ نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں ہندوستان کے علاقہ جات سندھ و گجرات سے لیکر خراسان تک ان فرقوں کی سرکوبی کی[1]

---

[1] کراچی سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ٹھٹھہ قبریں قرامطیوں کی جو منقش خوبصورت بنی ہوئی ہیں اب تک اسکی یادگار ہیں کہ اس علاقہ میں قرامطہ کو اقتدار حاصل تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بعض حکمرانوں کا ذکر کیا ہے جنہیں سلطان محمود غزنویؒ نے گرفتار کیا تھا منجملہ ان کے ملک ارمنی کا بھی نام لیا ہے "کراچی" سے مراد اگر یہی "کراچی" ہو تو گویا یہیں کے قرمطی حکمران ہو جسے سلطان غازی نے گرفتار کیا تھا۔

وامتثل محمود بن سبكتگين امر امير المؤمنين في ذلك (ايضاً)

اور (سلطان) محمود بن سبکتگین نے امیر المومنین کے حکم کی اس بارے میں تعمیل کی۔

علاقہ سندھ کے بعض مقامات پر جیسا ابھی ذکر ہوا قرمطیوں کو اب اقتدار حاصل تھا کہ مصر کے الحاکم عبیدی کا خطبہ پڑھتے اس کا نام سنتے ہی تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور جبین نیاز زمین پر رکھتے۔

اذا ذكر الخطيب الحاكم يقوم الناس كلهم اجلالاً له وكذلك فعلوا بديار مصر مع زيادة السجود وكانوا يسجدون عند ذكره۔
(ايضاً ج ۸ ص ۳۲۷)

جب (قرمطی) خطیب الحاکم (عبیدی) نام لیتا تو سب لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور یہی عمل وہ دیار مصر میں کرتے بلکہ مزید برآں سجدہ کرتے یعنی اس کا ذکر آتے ہی سربسجود ہو جاتے تھے۔

سلطان غازی نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں گمراہ فرقوں کی تادیب کی غرض سے کئی بار ملتان و سندھ و گجرات پر یورش کر کے فتح کیا اور امیر المومنین القادر باللہ عباسیؒ کے نام کے خطبے پڑھوائے۔ مصر کے عبیدی کو جب ان حالات کی اطلاعیں پہنچیں سلطان غازی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں وفود کے ذریعہ مکاتیب اور ہدیے بھیجے مگر سلطان نے ان کے مکاتیب اور ہدیوں کو نذر آتش کرا دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:-

وكان (سلطان محمود) يخطب في سائر ممالكه للخليفة القادر بالله وكانت رسل الفاطميين من مصر تفد اليه بالكتب والهدايا لاجل ان يكون من جهتهم فيحرق بهم ويحرق كتبهم وهداياهم۔
(البداية والنهاية ج ۱۲ ص)

اور وہ (سلطان محمود) اپنے زیر حکومت سب ممالک میں امیر المومنین القادر باللہؒ کے نام کا خطبہ پڑھواتے۔ مصر کے فاطمی (عبیدی) حکمرانوں کے جو سفیر ہدیئے اور مکتوبات لے کر سلطان کی خدمت میں اس غرض سے آتے کہ وہ ان کے طرفدار ہوں وہ انہیں آگ میں جلوا دیتے اور ان کے ہدیوں اور تحریرات کو نذر آتش کرا دیتے۔

غرضیکہ چوتھی پانچویں صدی ہجری کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب عبیدیوں اور ان کی دشمن اسلام تحریک کو توہم پرست عوام میں مہدویت اور فاطمیت کے پروپیگنڈے کی بدولت کامیابیا

حاصل ہو رہی تھیں اسی زمانے میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء و فقہاء نے جنھیں فضل الٰہی علمیہ کی بدولت بھی مسند کا درجہ حاصل ہوا عبیدیوں کے ادعاء فاطمیت کا پول کھولنے اور ان کے ملحدانہ عقیدے کا پردہ فاش کرنے کی غرض سے قلم اٹھایا چنانچہ شافعی مسلک کے ممتاز عالم و فقیہ قاضی محمد بن طیب ابوبکر باقلانی نے "کشف الاسرار وھتک الاستار" نام کتاب اسی مقصد سے تالیف کی جس میں باطنیہ و اسماعیلیہ کے ملحدانہ عقائد کی نقاب کشائی کر کے ثابت کیا تھا کہ ظاہر ظہور ان کا رفض ہے اور باطن کفر محض۔ رسالت ان کے نزدیک کوئی چیز ہے نہ کلام ربانی چنانچہ اسماعیلی مولف نے اپنے ائمہ کے اقوال کو جو قرآن شریف کے بارے میں ہیں ان الفاظ میں بیان کیا کہ:-

"رسول خدا نے کلام اللہ جمع کر کے اسے اپنے اصحاب کے سامنے اپنے وصی (یعنی حضرت علیؓ) کے سپرد فرمایا (بعد رحلت رسول اللہ) یہ لوگ اس سے بے پرواہ ہو گئے اور اچھا نہ جانے اور قیاس سے ایک الگ قرآن جمع کیا۔ اس کے بعد خلیفہ ثالث (یعنی حضرت عثمانؓ) نے شیخین (یعنی حضرت ابوبکر و عمرؓ) کا جمع کیا ہوا نسخہ جلا ڈالا اور ایک دوسرا نسخہ تیار کیا پھر حجاج (یعنی امیر حجاج بن یوسف ثقفی) آیا اور اس نے خلیفہ مذکور کے نسخے کو پھر آگ میں جھونک دیا اس کے بعد اس نے چھاپا نکال دیا اور اپنی کتاب تالیف کی جو اب ان کے (یعنی مسلمانان عالم) کے پاس موجود ہے" (کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت ص ق)

یہ بھانا بکواس لائق اعتنا نہیں کہ غیر مسلم مورخین و مستشرقین کو بھی اعتراف ہے کہ صحف سماوی میں صرف قرآن مجید ہی ہے جو جیسا نازل ہوتا رہا ویسا ہی بلا تغیر و تبدل و تحریف اب تک موجود و محفوظ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ اس کی حفاظت کا "انا لہ لحافظون" لاثانی و بے مثال معجزہ ہے[1]۔ اسماعیلیہ و باطنیہ کی ملحدانہ دعوت کو عوام کا الانعام سمجھ کر فاطمیت کے ادعاء سے

---

[1] قرآن شریف خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں اسی ترتیب سے جو موجود ہے مرتب کرا دیا تھا اور حضرت انصاری صحابی نے آپ کی حیات ہی میں پورا قرآن لکھ کر اپنے پاس رکھا تھا خود حضور کا صحابہ کو ارشاد تھا کہ سفر میں جاتے وقت قرآن مجید کو ساتھ لے جایا کرو مبادا دشمن کے ہاتھ لگ جائے پھر آپ کا یہ ارشاد بھی بسند صحیح منقول ہے کہ جو مسلمان ورثے میں قرآن مجید چھوڑ جائے گا تلاوت کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ ایسی حالت میں اسماعیلی ائمہ یا داعی کا یہ قول کہ آپ کی وفات کے بعد قرآن شریف جمع کرایا گیا تھا ورنہ حقیقت کے سراسر خلاف ہے جو خلفاء راشدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بموجب صحف کی کی نقلیں کرا کے نسخے اطراف عالم میں بھیجے تھے نہ کہ اس طریقے سے جمع کیا تھا جو کسی روایت میں بیان کیا گیا۔

سوال یہ تھی از سے جھوٹے دعوے کا بھی پول کھولنا ضروری ہوا۔ علامہ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ بغداد کے علماء و ائمہ و اشراف و العدول و صالحین و فقہاء و محدثین کی جماعت نے مصر کے عبیدی حکمرانوں کے دعوئے فاطمی نسب کی تکذیب و تردید میں متفقہ طور سے محضر تیار کیا جس میں بالصراحت ثابت کیا گیا تھا کہ عبیدیوں کا کوئی واسطہ و تعلق نسب کا حضرت علیؓ کی اولاد کے کسی گھرانے سے نہیں اور نہ ہاشمیوں، علویوں کا کوئی گھرانا ان لوگوں کو جانا پہچانتا ہے وانھم لا یعلمون احدا من اھل بیوتات علی بن ابی طالب

محضر تکذیب دعوے فاطمیت

عبیدیوں کے دعوے فاطمیت کی تکذیب کے محضر پر جن اکابر علماء اور علویوں نے دستخط ثبت کئے تھے ان میں سے بعض ممتاز اشخاص کے اسماء مورخین نے درج کئے ہیں۔ مثلاً:۔

حسینی علویوں میں سے شریف المرتضیٰ و شریف الرضی موسوی و ابن الازرق موسوی و ابو طاہر بن ابی الطیب و محمد بن محمد بن عمرو بن ابی یعلیٰ و ابن بطحاوی۔

قضاۃ میں سے ابو محمد الاکفانی، ابو القاسم الجزری، ابو العباس السیوری،

فقہا میں سے ابو حامد الاسفرائینی، ابو محمد بن الکسفی، ابو الحسن القدوری، ابو عبد اللہ الصیمری، ابو عبد اللہ البیضاوی، ابو علی بن جکان، ابو عبد اللہ بن النعمان یہ (فقیہ شیعہ) و لامیروردی اسی طرح ابو القاسم التنوخی وغیرہ صدہا شہود نے دستخط کئے تھے جن میں بقول شیعہ مورخ عمدۃ الطالب بڑی کثیر تعداد بنی ہاشم یعنی عباسیوں و طالبیوں کی تھی جن کو مؤلف مذکور نے ضمن الاشراف (صفحہ ۔۔۔) کہا ہے کہ اشراف سے مراد قریشیوں یا ہاشمیوں سے ہے۔ حرمین شریفین کے علماء و فضلاء و شرفاء مکہ نیز اندلس کے اموی حکمرانوں اور مغربی افریقہ کی ادریسی حسینیوں نے بھی ان مدعیان فاطمی نسب کا انکار کیا تھا۔

مستشرقین نے غیر جانبدار اور بے لاگ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ عبیدیوں کا نسب آنحضرتؐ کی اولاد سے منقطع تھا۔ اس سلسلے میں پروفیسر براؤن نے محقق ڈی خویے کے بعض دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

• فاطمیوں کے دعوے نسب کی اصلیت تو بہت کچھ زیر بحث رہی ہے وزن شہادت قوی طور سے ان کے خلاف معلوم ہوتا ہے کچھ شبہ نہیں کہ عبد اللہ (عبید اللہ) ابن میمون القداح ان کا اصلی مورث تھا نہ کہ علی و فاطمہؓ۔ ڈی خویے نے اس سلسلے پر حسب معمول اپنے تبحر

علمی و دقیقہ رسی سے تفصیلاً بحث کی ہے بجز ان بہت سے دلائل کے جو موصوف نے عبیدیوں کی صحت نسب کے خلاف پیش کئے ہیں ان میں سے دو ایک قوی ترین دلائل کا یہاں نقل کرنا کافی ہے۔ عبیدیوں کے فاطمی نسب ہونے کا انکار عباسی خلفاء نے اور قرطبہ (اندلس) کے بنی امیہ نے یکساں طور سے کیا تھا حالانکہ عباسیوں نے ان علوی مدعیوں کے نسب کی قدح کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی جو ان کے خلاف مسلسل طور سے علم بغاوت بلند کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات ان میں ایسے خطرناک تھے جن کا مقابلہ دشوار بھی تھا لیکن صحیح النسب ہونے کی وجہ سے نسب کا انکار نہیں کیا گیا تھا نیز دو مختلف مواقع پر یعنی ۴۰۲ھ اور ۴۴۴ھ میں بغداد کے علوی خاندان کے مسلم نمائندوں[1] نے عبیدیوں کے دعوے نسب کا انکار کیا تھا۔ مزید برآں عضد الدولہ بویہی نے

---

[1] علامہ ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ مورخین نے شریف المرتضیٰ و الرضی موسوی اور دوسرے علوی اکابر کے اسماء کی فہرست درج کی ہے جنھوں نے عبیدیوں کے فاطمیت کی تکذیب و تردید میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا محضر پر دستخط ثبت کئے تھے۔ موسوی حضرات تو مرحلۂ تفصیل ذکر ہی کے محتاج ہیں اور دوسرے موسویوں کی بہ نسبت ان دونوں بھائیوں المرتضیٰ و الرضی میں مذہبی غلو کے علاوہ عصبیت خاندانی کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا اور بقول مجد مؤلف عمدۃ الطالب شریف الرضی تو امیدوار خلافت کے بھی تھے وکان الرضی یترشح الی الخلافۃ تبعیہ قریشی ہیں جو سیادت و امامت کا اپنے ہی کو سب سے زیادہ موزوں و مستحق بھی جانتے تھے چنانچہ ان کے کلام میں بہت سے اشعار اس جذبہ کے اظہار میں ملتے ہیں۔ ان کا ایک تمام اول کے شعر ذرا ملاحظہ ہوں، اپنے کو امیر المومنین سے بڑھ کر تفاخراً اس کی ترکیب ہے جو اسلاف کا فخر قائم رہے خود کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ اصل و نسل تمہاری کیسی طیب و پاک ہے۔ ان فاطمیوں کا سچا وارث ہوں اخیرہ

ھذا امیر المومنین یمین ... طابت اصولہ و طابت جتک

انما کنا ثبات لساعۃ ... و ابانا حین ترۃ وجدت بحین

اس سلسلہ میں ایک منفرد واقعہ یہ بیان ہوا ہے کہ شریف الرضی کے آخر زمانہ میں عبیدیوں کی دعویٰ فاطمیت کی حکومت کو مصر میں عروج ہوا تو رضی نے بلا تحقیق کئے انھیں نسباً علوی جان کر قصیدہ لکھا جس کے ایک مصرعہ میں حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی بتا کر کہا تھا: سید الناس جمیعاً محمد و علی پھر یہ بھی کہا تھا کہ ہم تو یہاں بغداد میں دشمنوں کے اندر ذلیل و خوار ہیں حالانکہ مصر میں علوی خلیفہ ہے جس کے آباؤ اجداد وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ امیر المومنین القادر باللہ کے جب یہ مبارک نظم پہنچی جس میں رضی کا یہ قول بھی تھا ان کے باپ احمد موسوی کو جو اعلیٰ منصب پر فائز تھے طلب کرکے پوچھا گیا کہ تم لوگوں کے ساتھ عباسیوں کیا ذلت کا برتاؤ ہے اور عبیدیوں سے کیا توقعات وابستہ ہیں ابو احمد نے مختلف بیان کیا کہ میرے بیٹے نے یہ نظم نہیں کہی کسی دشمن نے منسوب کر دی ہیں

(بقیہ صفحہ ۱۷۰ پر)

خسرو میں عبیدیوں کے ادعائے نسب کی جب تحقیق کرائی تھی اور نتیجہ تحقیقات نکلا تو وہ اس درجہ غضب ناک ہو رہا تھا کہ باوجود شیعیت کی جانب زبردست رجحان رکھنے کے عبیدیوں کے علاقے پر چڑھائی کرنے کی اس نے دھمکی بھی دی تھی اور ان کی تمام تحریرات کو جلوا دینے کا حکم بھی دے دیا

---

(١) بقایا نوٹ صفحہ (١٧٩) کا) رہی لے بیان ثانیاً ابن کثیر لکھتے ہیں وهم ينكرون ذلك حتى ليت الشيخ ابا حامد الاسفرائيني والقاضي ابا بكر اليهما فقلت لهما ما لا يبيان الموكل ذات ماقل لهم یعنی باپ بیٹے برابر انکار کرتے رہے حتیٰ شیخ ابو حامد اسفرائینی اور قاضی ابو بکر کے پاس بھیجا گیا انہوں نے ان کے سامنے شریف قصہ کا رطب اٹھایا کر رضی نے یہ شعر نہیں کہے۔ علامہ ابن حجر نے تو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال کہہ کر یہی کہہ دیا کہ یہ الفاظ ان کے خصائص میں تو دھوکا اور فریب کا غلول ہی ہو سکتا ہے مگر ابن ابی الحدید نے تو صاف لکھا ہے کہ شریف الرضی نے الرضی کی طرح تقیہ سے دستخط کئے تھے کیونکہ ان کو عباسی خلیفہ سے خوف بھی تھا اور رضی ان کی کیسے میں بھی تھی (نہج البلاغہ) ابن ابی الحدید نے یا اللہ تو شدید ذیل فقرات کی آخر تک اشعر لکھے ہیں جو نہج البلاغہ کے مصنف نے حضرت علی کی زبان سے عبیدیوں کے نسب ہونے کے ثبوت میں ادا کرائے ہیں۔

ثم يظهر صاحب القيروان الغض	پھر ظاہر ہوگا قیروان کا حاکم تر و تازہ نرم اندام
البض ذو النسب المحض المنتجب من	خالص نسب و حسب والا بزرگ اور اعلیٰ خاندان والے
سلالة ذي البداء المسجى بالرداء	چادر سے ڈھکے ہوئے کی اولاد سے ہوگا

چادر سے ڈھکے ہوئے سے مراد اسمٰعیل ہے جو حضرت علیؓ کی وفات سے تقریباً ایک صدی بعد اپنے والد جعفر کی زندگی ہی میں مر گئے تھے بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ایک چادر سے ان کو ڈھانپ کر شیعوں کو دکھایا جاتا تھا چنانچہ انہی کے فرزند محمد کی اولاد میں ہونے کا عبیداللہ دعویدار تھا جس نے حضرت علیؓ کی وفات سے تقریباً ڈھائی سو برس بعد سنہ ٢٩٦ھ میں مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے بعد مغرب میں اقتدار حاصل کر کے علاقہ قیروان پر بھی جس کا کوئی وجود حضرت علیؓ کے زمانہ میں نہ تھا قبضہ کر لیا تھا۔ یہ واقعات مصنف نہج البلاغہ کے زمانے کے ہیں جو انہوں نے حضرت علیؓ کی زبان سے ادا کرادیے۔ حالانکہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا علم ہو سکتا ہے۔ سورۃ انعام کی آیت ۵۰ میں فرمایا گیا ہے کہ اے رسول کہہ دیجئے کہ "میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مجھے غیب کا علم ہے اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو مجھے وحی کیا جاتا ہے"۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں جو نہج البلاغہ کی تصنیف کا زمانہ تھا عبیدیوں کو ایسی قوت حاصل ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کے سیاسی نظام کو بالآخر وہ عباسی خلافت کی تخریب کے درپے ہو سکیں جو غلاۃ رافضیوں کی دیرینہ آرزو تھی حضرت علیؓ کے خطبے تصنیف کرنے والے عالی دماغ نے اس دور کی عبیدیت کے نسب کی تصدیق بھی حضرت علیؓ کی زبان ہی سے کرادینے کے لئے یہ دعویٰ تو ان مذہب کو صحیح سے منسوب کردیا یہ جعلسازی بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کیونکہ اسلام کے علماء اور اکابر نے خصوصاً عبیدیوں کے دعوے کو کبھی قبول نہیں کیا۔

تھا۔ دوسری جانب دروزی فرقہ اسماعیلیہ کی مقدس کتب میں صاف بیانی سے تسلیم کیا گیا ہے کہ عبیداللہ بن میمون القداح کی اصل مورث تھا ان کے بطل برگزیدہ الحاکم ششم خلیفہ فاطمی کا جسے یہ فرقہ جو ملک شام میں بتعداد کثیر اب تک موجود ہے اپنا کامل ترین مظہر تجسیم ربوبیت و الوہیت کا سمجھتا ہے۔ بایں ہمہ جب اسماعیلی معتقدات و نظریات کی اصلیت نیز اس کی فلسفیانہ اور وسیع المشرب نوعیت پر غور کیا جائے تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی کہ اس فرقہ کے حقیقت آشنا اور محرم راز افراد کے لئے بہرنوع یہ سوال کہ ان کے روحانی اور دنیاوی پیشوا اور حکمران (حضرت) فاطمہ دختر رسول اللہ (صلعم) کی نسل سے ہیں یا نہیں کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ ان کے نزدیک نسبتاً موجب بے اعتنائی کا ہے۔" (تاریخ ادبیات ایران انگلش ج ۱ صفحہ ۳۹۵)

محقق دے خوسے کی مندرجہ بالا دلیل کی تائید مزید سیاسی بغاوتوں کے ان حالات سے ہوتی ہے جو تحقیق مزید بیں ساٹھ سے زیادہ حسنی و حسینی دعویداران خلافت کے خروج کے پیش کئے گئے ہیں جو عرصہ دراز تک عباسی خلافت کے خلاف یکے بعد دیگرے ہوتے رہے تھے بعض نے بڑی بڑی جمعیتوں سے مقابلہ کیا تھا چند باغیوں نے اپنی سلطنتیں بھی دیلم و طبرستان یمن و افریقہ میں قائم کر لی تھیں ان میں سے وہ ایک کئی صدیوں تک قائم رہیں چونکہ یہ سب صحیح النسب تھے اس لئے عباسی خلفاء کی جانب سے نہ ان کی نسب کا انکار ہوا نہ سلسلۂ نسب کی قدح کی گئی اور نہ ان کی حسنی حسینی حیثیت پر کوئی طعن کیا گیا ان صحیح النسب علویوں نے سیاسی اقتدار کے حصول کی جدوجہد میں کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس سے دعوت محمدیہ کے ساتھ بے وفائی کا شائبہ بھی نظر آتا ہو یا ان کے سوء اعتقادی کا ثبوت ملتا ہو اس لئے علمائے اسلام نے بھی ان کے مذہبی معتقدات کے بارے میں نہ کتابیں تصنیف کیں اور نہ محضر تیار کئے۔ بغداد کے علاوہ اندلس کے امویوں اور مغربی افریقہ کے ادریسی حسینیوں کی جانب سے بھی عبیدیوں کے دعوے نسب کی تردید کی گئی اور حرمین شریفین کے ہاشمی حکمرانوں نے بھی تکذیب کی اور خود عبیدی مدعی بھی سلسلۂ نسب صحیح طور سے متعین نہ کرسکے کبھی کچھ دعویٰ کیا کبھی کچھ۔ اسماعیلی مصنف فرماتے ہیں کہ:-

"دوسرا امر جو ہمارے مہدی کے دعوے کو کمزور کر دیتا ہے یہ ہے کہ مولانا مہدی کا نام علی بن حسین بتایا نہ کہ عبداللہ بن حسین جس طرح ہماری کتابوں میں ہے۔ (صفحہ ۳۹۵ ایضاً)

پھر سلسلۂ نسب کے بارے میں اپنے قدیم اسماعیلی داعیوں کے بیانات میں بے حد تضاد و تناقض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اگر ہم اہل ظاہر کے مورخین عالم اسلام یعنی ہم پر یہ الزام لگائیں کہ انھوں نے ہمارے ائمہ کا صحیح سلسلہ بتانے میں غلطی کی تو ہمارا یہ الزام درست نہ ہوگا۔ قصور تو ہمارا ہے نہ کہ ان کا۔ ایسے اختلافات ہی کی وجہ سے انھوں نے یہ کہا یہ لوگ اپنے مریدوں کو دھوکا دیتے ہیں ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حق تو یہ ہے کہ ہم نے امامت کے جو اصول اپنی طرف سے گھڑے تھے ان پر ہم خود کار بند نہ ہو سکے اور ان کی اہمیت کو ہم خود برقرار نہ رکھ سکے۔ وقت کو اصول کے مطابق بتانے کے لئے کبھی ہم نے کچھ کہا اور کبھی کچھ۔ جب تک ہمارے مہدی ظاہر نہ ہوئے تھے ہم یہ دعوی کرتے تھے کہ آخری زمانے میں جو مہدی ظاہر ہوں گے وہ آنحضرت صلعم کے والد کے ہم نام ہوں گے اس دعوے پر ہم نے حدیث کا رنگ چڑھا دیا لیکن ہمارے مہدی جو ۲۹۷ھ میں ظاہر ہوئے ان کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام حسین تھا اس لئے ہمیں مجبوراً یہ تاویل کرنا پڑی کہ مہدی سے آپ کے (فرزند مولانا محمد القاسم مراد ہیں جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا یہ تاویل کس طرح درست ہو سکتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارا دعوی غلط ثابت ہوا۔ کاش مولانا محمد اپنے فرزند کا نام عبداللہ اور مولانا عبداللہ اپنے فرزند کا نام محمد رکھتے تاکہ ہمارا دعوی لوگوں کو دکھانے ہی کے لئے درست ہو جاتا۔ سید ابو طالب نے تو مہدی کا نام علی بن الحسین بتایا ہے حالانکہ مہدی کا نام عبیداللہ تاریخ میں اتنا مشہور ہے کہ اہل ظاہر کے مورخین ہمارے اماموں کو عبیدیین لکھتے ہیں۔ مہدی کی شخصیت ہمارے دین میں بہت اہم ہے آپ کے نام ہی میں اگر ہمارے داعیوں میں اختلاف ہو تو ہمارا دعوی کس طرح صحیح ہو سکتا ہے" (ص ۱۳۶ ایضاً)

اسماعیلی مولف جیسے محقق کے عبیدی کے مندرجہ بالا اعتراف سے کہ ان کے ائمہ نے نسب کے بارے میں کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ عبیدیوں کے ادعائے فاطمیت کا تو گویا بھانڈا ہی پھوٹ گیا۔ بر خلاف اس کے مورخین کی تصریحات سے جن میں خود اہل خاندان کا بیان بھی شامل ہے یقینی طور سے ثابت ہے کہ محمد بن اسمٰعیل بن جعفر الصادق کی نسل سے عراق و شام و مغرب و مصر میں متعدد ذی وجاہت گھرانے مسکن گزیں رہے انھوں نے نہ عبیدیوں کے دعوے کو تسلیم کیا اور نہ ان کا کوئی تعلق قرابت عبیدیوں کی خواہش کے باوجود ان سے کبھی ہو سکا۔ اولاد اسمٰعیل بن جعفر الصادق کے مندرجہ ذیل شجرے کو جو ان کے اپنے خاندان کے ستر فسب کی تالیف

اور دیگر ہم عصر مورخین کی کتب انساب میں درج ہیں۔ عبیدیوں اور ان کے مورث کے شجرے بمقابلہ
اللہ کا مقابلہ ملاحظہ کرنے سے مدعیان فاطمیت کے جھوٹے دعوے کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔[1]

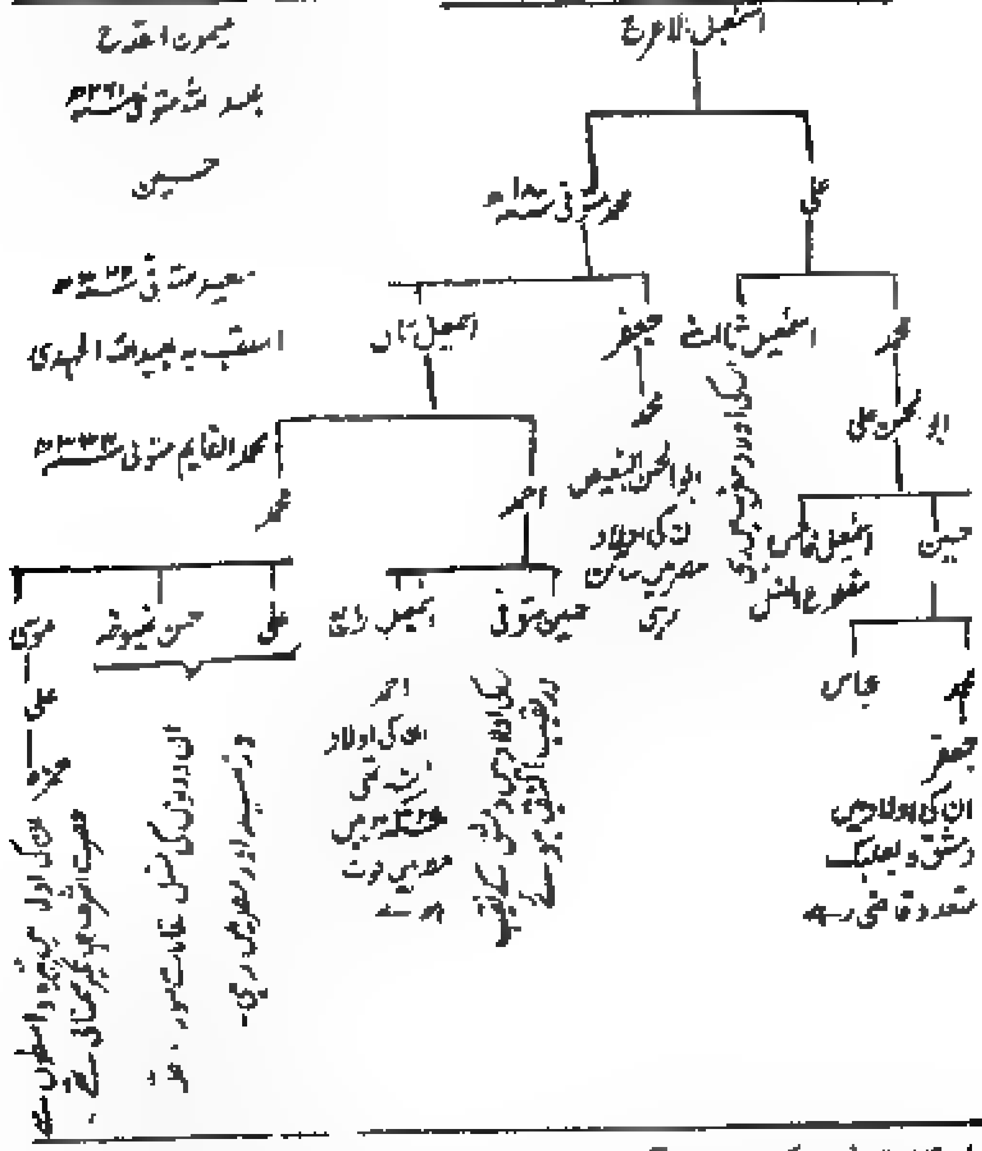

[1] تمام مستند نسابین کے برخلاف مقریزی اور ابن خلدون نے عبیدیوں کے دعوے نسب کی حمایت کی ہے۔ مقریزی تو اسی گروہ کے تھے ان کا بیان لائق اعتماد نہیں علاوہ ابن خلدون نے بھی قیاس آرائی سے زیادہ کام لیا ہے وہ بلند پایہ مورخ تھے مگر نسّاب نہ تھے ان کا زمانہ عبیدی حاکمان مصر کے تقریباً ڈھائی سو برس بعد کا زمانہ تھا عبیدیوں کے صحیح حالات کا ان کو [illegible] اسمٰعیلی مؤلف کہتے ہیں کہ اسمٰعیلیوں کی انجمن جسے وہ دعوت کہتے ہیں ایک مخفی [illegible] داخل ہے اس کے اسرار ہر کس و ناکس کو نہیں بتائے جا سکتے۔ [illegible] کوئی تاویل کام
(بقیہ نوٹ [illegible])

ذریت حسینؓ اور لقب الشریف کی تخصیص

مشہور مصری علامہ سید علی کا یہ بیان، جسے پچھلے اوراق میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مصر پر جب عبیدیوں کی حکومت قائم ہوگئی تو اولادِ حسینؓ کے لئے لقب الشریف کو انہوں نے مخصوص و متعلق کر لیا، بالفاظ دیگر ایرانی نسل عبیدیوں نے یہ لفظ و لقب جو زمانہ قبل اسلام سے جملہ عرب قبائل کے اکابر اور ممتاز اشخاص کے لئے بلا کسی تخصیص کے مستعمل رہا تھا اپنے سیاسی اغراض کی خاطر اولادِ حسینؓ کے لئے مخصوص کر لیا جن میں شامل ہونے کے لئے ایرانی نژاد عبیدیت اور فاطمیت کے پروپیگنڈے کے سلسلے میں مدعی ہوئے تھے۔ ان سے قبل بغداد کے شیعہ امیرالامراء بنی بویہ نے جیسا پہلے تفصیلاً بیان ہو چکا ہے جب موسیٰ بن جعفر (الصادقؒ) کے اخلاف میں سے ابو احمد حسین موسوی کے دونوں ذی علم مگر غالی مسلک فرزندان محمد و علی کو فروغِ رفض و شیعیت نیز تصنیف و تقریر بالخصوص نہج البلاغہ کے صلے میں "محمد علی ذی الحسبین" اور المرتضیٰ

نوٹ: (بقیہ صفحہ ۱۸۳ کا) بلیز حیثِ عہدہ یہاں کے نہیں پڑھایا جاتا علم حقیقت کے درجہ کو آپ ہی کم از کم پہنچے ہیں (ص ۱۲۱) دوسری جگہ لکھتے ہیں "ہمارے اسمٰعیلی بھائیوں کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ خود ہماری دعوت ایک مخفی یا محض حسابی کارروائی ظاہر نہیں کی جا سکتی تھی خلافت فاطمیہ کے زوال کے بعد مصر میں گنتی کے اسمٰعیلی رہ گئے تھے آج کل تو مصر میں وہاں کا کوئی مستقل باشندہ اسمٰعیلی نظر نہیں آتا شام اور فلسطین میں بھی کوئی نہیں" (ص ۱۲۱) عبیدیوں کی یہ دعوت جس کی اصل حقیقت اب خود اسمٰعیلی مؤلف کے بیان سے بخوبی طور سے منکشف ہوگئی ہے علامہ ابن خلدون پر بوجہ نہ ہو سکی علی ہذا وہ عبیدیوں کو بعض جہاں گردیدہ فرماتے کہ ان کا دین حق سے پھر جانا یا اکثر شیعہ ہونا ان کے نسب کو کیا مشکل بنا ہے۔ رفض و شیعیت کی تو یہ تحریک نہ تھی بلکہ جیسا ان اوراق میں تفصیلاً بیان ہوا زبردست دشمن اسلام تحریک تھی کوئی صحیح النسب ہاشمی دعوی حسینی اس کا بانی و محرک نہیں ہو سکتا تھا علامہ موصوف کا جید علمائے اسلام کے صدق مقال و تدین پر یہ حملہ اور ان سے یہ بدگمانی کہ بغیر تحقیق کے محض سنی سنائی بات پر انہوں نے عبیدیوں کے نسب کی تردید میں محضر تیار کیا تھا افسوسناک ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت اور عجیب بات یہ کہی ہے کہ محض کمزور خلفائے بنی عباسؒ کی خوشنودی کی خاطر ایسا کیا۔ یہ زمانہ تو امیر المومنین القادر باللہ کی خلافت کا تھا جو تقریباً نصف صدی طویل مدت خلیفہ رہے عبیدیوں اور باطنیوں کی اسلام دشمن تحریک کے استیصال کے لئے امیر المومنین نے سلطان محمود غزنوی کو متعین کیا تھا انہوں نے تعمیل حکم میں جو کارروائیاں کیں ان کا ذکر اوپر آیا ہے علامہ سلیمان ندوی نے اپنے مقالہ "خلافت اور ہندوستان" محمود غزنوی کے بارے میں لکھا ہے کہ

(بقایا نوٹ ۱۸۵ صفحہ پر)

ذی المجدین "خطابات عطا کرنے کے ساتھ ہی لقب الشریف کو بھی اس نوعیت سے شامل کیا کہ یہ حضرت الشریف الرضی و شریف المرتضیٰ ہی سے ہمیشہ مشہور و معروف رہے۔ ابتداء بغداد کے ایرانی النسل رافضی امیر الامراء نے کی تھی اور تکمیل مصر کے ایرانی نژاد حکمرانوں نے کی۔ یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے اس زمانے میں اور اس سے پہلے اور بعد بھی متعدد صحیح النسب علویوں حسنی و حسینیوں کی حکومتیں طبرستان و دیلم، یمن و مغربی افریقہ میں قائم ہوئیں اور مدتوں تک برقرار رہیں مگر ان میں سے کسی حکمراں نے نہ لقب الشریف و السید کو اظہار نسب محقق و مخصوص کیا اور نہ طالبی و ہاشمی و علوی و حسنی و حسینی کے بجائے اظہار نسب میں فاطمی کہا۔ یہ تخصیص لقب بھی مصر کے ایرانی نژاد عبیدی حکمرانوں کے دعوے مہدویت و فاطمیت کے سلسلے ہی کی ایک کڑی سمجھئے جیسا کہ اس گروہ کے تاریخی واقعات سے جواب تک بیان ہوئے جن کا اعادہ مختصر الفاظ میں اس موقع پر ضروری ہے واضح ہوگا۔

اے مسلم مورخین اور دیگر محققین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ نام نہاد فاطمی حکمران مصر کے مورث اعلیٰ میمون اور ان کا نامور فرزند عبید اللہ علاقہ اہواز (ایران) کے ایک قریہ کے باشندے اصل و نسل کے اعتبار سے ایرانی تھے منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہوئے وطن سے نکل کر کربلا پہنچے اور تربت حسینی پر اس مقصد سے معتکف ہو بیٹھے کہ ریاکارانہ زہد و عبادت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۸۴ کا)

"اپنی پوری جنگی قوت و طاقت کے باوجود وہ خلیفہ عصر اعتقاد رکھتا اور باطنی کی اطاعت کو اپنے لئے کتنا ضروری سمجھتا تھا ہر نئی کامیابی کا اطلاع نامہ دیوان خلافت میں فوراً بھیجا جاتا تھا کسی نئے ملک پر قبضہ و تصرف کرنے سے پہلے اسی دربار سے باقاعدہ اجازت چاہتا تھا دربار خلافت سے فتوحات کے موقع پر اس کے لئے جو خلعت آتے تھے اس کی خوشی نئے ملک کی فتح سے کم اس کو نہیں ہوتی تھی اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی عزت بڑی سے بڑی عظمت اور بڑے سے بڑا فخر حاصل تھا تاہم اس کی سب سے بڑی عزت سب سے بڑی عظمت اور سب سے بڑا فخر یہ تھا کہ ایوان خلافت سے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا ہوا...... ہندوستان کے باطنی اسماعیلیوں کے استیصال پر خلیفہ نے اس کو کہف الدولہ والاسلام کا خطاب دیا" (ص) مگر وہ خلیفہ کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے تعلیمات اسلامی مسخ کرنے والوں کی سیاسی چال کا پردہ چیدہ علمائے اسلام نے چاک کیا کیونکہ فاطمیت و مہدویت کے جھوٹے پروپگنڈے سے عوام کالانعام کو دام تزویر میں پھانس کر ان کے عقاید خراب کئے جا رہے تھے۔

گذارش زائرین کو متاثر کریں اور متبعین کی جماعت بنائیں اور ان کے ذریعہ خفیہ سیاسی تحریک کی بنیاد ڈالیں کربلا ہی کے قیام میں قرامطہ و باطنیہ کی بنیاد ڈالی بصرے اور یمن میں اپنے ایجنٹ تعین کئے۔ انہدام کربلا کے بعد ایران کے مختلف مقامات میں پھرتے رہے میمون تو اسی عرصہ میں فوت ہوگیا عبداللہ بصرے میں مقیم ہوا اسی نسبت مکانی سے بصری کہلایا چنانچہ ابن جریر طبری نے جو اس کے معاصر تھے اس کے فرزند کو ابن البصری لکھا ہے (طبری ج ۱۲) آخر میں بصرے کی سکونت ترک کرکے ملک شام چلا گیا اور مقام سلیمہ میں مقیم ہو کر اپنے مخصوص داعیوں سے رابطہ قائم رکھا ۲۶۱ھ میں عبداللہ کی وفات ہوگئی اس کے متبعین قرامطہ اور دوسرے داعیوں نے تحریک سرگرمی سے جاری رکھی۔

۳۔ دعوت جدیدہ کا ایک کارگزار داعی ابو عبداللہ الشیعی یمن سے مصر ہوتا ہوا مغربی افریقہ کے توہم پرست و نیم وحشی قبائل میں تبلیغ دعوت کے لئے جا پہنچا اس کے ظاہری زہد و تقشف کا اثر ان بربریوں پر جن کی خصوصیات میں بقول اسماعیلی مورخ باطل پرستی توہمات میں انہماک اور سرعت قبول شامل تھے روز بروز بڑھتا گیا پندرہ سولہ برس کی مسلسل جد و جہد کے بعد بربریوں کی بڑی جمعیت اس کے ساتھ ہوگئی چنانچہ ۲۹۶ھ میں ابو عبداللہ الشیعی نے عبداللہ کے بیٹے یا پوتے کو جس کا نام بعض مورخین نے سعید بعض نے حسین اور بعض نے عبداللہ بن حسین لکھا ہے ملک شام سے بلا کر بمقام سجلماسہ (مغربی افریقہ) میں عبیداللہ المہدی کی حیثیت سے ظاہر کیا مگر تھوڑے عرصہ بعد ابو عبداللہ الشیعی اور اس کا بھائی ابو العباس جو اس مہدی کے حالات سے پہلے سے واقف نہ تھے اس کی حرکتیں دیکھ کر اس سے منحرف ہوگئے اور حسب بیان اسماعیلی مولف بربری سردار کے روبرو اپنے اپنے شکوک ان الفاظ میں ظاہر کئے۔

"اس مہدی کے افعال اس مہدی کے مانند نہیں ہیں جس کی طرف میں دعوت کرتا تھا مجھے غلط فہمی ہوگئی ہے اور میں نے ابراہیم خلیل اللہ کی طرح دھوکا کھایا ہے کہ جب انہوں نے ستارے کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ میرا رب ہے پس تجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ ہم ان کا امتحان لیں اور ان سے ایسے وصف کا ثبوت طلب کریں جنہیں نسب دان علم میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔"

(ص ۱۹۲ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

بعض بربری سردار بھی ابو عبداللہ الشیعی اور اس کے بھائی ابو العباس کے ہم خیال ہوگئے مگر ان لوگوں کی بغاوت ناکام رہی مہدی نے ان سب کو مروا ڈالا اور اپنی حکومت مستحکم کرکے مغربی

افریقہ میں مہدیہ نام سے نیا شہر آباد کر کے دار الحکومت قرار دیا۔

۳۔ ۳۲۲ھ میں یہ عبید اللہ المہدی تو ہلاک ہو گیا اس کے بیٹے محمد نے جو القائم بامر اللہ کہلایا بارہ برس حکومت کی ۳۳۴ھ میں فوت ہو گیا اس کے بعد اس کا بیٹا اسماعیل بن محمد مذکور المنصور باللہ کے لقب سے حکمران ہوا ۳۴۱ھ میں جب وہ فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا معد بن اسماعیل جانشین ہوا المعز لدین اللہ لقب اختیار کیا۔ بیس اکیس برس مغربی افریقہ میں حکمران رہا ۳۶۲ھ میں جب اس کے سپہ سالار جوہر نے خلافت عباسیہ کے مصری عامل کافور الاخشیدی کو شکست دے کر مصر پر تسلط کر لیا ۶۵ برس تک بلاد مغرب میں حکومت کرنے کے بعد یہ عبیدی مصر کو منتقل ہو گئے جہاں انھوں نے اپنے کو فاطمیین سے موسوم کیا۔

۴۔ مصر پہنچ کر عبیدیوں نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی اس زمانہ میں قرامطہ کے لیڈر حسین بن احمد قرمطی بڑی جمعیت کے ساتھ الاحسا سے ان پر حملہ آور ہوئے پہلے المعز نے قرمطی سے مکتوب ارسال کیا جس میں لکھا تھا کہ ہمارے اور تمہارے بزرگوں کی دعوت تو قدیم سے ایک ہی ہے مذ ھو قتلوا لمعد (البدایہ ج ۱۱ ص ۲۷۳) مگر قرمطی نے علاقہ شام کے ایک سردار حسان الطائی کو اپنے ساتھ شامل کر کے المعز کی فوج پر شدید حملہ کر دیا المعز نے (۱۰۰) لاکھ دینار کی رشوت طی کے سردار کو دے کر یہ حملہ ناکام کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد المعز نے ملک شام و حجاز پر چڑھ گئے پھر مصر واپس آکر مشہور کیا کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک جو کہتے ہیں کہ عسقلان میں ۶۱ھ میں دفن کیا گیا تھا اب ۳۶۲ھ میں منتقل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اب تک مصر میں مسجد سیدنا حسینؓ آپ کی یادگار بتائی جاتی ہے

۵۔ المعز کے فوت ہو جانے پر اس کا بیٹا نزار ۳۶۵ھ میں العزیز باللہ کے لقب سے جانشین ہوا ۲۱ سال حکومت کی ۳۸۶ھ میں فوت ہوا اس کا بیٹا حسین الحاکم بامر اللہ لقب سے مسند حکومت پر بیٹھا مولف نزہۃ القلوب نے اسی کے زمانہ کی انتہائی خبیثانہ حرکت کے اقدام کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

حاکم اسماعیلی کہ ششم خلیفہ بنی فاطمہ منسوب بود از مدینہ علوی را بفریفت تا در شب از خانہ او نقب بروضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زند تا امیر المومنین ابوبکر صدیق و عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما از آں روضہ بیرون آورند وہر چہ خواہند با ایشاں کنند (ص ۱۳)

حاکم اسماعیلی نے جو مغرب (مصر) کا چھٹا خلیفہ بنی فاطمہ (عبیدیوں) میں سے ہے مدینہ کے ایک علوی کو اس غرض سے بہکایا کہ رات کے وقت اس کے گھر میں سے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نقب لگائیں تاکہ (حضرت) ابوبکر الصدیقؓ اور عمر بن الخطابؓ کو روضے سے باہر نکال لائیں

اور ان کے ساتھ (اپنی شہوتوں کے ساتھ) جو دل
چاہیں کریں۔

اسی حاکم عبیدی کے مصاحبین میں سے ایک شخص کے متعلق علامہ ابن کثیر نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ۴۱۳ھ میں وہ مصری حاجیوں کے زمرے میں شامل ہو کر مکہ معظمہ پہنچا تھا طواف کعبہ کرتے ہوئے حجر اسود پر ہتھوڑے سے تین ضربیں لگائیں (فضربہ بدبوس کان معہ ثلاث ضربات متوالیات) (ج ۱۲ ص ۱۳) ہتھوڑا مارتے وقت کہتا جاتا تھا کہ آج میں اس عمارت کعبہ کو بھی ڈھا دوں گا (وانی اھدم الیوم ھذا البیت. ریفتا) لوگوں نے اس خبیث ہی کے ٹکڑے کر دیئے۔ اسی حاکم کے بارے میں ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ اپنے ایک سردار ابو الفتوح کے ساتھ فوجی دستہ ان ایام میں مدینہ کو بھیجا جب چند روزہ تسلط اس کا حجاز پر ہو گیا تھا یہ چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مصر لے آئے تاکہ حضرت حسینؓ کے مفروضہ سر کی مسجد کے علاوہ روضہ منورہ بھی قائم کر سکے کہتے ہیں کہ جب یہ خبیث حصول مقصد کے لئے روضۂ مبارک کو منہدم کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ بس تو یکایک اضطراب پھیل گیا ایک قاری نے یہ آیت بلند آواز سے تلاوت کی:۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

(۹ — ۱۳)

کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے سب عہد و پیمان توڑ دیئے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکالنے کا ارادہ کر لیا اور شرارت کی ابتداء انہی کی طرف سے ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے تم اسی سے ڈرو۔

آیت مبارکہ کی تلاوت سے مسلمانوں میں بجلی سی دوڑ گئی اور باوجود ان خبیثوں کے مسلح ہونے کے ان کا سخت مقابلہ کیا ساتھ ہی چمک و کڑک کے ساتھ خوفناک آندھی آئی یہ خبیث خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔

۹۔ تقریباً ۲۵ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۱۱ھ میں الحاکم عبیدی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ شخص ظالم و سفاک اور قبیح سیرت تھا۔ اسماعیلیہ کی ایک شاخ جو دروزی کہلاتی ہے اسی سے منسوب ہے۔ اسماعیلی مؤلف کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دروزیوں کا مذہب ہمارے ہی اسماعیلی مذہب کا

آخری نتیجہ ہے جو طول اور تناسخ پر مبنی ہے بڑھتے بڑھتے دروزی یہاں تک بڑھے کہ مولانا حاکم کو ہی خدا سمجھنے لگے کیونکہ مذہب کی اصولی تعلیم یہی ہے کہ امام ہی خدا تعالیٰ کی صفتوں سے جو کلام مجید میں آئی ہیں حقیقی طور پر موصوف ہے (صـ۲۲۶) اسی الحاکم نے لقب الشریف والسید کو اولاد حسین سے لئے مختص کیا تھا اور اسی الحاکم کے بارے میں اسماعیلی داعیوں نے بقول اسماعیلی مؤلف یہ پیش گوئیاں کیں کہ انہی کے زمانے میں ذریت طاہرہ (اولاد حسین) کی طرف دین کا امر لوٹے گا اور اسے وہی قوت حاصل ہوگی جو پیغمبر صلعم کے زمانے میں تھی مولانا حاکم ہی وہ امام ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا تمام اسلامی ممالک میں جہاں غلط مذہب رائج ہے اسماعیلی مذہب پھیلے گا۔ آپ بڑے ہوں گے آپ کا سن چالیس سال سے زائد ہوگا۔ آپ کی داڑھی ہوگی اور آپ تمام اضداد یعنی بنو عباس اور بنو امیہ پر جنہوں نے اماموں کا حق غصب کیا ہے غلبہ پائیں گے مومنین کی تمام امیدیں دین اور دنیا میں پوری ہوں گی ..... دین کو پوری قوت حاصل ہوگی اور وہ ذریت طاہرہ (یعنی اولاد حسین) کی طرف لوٹے گا۔"

ان پیش گوئیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں :-

"لیکن ان میں سے ایک امر بھی وقوع میں نہ آیا۔ نہ آپ کی الحاکم عبیدی کی عمر چالیس سال کی ہوئی نہ آپ نے بنو عباس اور بنو امیہ کو مسخر کیا۔ نہ آپ کے عہد میں دین کو قوت حاصل ہوئی جو پیغمبر کے زمانے میں تھی ..... دوسرے ممالک میں اسماعیلیت کا شائع ہونا تو کجا خود آپ ہی کے پایۂ تخت یعنی مصر میں دروزیوں کا فرقہ نکلا جس کی وجہ سے اسماعیلیت کو بڑا صدمہ پہنچا (صـ۲۱۷) پھر فرماتے ہیں کہ :- "مولانا حاکم کے زمانے میں فاطمی حکومت کے سیاسی اور مذہبی پہلو کمزور ہو چکے تھے اگر ایسی پیشین گوئیاں نہ کی جاتیں تبعیوں کے عقیدوں میں تزلزل پیدا ہو جاتا اور وہ اسماعیلی دعوت سے پھر جاتے ہماری کتابوں کے چھپانے کی منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے" (صـ۲۱۸)

گویا اسماعیلی مؤلف کے اس اعتراف ہی سے ثابت ہے کہ اپنی حکومت کے سیاسی اور مذہبی پہلو کی کمزوری کے پیش نظر جہد و سعیت و فاطمیت کے پروپیگنڈے کی تقویت کے لئے جہاں "راس الحسین" کی مسجد تعمیر کی گئی روضہ منورہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منتقلی کا ناکام اقدام کیا گیا اسی کے ساتھ لقب الشریف کو قریشیوں و ہاشمیوں کے علی الرغم اولاد حسین سے مختص کیا گیا

اور بقول اسماعیلی مؤلف اسماعیلی تعلیمات کو خفیہ رکھنے اور اپنی کتابوں کو چھپانے کی کوشش کی گئی کیونکہ اسماعیلیت کا بنیادی اصول یہ بتایا جاتا تھا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے آدم کی شریعت کے ظاہر کو نوحؑ کے قیام سے معطل کیا اور نوح کی شریعت کے ظاہر کو ابراہیم کے ظہور سے معطل کیا اسی طرح عیسیٰ کی شریعت کے ظاہر کو آنحضرتؐ کی بعثت سے معطل کیا اور آنحضرت صلعم کی شریعت کے ظاہر کو مولانا محمد بن اسمٰعیل کے قیام سے معطل کیا (صفحہ ۱۰۱)

اسماعیلیت کے اس بنیادی اصول کے بارے میں خود ہی اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں کہ:۔

"مولانا محمد بن اسماعیل کو حضرت آدم سے ساتواں رسول مانتا ہیں کے قیام سے اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا یہ ایسے عقائد ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں ہماری کتابوں کو چھپانے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ان میں ایسے عقائد درج ہیں جو بالکل اسلام کے خلاف ہیں۔"

(صفحہ ۱۱ کتاب ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

مندرجہ بالا تصریحات اور اسماعیلی مؤلف کے بیانات اور واضح اعتراف سے کیا یہ بات روز روشن کی طرح ہویدا نہیں ہو جاتی کہ عبید اللہ بن میمون القداح نے اپنی سیاسی تحریک کو مذہب کا لبادہ پہنایا اور بقول ایک مستشرق جس کے اقتباسات "تحقیق مزید" میں دیئے گئے ہیں بے مثال دلیرانہ مستقل مزاجی کے ساتھ بروئے کار لایا گیا جو ہمارے جذبات حیرت و استعجاب کو برانگیختہ کرتا ہے اور اگر ہم اس مقصد اور غرض کو فراموش نہ کریں جس کی خاطر یہ سب کچھ کیا گیا (یعنی اسلام کی بیخ کنی اور اسلامی سیاسی نظام کی تباہی) تو وہ ضرور ہماری پرجوش مدح و تحسین کا مستحق ہو سکتا تھا" عبید اللہ کے زمانہ میں مہدی موعود اور فاطمی نسب کے ادعا چونکہ حصول مقصد کی خاطر متبعین کی جماعت فراہم کرنے میں زبردست آلہ کار ثابت ہوئے تھے کیونکہ یہی ہتھکنڈے اس زمانہ میں دوسرے سیاسی قسمت آزما بھی استعمال کر رہے تھے یہی حربہ اس نے بھی استعمال کیا اور اپنی اس خفیہ سیاسی تحریک کو نہایت ہوشیاری، مستقل مزاجی، حسن تدبیر اور انسانی قلوب کی گہری معرفت کی بدولت عملی جامہ پہنایا اس کے اخلاف کو اس تحریک کا بار آور ثمرہ ملا، سیاسی اقتدار حاصل ہوا، دو صدیوں تک مذہبی فرقے کے پیشوا اور امام کی حیثیت سے حکومت کی، یہ حکومت بقول اسماعیلی مؤلف عباسی اور اموی حکومتوں کے مقابلے اور ان کی تخریب و استیصال کے مقصد سے عالم وجود میں آئی تھی "فاطمی خلافت" کے نام سے موسوم کیا گیا اس وقت تک صحیح النسب فاطمیوں یعنی

اولادِ حسن و حسین رضی اللہ عنہ نے اظہارِ نسب میں علوی و حسنی و حسینی نسبتوں کے علاوہ فاطمی کہلانا یا الشریف والسید بااظہارِ نسب استعمال کرنا اختیار نہیں کیا تھا عبیدیوں نے بقول علامہ سیوطی الشریف والسید کو مختص و مخصوص کیا یہ واقعہ پانچویں صدی ہجری کا ہے اس کے بعد سے اسماعیلی داعی ناصر خسرو و ابو نصر ھبۃ اللہ شیرازی وغیرہم کی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں ایران و خراسان و ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری سے اولادِ حسین کی سیادتِ نسبی کا چرچا ہونے لگا مگر حجاز و شام وغیرہ میں جہاں صحیح النسب قریشی و ہاشمی قبائل شروع سے آباد ہیں اظہارِ نسب میں نہ کبھی السید والشریف استعمال ہوئے اور رائج ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کا یہ عبرت آموز باب ہے کہ مہدی موعود کے ادعا سے شریعتِ محمدیہ کو معطل کرنے یعنی نماز روزہ حج و زکوٰۃ و دیگر ارکان اسلام کو منسوخ تاویلات باطلہ سے عقائدِ اسلام کو مسخ کرنے قرآن شریف کو محرف بتا کر اور اس کی آیات کی لغو تاویلات کرکے اس کی ضیائیت ختم کرنے اور محمد بن اسماعیل کو حضرت آدم سے ساتواں رسول قرار دے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر حرف لانے اور اسی طرح سے دیگر محرمات کو جمہور مسلمین نے عموماً اور قریشی و ہاشمی عباسی و علوی اکابر نے خصوصاً تعلیمِ اسلامی کی تخریب کا موجب قرار دے کر اس کے ابطال کی کوششیں کیں لیکن غیر طبقاتی ملتِ اسلامیہ میں نسبی و نسلی امتیاز و تفریق پیدا کرنے کے لئے عبیدیوں نے القاب الشریف والسید کو باظہارِ نسب مخصوص کرنے کی جو بدعت قائم کی تھی ایران اور ہندوستان میں اسے بمرورِ زمانہ تفاخر بالآباء کے جذبے سے اختیار کر لیا گیا اور خروجِ مہدی و فاطمیت کی موضوعات کو بھی بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا اور متاخرین صوفیہ نے بھی اپنے مقاصد کے لئے اختیار کیا۔ "خروجِ مہدی" کے مختصر حالات تاریخی واقعات کی روشنی میں ملاحظہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ سیاسی اقتدار کے حصول کی دوڑ میں سیاسی قسمت آزماؤں نے مہدی موعود کا ادعا کس درجہ مفید مطلب سمجھا تھا۔

خروجِ مہدی

سب سے پہلے ۶۶ھ میں یعنی سانحہ کربلا کے پانچ برس بعد ایک سیاسی قسمت آزما مختار بن ابی عبید ثقفی نے اپنے متبعین کی جماعت فراہم کرنے کی غرض سے حضرت علی کے فرزند جناب محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کو "مہدی" قرار دے لیا تھا۔ تحریرات میں "ابن المہدی" سے خطاب کرتا مگر وہ

حضرت اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے اور اپنے مخالفین پر غلبہ پانے کی غرض سے مختار نے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا۔ وھو فی نفس الامر متستر یذلک لیجتمع علیہ رعاعا من الشیعۃ الذین بالکوفۃ لیقیم لہ دولۃ (البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۷۷) مورخین نے اس کو کذاب کہا ہے اور سوء اعتقادی سے متہم کیا ہے۔ مختار ثقفی ہی پہلا شخص ہے جس نے سیاسی مقصد سے "مہدی" کا پروپیگنڈا کیا تھا اس کے بعد نصف صدی تک جو اموی خلافت کا عہد نصف آخر تھا کسی اور شخص نے مہدی کے ادعا سے خروج نہیں کیا تھا حضرت حسینؓ کے پوتے اور پڑپوتے زید علی بن حسینؓ اور یحیٰی بن زید مذکور کے جو نام خروج ۱۲۲ھ و ۱۲۵ھ میں امیر المومنین ہشام بن عبد الملک اموی جیسے نیک سیرت خلیفہ کے عہد میں اور اس کے بعد ہوئے وہ محض طلب خلافت کی غرض سے تھے۔ مہدویت کے یہ حضرات مدعی نہ تھے۔ صحیح النسب علویوں میں سے سب سے پہلے جن صاحب نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعوے سے خروج کیا وہ حضرت حسنؓ کے پڑپوتے محمد بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰؒ بن حسن بن علی بن ابی طالب تھے۔ لقب ان کا الارقط تھا۔ محمد الارقط کہلاتے تھے (جمہرۃ ابن حزم) مہدی کے مدعی ہو کر "محمد المہدیؒ" کہلانے لگے۔ انھوں نے یہ خروج ۱۴۵ھ میں کیا تھا یعنی عباسی خلافت قائم ہوئے ۱۳ برس بعد عہد خلافت امیر المومنین ابو جعفر عبد اللہ المنصورؒ مدینہ میں خروج کیا اور عباسی سردار لشکر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کے مقابلہ میں مع اپنے کئی ہمراہیوں کے مقتول ہوئے۔ محمد الارقط خلقتاً ہکلے تھے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلتی تھی۔ ان کے خروج کی تائید میں جو حدیثیں وضع ہوئیں ان میں ان کی اس خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا گیا یعنی شیعہ مولف مقاتل الطالبین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اولاد میں ایک مہدی ہوگا جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور اس کی آواز میں خرخراہٹ ہوگی فی لسانہ رتۃ (مقاتل الطالبین صفحہ ۲۳۲) سبائیوں نے ان کے مقتول ہو جانے کے بعد انھیں "النفس الزکیہ" کا خطاب دیا۔ عمدۃ الطالب کے شیعہ مؤلف لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مدینہ کے مقام احجار الزیت پر میری اولاد میں سے ایک "نفس الزکیہ قتل" ہوگا۔ سبائیوں کی اس اختراع کو اتنی شہرت دی گئی کہ غیر شیعہ مولفین بھی نام کے بجائے "النفس الزکیہ" ہی لکھتے رہے سبائیوں کی اس وضعی حدیث کے علاوہ اور بھی حدیثیں اور روایتیں وضع ہوئیں۔

آمد و خروج مہدی کے متعلق مندرجہ ذیل روایت حضرت علیؓ سے منسوب کی گئی ہے منسوب کرنے والے ابواسحٰق النسفی ہیں جن کی عمر حضرت علیؓ کی وفات کے وقت صرف چھ سات برس کے درمیان تھی یعنی ولادت ان کی ۳۳ھ کی تھی اور حضرت علیؓ ۴۰ھ میں مقتول ہوئے تھے باوجود اس درجہ کم سنی کے سنن ابو داؤد و دیگر کتب میں ان سے یہ روایت ہے کہ:۔

عن ابی اسحٰق النسفی قال قال علیؓ ونظر الی ابنہ الحسن ان ابنی ھذا سیدٌ کما سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیخرج من صلبہ رجلٌ یسمی باسم نبیکم یشبہہ فی الخلق ولا یشبہہ فی الخلق یملأ الارض عدلاً۔

ابو اسحٰق النسفی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حسن کو دیکھکر کہا کہ میرا یہ بیٹا سردار (سید) ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام رکھا ہے عنقریب اس کے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا اخلاق میں ان سے ملتا ہوا ہوگا اور صورت میں نہ ملتا ہوگا یہ روئے زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔

تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت حسنؓ کے اپنے بیٹوں میں سے تو کسی نے مہدی ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا تھا البتہ ان کے فرزند حسن مثنیٰ کے ایک پرپوتے محمد الارقط بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ مذکور نے جیسا ذکر ہو چکا ہے ۱۴۵ھ میں مہدی کے دعوے سے طلب خلافت کے لیے خروج کیا تھا۔ تاریخ اسلام میں یہی پہلے شخص تھے جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر نسل حسنؓ کے ان جناب مہدی کا یہ خروج قطعاً ناکام رہا روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینے کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ خروج کے چند گھنٹے بعد ہی حکومت کے فوجی دستے نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا شیعوں نے ان کو ایک وضعی حدیث سے "النفس الزکیہ" کا لقب دیا تھا۔ پھر چند ہفتے بعد ان کے برادر حقیقی ابراہیم نے بصرے میں خروج کیا وہ بھی مع اپنے ساتھیوں کے مارے گئے۔[1] ان خروجوں کے تقریباً ستر سال بعد

---

[1] محمد الارقط کے فرزند عبداللہ الاشتر بھی اسی زمانہ میں خلافت عباسیہ کے سرحدی صوبہ سندھ میں جس سے ملحقہ علاقے اس زمانہ میں نواح کابل تک پھیلے تھے پہنچ گئے تھے مگر چند سال بعد نواح کابل کے ایک مقام پر گورنر صوبہ کے فوجیوں کے مقابلہ میں قتل ہو گئے تھے۔

سنہ ۱۶۹ھ میں ان کے ایک اور بھائی اور دوسرے عزیزوں نے خروج کیا تھا مدینہ کے مقام فخ پہ حکومت وقت کے لشکریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ پھر ان مقتولین کی تقدیس میں حدیثیں وضع ہوئیں شیعہ مؤلف مقاتل الطالبیین سے یہ دو حدیثیں سنئے: ایک میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر جب مقام فخ پر ہوا (یعنی ان باغیوں کے مارے جانے سے ایک سو ساٹھ برس پہلے) آپ سواری سے اترے ایک رکعت نماز ادا کی جب دوسری پڑھنی شروع کی تو رونے لگے آپ کو روتا دیکھ کر آپ کے ساتھی بھی رونے لگے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں سے سبب رونے کا دریافت کیا لوگوں نے عرض کیا: رسول اللہ! آپ کو جب روتے دیکھا ہم بھی رونے لگے آپ نے اس پر فرمایا جب میں پہلی رکعت پڑھ رہا تھا جبریل نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! تمہاری اولاد میں سے یہاں ایک شخص قتل ہوگا جسے کئی شہیدوں کا ثواب ملے گا (صفحہ ۴۳۶) اس لغو اور جعلی روایت سے کہیں زیادہ لغو اور جعلی روایت زید بن علی (زین العابدین) کی سند سے یوں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے صحابہ کے مقام فخ پر نماز جنازہ پڑھی پھر فرمایا اس جگہ میرے اہل بیت میں سے مع جماعت مومنین یہاں قتل ہوں گے ان کے لئے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے (صفحہ ۴۳۶ ایضاً) یہ ہے ادنیٰ نمونہ ان خرافات کا جو حکومت وقت کے خلاف بغاوتوں میں مقتول ہونے والوں کی تقدیس میں وضع ہوتی رہیں اور سیاسی اقتدار کے حصول

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۹۳ کا) ایک کنیز کے بطن سے ایک بیٹا ہوا تھا جس کا نام اپنے والد کے نام پر محمد رکھا تھا علاقہ کابل میں پیدا ہونے کی بنا پر یہ محمد الکابلی کہلائے۔ بعض شیعہ مصنف کتاب نسب قریش ان کے متعلق لکھتے ہیں: وقد ولد بکابل وقدم به وبامه بعد موت ابیه وهی ام ولد (ص ۵۶) یعنی یہ محمد (فرزند عبداللہ الاشتر) کابل میں پیدا ہوا اور پھر ماں کے ساتھ جو کنیز تھی یہاں لایا گیا خلیفہ وقت امیر المومنین ابو جعفر المنصور نے اس بچے کی پرورش کے لئے وظیفہ مقرر کر کے ان کو خاندان کے پاس بھیج دیا۔ یہ محمد بن عبداللہ الاشتر بن محمد ملقب بہ المہدی صاحب نسل ہوئے ان کے اخلاف میں بعض ذی وجاہت اور ذی علم گھرانے مختلف دیار و امصار میں آباد ہوئے ہندوستان میں بھی جیسا مجملاً ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے بعض معزز و ذی علم و وجاہت گھرانے آباد رہے۔ قبر پرستی کی مہم طریقی دیکھئے کراچی کے مقام کلفٹن پر کسی نامعلوم قبر کو عبداللہ الاشتر مقتول کابل کا مرقد بتانے کی شرمناک حرکت کا ارتکاب کیا جا رہا ہے حالانکہ اوپر کی مستند ترین کتب انساب کی تصریحات کے مطابق معلوم ہونا چاہئے کہ عبداللہ الاشتر لگ بھگ بارہ سو برس پہلے نواح کابل میں حکومت کے باغی کی حیثیت سے قتل ہو گئے تھے پھر ان کے مدفن کے کراچی میں ہونے کا کیا تک ہے۔

کے لئے خروج کرنے والے اپنے کو مہدی کہتے تھے مقتول ہو جانے پر انہیں شہید کہا گیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات میں قایم حکومتوں کے خلاف خروج کرنے کی سخت مخالفت ہے منجملہ دیگر متعدد ارشادات کے زبان مبارک سے من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات میتۃ جاهلیۃ (یعنی جس شخص نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور اسی حالت میں (بغیر توبہ کئے) مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ بہر حال وقتاً فوقتاً باغی مقتولین کی ہلاکت کو شہادت کہکر اس قسم کی مہمل اور لغو روایتیں وضع کرتے رہے جن کا نمونہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسری تیسری صدی ہجری میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نسبی ونسلی تفوقوں کے مسلسل پروپیگنڈے نے جو فضا پیدا کر رکھی تھی بیسیوں حدیثیں اور روایتیں اس مقصد سے کوفہ اور بصرے وغیرہ کی ٹکسالوں میں وضع ہوتی رہیں کہ ملت اسلامیہ کی سرداری وسیادت کا استحقاق فلاں گھرانے کے اشخاص کو حاصل ہے اور اسی گھرانے میں وہ ہستی بھی یعنی مہدی عالم وجود میں آئیگی جو ظلم و جور سے بھری ہوئی اس دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گی زمین اپنے خزانے اگلے گی اور امت مسلمہ نعمتوں سے مالا مال ہو جائیگی اور مہدی تمام اسلامی ممالک کو اپنے زیر اقتدار لے آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ و امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے مہدی کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیحین میں درج نہیں کی یا تو ان ائمہ حدیث کو ایسی کوئی حدیث نہ مل سکی یا وضعی جانکر چھوڑ دیا۔ سنن نسائی میں بھی آمد مہدی کی کوئی حدیث نہیں حالانکہ حافظ ابو عبدالرحمن احمد نسائی کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی تھی اور اس زمانہ میں طلب خلافت کے لئے مہدیت کا چرچا جو اصل وجہ ایسی حدیثوں کے گھڑنے کی ہے شباب پر تھا۔ ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ و ابو داؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ اور ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ۔ البتہ آمد مہدی کی حدیثیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں بایں تفصیل ابن ماجہ کی سات، ابو داؤد کی دس اور ترمذی کی چار۔ میزان کل ۲۱۔ کتب حدیث کے علاوہ دیگر کتب العصر حق وغیرہ میں بھی اس بحث پر متعدد روایتیں اور حدیثیں ملتی ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے شہرۂ آفاق "مقدمہ" میں ایک خاص باب آمد مہدی کا قائم کرکے کوئی تیس حدیثوں اسناد پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو ان کی کتاب (عربی اڈیشن) کے ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتب اسماء الرجال والمذاہب کے اقوال سے بتایا ہے کہ راویوں میں کون کون شیعہ و متشیع ہیں کون مشہور بالتشیع ہے کون منکر الحدیث ہے کون مدلس و ضعیف ہے اور کون ناقابل اعتبار بلکہ شیعی و مجہول ہے چنانچہ صاف کہا ہے کہ آمد مہدی کی ان حدیثوں میں شاید ہی کوئی حدیث ایسی ہے جو سقم سے خالی ہو۔[1]

مفہوم و مضمون کے اعتبار سے ہر حدیث کا جدا اسلوب اور نیا روپ ہے۔ مختلف اور متضاد الفاظ مہدی و آمد مہدی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں۔

بعض حدیثوں میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میرے اہلبیت میں سے ہوگا۔ من اہل بیتی بعض میں ہے کہ قریش میں کا کوئی شخص ہوگا۔ رجل من قریش۔ بعض میں ہے کہ میری امت میں سے کوئی شخص ہوگا رجل من امتی کسی میں کہلایا ہے کہ مدینہ کے لوگوں میں سے ایک شخص ہوگا رجل من اہل المدینۃ

بعض حدیثوں میں ہے کہ مہدی اولاد فاطمہؓ یا بنی فاطمہ سے ہوگا المہدی من ولد فاطمۃ او من بنی فاطمۃ اور بعض میں کہا گیا ہے کہ میرے چچا عباسؓ کی اولاد میں سے مہدی ہوگا۔ المہدی من ولد العباس عمی (الصواعق المحرقۃ ص۱۳) چنانچہ مزید تصریح میں یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں:-

العباس عمی ابو الخلفاء وان من ولدہ السفاح والمنصور والمہدی یا عم بی فتح اللہ ہذا الامر ویختمہ برجل من ولدک (ایضاً ص۱۳)	عباس میرے چچا جد الخلفاء ہیں انکی اولاد میں السفاح والمنصور والمہدی ہوں گے۔ اے چچا اس امر کا آغاز مجھ سے ہوا اور اختتام تمہاری اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ ہوگا۔

تقریباً اسی مضمون کی ایک وضعی حدیث مستدرک حاکم میں مجاہد کی روایت سے ہے جس میں السفاح والمنصور والمہدی کے علاوہ ایک نام المنذر کا بھی شامل ہے یعنی مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا منا اہل البیت اربعۃ منا السفاح ومنا المنذر

---

[1] برادر محترم علامہ رحمت اللہ طارق مدفیوضہ نے "خروج مہدی" نام ایک کتاب نہایت تحقیق سے تالیف کی ہے ابن ماجہ و ابوداؤد و ترمذی میں جو ایسی حدیثیں مہدی کے بارے میں ہیں ان سب کے اسناد پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ سب وضعی اور راویوں کی من گھڑت ہیں امید ہے کہ یہ کتاب جلد طبع ہو کر شائقین کے مطالعہ میں آئیگی۔

ومنا المنصور ومنا المہدی (چار شخص ہم اہلبیت میں سے ہوں گے السفاح ہم میں سے والمنذر ہم سے اور المنصور ہم سے اور المہدی ہم میں سے ہوں گے) مجاہد کے پوچھنے پر ہر ایک کی صفت بیان کرتے ہوئے مہدی کے بارے میں کہا " اور مہدی دنیا کو انصاف اور عدل سے بھر دیں گے جس طرح وہ ان سے پہلے ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔ چوپائے درندوں سے بے خوف ہو کر رہیں گے۔ زمین اپنے جگر پارے (یعنی سونے چاندی کی سلیں) اگل دے گی" وضاعین نے تین چار روایتیں اس مضمون کی بھی گھڑی ہیں کہ جب مشرق سے یا خراسان سے (جیسا ایک حدیث میں نام کی تصریح بھی ہے) کالے پرچم لئے لوگ نکلیں اور اس طرح قتال کریں جو کسی قوم نے بھی نہ کیا ہو تو تم بیعت کرو اس کے ہاتھ پر خواہ وہ سب گھسٹ کر چلیں برف پر کیوں کہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔ ان میں سے ایک روایت حضرت ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سے منسوب کی گئی ہے جن کی وفات ۵۴ھ ہوئی تھی اس وضعی حدیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں یعنی حضرت ثوبان سے یہ کہلوایا ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقتتل عند کبرکم[1] ثلاثۃ کلھم ابن خلیفۃ ثم لا یصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق (الی آخرہ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل کئے جائیں گے تمہارے خزانے کے پاس تین شخص ہر ایک کسی خلیفہ کا بیٹا ہوگا پھر وہ خزانہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا پھر نمایاں ہوں گے کالے پرچم مشرق کی طرف سے......

ابن ماجہ نے جن اسناد سے یہ حدیث درج کی ہے اس کے راویوں میں عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی کا شمول ہے یہ کٹر شیعہ بھی تھے اور بقول زید بن المبارک اور عباس العنبری کذاب بھی۔ یہی ایسے کٹر شیعہ تھے ان ہی نے یہ جھوٹی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی تھی کہ معاویہؓ کو میرے منبر پر جب پاؤ قتل کردو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کاتب وحی اور صحابی کا ذکر ان کے سامنے ہوتا تو منع کرتے اور کہتے کہ ان کے ذکر سے مجلس خراب مت کرو

---

[1] یہ لفظ کبر عربی میں متعدد معنی میں مستعمل ہے۔ بڑھاپے کے معنی میں نیز عظمت و شان جاہ و جلال، نجابت و شرافت، بیش بہا، گراں قدر وغیرہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے یہاں خزانہ کے مفہوم میں ہے جو بقدر ابن قندوز مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کے مترجم نے اس فقرہ کا یہ کیا غلط ترجمہ لکھا ہے۔ " تمہارے بڑھاپے کے وقت تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے "

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۲ و تہذیب التہذیب) ان کا زمانہ خلیفہ مامون الرشیدؒ کا عہد خلافت تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ باب کے آخر دور خلافت کے واقعات کو سامنے رکھ کر جو امیر المومنین ہشام بن عبدالملکؒ کی وفات کے بعد ۱۲۵ھ سے پچھ سال کے قلیل وقفہ میں الولید بن یزید بن عبدالملک و یزید ابو نمیر بن عبدالملک اور مروان بن محمد بن مروانؒ کے ہلاک ہو جانے اموی خلافت کے خاتمے اور عباسی خلافت کے قائم ہونے سے پیش آئے تھے اس وضاع نے یہ حدیث گھڑلی اور حضرت ثوبان متوفی ۵۴ھ سے منسوب کردی۔ برخلاف اس کے دو غالی شیعہ راویوں عبداللہ بن عمر بن ابان الکوفی و عبداللہ بن لہیعہ کی روایت سے ایک اور وضعی حدیث طبرانی نے درج کی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت انصار کے سامنے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ عنقریب ان (عباسؓ) کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو ظلم اور جور سے بھر دے گا اور ان (علیؓ) کی پشت سے عنقریب ایسا شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا تم کسی نوجوان کا ساتھ دینا جو مشرق کی طرف سے نکلے گا اور مہدی کا پرچم اٹھائے ہوگا۔ اس حدیث نے اولاد عباسؓ سے آمد مہدی کا گویا خاتمہ ہی کر دیا اور اولاد علیؓ کے لئے آمد مہدی کی خوشخبری سنادی اب ایک اور حدیث سنئے جو مہدی کے ذکر میں ہے مگر عبدالمطلب کی حقیقی اولاد میں حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ کو شامل نہیں کیا گیا وہ حدیث یہ ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن ولد عبدالمطلب سادۃ اھل الجنۃ انا و حمزۃ و علی و جعفر والحسن والحسین والمہدی۔
(ابن ماجہ، الصواعق المحرقہ و دیگر کتب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم اولاد عبدالمطلب اہل جنت کے سردار ہیں، میں اور حمزہ و علی و حسن و حسین اور مہدی۔

حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ بیچارے کا نام راوی نے شاید اسی بنا پر اپنی مرتبہ فہرست میں شامل نہ کیا ہو کہ جنگ صفین کے موقع پر وہ اپنے برادر حقیقی کے خلاف حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت عباسؓ (عباسی خلفاء کے جن سے شیعہ راویوں کو خاص بیر ہے) مورث اعلیٰ ہی تھے۔ اس وضعی حدیث کے راویوں میں منکر الحدیث و متشیع لوگوں کے علاوہ عمرو بن عمار ایمانی بھی شامل ہے جس کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے

ابن قیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں موضوع بلاشک کذب بہ عکرمۃ بن عمار (ج ۲ ص)
یعنی یہ حدیث بے شک موضوع ہے عکرمہ بن عمار نے اسے جھوٹ بیان کیا۔ ایسے جھوٹے راوی کے قول پر وثوق ہی کیا۔

اِن چند ہی مثالوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آمد و خروج مہدی کی حدیثیں مختلف اشخاص اور خاندانوں کے سیاسی اغراض کی خاطر وقتاً فوقتاً وضع ہوئیں بیشتر ان میں سے حضرت فاطمہؓ کی نسل کے کسی شخص کے بارے میں ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو بشارت دی تھی کہ مہدی آخر الزمان تمہاری اولاد میں سے ہوگا۔ نور الدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں جو طویل حدیث نقل کی ہے اس میں یہ کلمات جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے ہیں جو بقول راوی آپ نے اپنی ان صاحبزادی سے فرمائے تھے :-

یا فاطمۃ نحن اھل بیت قد اعطانا اللہ سبع خصال لم تعط لاحد قبلنا ولا تعطی احدٌ بعدنا ۔ ۔ ۔ ۔ ومنا سبطا ھذہ الامۃ وھما ابناک الحسن والحسین۔ یا فاطمۃ والذی بعثنی بالحق ان منھما مھدی ھذہ الامۃ اذا صارت الدنیا ھرجاً مرجاً

(الاسلام الصحیح ص۱۵۲)

اے فاطمہ ہم اہل بیت کو اللہ تعالیٰ نے سات ایسی فضیلتیں عطا کی ہیں جو ہم سے پہلے کسی ایک کو بھی عطا نہیں ہوئیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو عطا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہم ہی یہ اس امت کے دو نواسے ہیں اور وہ دونوں تمہارے فرزند حسن و حسین ہیں اور اے فاطمہ قسم اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے ان (کی اولاد) میں سے اس امت کے مہدی (کا اس وقت ظہور) ہوگا جب دنیا میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔

فاطمی مہدی کے حلیے اور شکل و شباہت کے بارے میں طبرانی اور دیگر کتب میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں :-

المھدی من ولدی وجھہ کالکوکب الدری للون لون عربی والجسم جسم اسرائیلی یملاء الارض عدلا

المہدی میری اولاد میں ہوگا، چہرہ اس کا روشن تارے جیسا درخشاں، رنگ اس کا رنگ عربی، جسم اس کا جسم اسرائیلی۔ دنیا کو عدل

كما ملئت جوراً يرضى بخلافته أهل السماء وأهل الأرض والطير في الجو يملك عشرين سنة۔
(ایضاً)

و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ اس کی خلافت سے اہل آسمان و اہل زمین اور پرندگان کرۂ ہوا، راضی ہوں گے وہ بیس برس تک حکومت کریگے

اس وضعی حدیث کے ان الفاظ سے کہ مہدی بیس برس تک حکومت کریں گے ان کی خلافت سے اہل آسمان و زمین و پرندگان ہوا سب راضی و خوش رہیں گے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی قسمت آزماؤں کے پروپیگنڈے کے سلسلے میں وضع ہوئی تھی۔ "تحقیق مزید" میں صحیح النسب فاطمی دعویداروں کے ساٹھ سے زیادہ خروجوں اور بغاوتوں کے حالات پیش کئے گئے جن کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جائیگی کہ بعض موقع شناس ایرانی نژاد کس کس طرح مہدی کے روپ میں ظاہر ہو کر اسلامی سیاسی نظام میں اختلال و انتشار پیدا کرنے کا موجب ہوئے تھے اور ایسی وضعی احادیث سے حصول مقصد میں کیا کچھ کام نہ لیا تھا۔ اسماعیلی مؤلف نے عبید اللہ بن میمون القداح مدعی مہدویت کی علامتوں اور حلیے کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ "مہدی کا اسرائیلی قد و قامت، عربی روپ، چوڑی پیشانی، اور اونچی ناک ہوگی (ص ۱۶۷) حکومت بھی عبید اللہ مذکور کو نصیب ہوئی اور تقریباً ۲۶ برس حکمراں رہا مگر ساری دنیا پر تو نہیں مختصر سے خطۂ ملک پر ہی حکمرانی کی۔ آسمان کے رہنے والوں اور ہوا کے پرندوں کا حال تو معلوم نہیں ان پر کیا گذری زمین کے رہنے والوں میں سے مغربی افریقہ کے باشندوں پر اپنی حکومت قائم کرنے اور اس کے استحکام و دوام کے لئے جو جو ظلم و ستم ڈھائے اشارۃً ذکر آ چکا ہے۔ اس کی نسل کے بعض حکمراں انتظامی امور میں اچھے اچھے کام کر گئے مگر آخر میں ابتری پھیلی بقول اسماعیلی مؤلف "آخری حکمراں العاضد الدین اللہ کے عہد میں ایسی خانہ جنگیاں اور فوج کی مختلف پارٹیوں میں ایسی لڑائیاں ہوئیں کہ خدا کی پناہ دوسرے نائبوں کے عہد میں ملک کی حالت اور بھی بدتر ہو گئی خصوصاً ظافر کی حکومت میں ایسے ہولناک واقعات پیش آئے جن کی سیاہی کو زمانے کا زبردست ہاتھ بھی کبھی نہیں مٹا سکتا۔ بالکل ظاہر کہ ان سب بد نظمیوں کو فاطمی حکومت سے منسوب کرنا ایسا واقعہ ہے کہ جس کا جواب بن نہیں پڑتا (ص ۲۶۳) اس حادثہ کے بعد تو حکومت عبیدیہ فاطمیہ کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ اسماعیلی مؤلف فرماتے ہیں کہ ان کے امام آمر کے انتقال کے وقت ان کا فرزند طیب چھ ماہ کا تھا وہی جانشین ہوا "امامت کی دعوت

اسے گہوارے ہی میں دیدی تھی (صفحہ ۲۹۵) مگر ۲۶۰ھ میں مستقل امام کے ۱۲ سے الگ ہو کر منظر سے غائب ہو گئے۔ اس وقت سے پھر دورِ ستر (روپوشی) شروع ہو چکا ہے وغیرہ۔

"اب قیامت تک کسی امام کا ظہور نہ ہوگا اور ہم اس نعمت عظمیٰ سے
تقریباً بارہ سو سال تک محروم رہیں گے یہ طولانی مدت ایسی تاریک
گذرے گی جس میں ہمیں امام کا روئے انور نظر نہیں آئیگا ۔ ۔ ۔ ۔
دوسرے ستر میں بھی اماموں کی تعداد دس ہوگی یوں تا قائم القیامۃ
(یعنی مہدی) جو ظاہر ہونگے دسویں امام ہونگے (صفحہ ۲۹۵) سلہ

سلہ اسماعیل سوامت کے قول کے مطابق ان کے امام مستنصر کے متعدد بیٹے تھے بڑے بیٹے کا نام نزار تھا اور تیسرے کو مستعلی لقب دیا تھا انہی کو اپنا جانشین کیا مو منصوص کر رکھتے ہیں۔ جب نزار اور عبداللہ دو بڑے بیٹے کو بیعت کے لئے طلب کیا تو انہوں نے مخالفت کی اور فاطمی حکومت سے لڑے مولانا مستعلی کو کامیابی ہوئی اور نزار کو قید کرکے بعد میں دیواروں میں چنوا دیا گیا ۔ اس لڑائی میں دشمن کے دس ہزار آدمی قتل ہوئے یہاں سے فرقہ نزاریہ شروع ہوتا ہے جو ابھی باقی ہے (صفحہ ۳۲۳ ، نزاریہ فرقے کے آئمہ مستورین امام نزار ہی کی نسل سے حسن بن محمد آغا خانی تھے بعض مورخین کا قول ہے کہ نزار کی اولاد میں سے اس وقت کوئی جو حکومت سے بچ گئی ہو کوئی نہ بچا تھا اسی کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ اسماعیلی امام مستنصر کے انتقال کے بعد اس کے مقربین میں سے ایک شخص ابوالحسن سعید قاصد نے حسن بن صباح کے پاس الاموت ... جو حسن مذکور نزار کی موافقت میں تھا پہنچا یہ سعیدی نے نزار کے ایک کم سن بچے کو اس غرض سے اس کے سپرد کر دیا کہ اس کی پرورش اور کفالت کی جائے حسن نے اس بچے کی نزاریہ امام مستور کی حیثیت سے پرورش کی اور اپنی وفات سے قبل اپنے دست راست بزرگ امید کو جو کہ خاص دیلمی نسل سے تھا اپنا جانشین مقرر کرکے فرزند نزار کو جو ابھی کم عمر تھا اس کی کفالت میں دے دیا بزرگ امید کے بعد اس کا بیٹا کیا محمد اس کا جانشین ہوا اس زمانہ میں یہ فرزند نزار جوان ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ اس نزاریہ امام مستور کا ناجائز تعلق کیا محمد کی زوجہ سے ہو گیا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا جو بعد میں حسن علیٰ ذکرہ السلام کہلایا۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ جس دن کیا محمد کی بیوی کے بچہ ہوا اسی دن نزاریہ امام کے یہاں بھی بچہ ہوا اور ایک عورت اس بچے کو گود میں چھپا کر لائی اور کیا محمد کے بچے کی بجائے نزاریہ بچے کو لٹا دیا اور کیا محمد کے بچے کو لے گئی۔ نزاریہ بچہ کیا محمد کا بیٹا اور حسن بن کیا محمد کہلایا کیا محمد کے مرنے پر اس کا جانشین ہوا ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ کو اس حسن بن کیا محمد نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کرکے نزاریوں کے اجتماع عظیم کے سامنے اپنے کو نزار کی اولاد میں اور امام کی حیثیت سے ظاہر کیا اس کے نام کے ساتھ "علیٰ ذکرہ السلام" الفاظ اضافہ ہوئے۔ پھر اس نے اعلان کر دیا کہ اب قیامت برپا ہو گئی تمام احکام اور تکالیف شرعی ساقط ہو گئیں۔ اس کے بعد مجلس عیش و طرب منعقد ہوئی اسی کی

(بقیہ صفحہ ۲۰۲ پر)

یہ کیفیت تو مہدی فاطمیوں کے مورث و خود ساختہ مہدی کے ظہور کی تھی جو پچھلے اوراق میں مجملاً بیان ہوئی اور آپ نے ملاحظہ کی یعنی پہلے تو خفیہ تحریک چلائی گئی۔ اقتدار کے حصول کے لئے مختلف قبائل کے لوگوں کو اپنی خفیہ انجمن میں شامل کیا۔ قرامطہ نے جن کے وحشیانہ لوٹ مار کے حالات سے اوراق تاریخ مملو ہیں اسی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا پھر اس کے ایک یمنی ایجنٹ نے مغربی افریقہ پہنچ کر وہاں کے نیم وحشی و توہم پرست بربری قبیلہ کی کثیر تعداد کو آمد مہدی کے سبز باغ دکھا کر گرویدہ کیا' فوجی جمعیت اکٹھی کی اور ان ہی کے بل بوتے پر حکومت قائم کی۔ کوئی ساٹھ سال بعد اس کے جانشین نے موقع پا کر اپنے سپہ سالار جوہر کے ذریعہ مصر پر تسلط کر لیا۔ دو صدیوں تک ان کے اخلاف نے مصر پر شان و شوکت سے حکمرانی کی اور اس دوران حجاز و شام اور دیگر حصص اسلامی مملکت پر چھاپے مارے بالآخر جیسا خود اسماعیلی مولف کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان ہوا ہے باہمی خانہ جنگیوں سے ملک کی حالت ابتر ہو گئی۔ ان کے امام کا ششماہہ فرزند طیب نامی مصر سے غائب ہو کر عالم ستر (روپوشی) میں چلا گیا۔ یہ ستر پوشی کی مدت بارہ سو برس قرار دی گئی ہے جس میں اکیس روپوش امام ہوں گے۔ پھر سویں امام بحیثیت قائم القیامہ (مہدی موعود) ظہور کریں گے گویا موجودہ زمانہ سے تقریباً چھ سو برس بعد۔

مہدی المنتظر اسماعیلی مہدی کے ظہور اور ستر کی مندرجہ بالا کیفیت کے بعد اب فرقہ امامیہ کے صاحب العصر مہدی المنتظر کی ولادت اور غائب ہونے کی داستان

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۰۱ کا) یادگار میں عید منائی جاتی ہے اور اسی دن سے نزاریہ امام تمام اخلاقی و شرعی قیود سے آزاد کیا جاتا ہے حسن علی ذکرہ السلام کے بعد اس کی نسل کے چار شخص یکے بعد دیگرے فرمانروائے الموت رہے پھر الموت کی تباہی کے بعد اس خاندان کے لوگ ایران کے مختلف مقامات پر منتشر ہو گئے۔ ہز ہائی نس کے دادا محمد حسن جو آغا خان اول کہلائے فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی تھی اور بلاد قم و محلات کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ان اطراف میں نزاریہ فرقے کے لوگوں کی کثرت تھی ۱۸۳۸ء میں جب محمد علی شاہ قاچار نے حکومت کی باگ سنبھالی محمد حسن مذکور نے حکومت کے خلاف بعض وجوہ سے بغاوت کر دی مگر شکست کھا کر سندھ چلے آئے یہاں ۱۸۴۳ء کی جنگ میں حکومت برطانیہ کی مدد کی پھر کئی سال بعد بمبئی آ کر مقیم ہوئے نزاریہ فرقہ کے لوگ جہاں کہیں بھی ہیں اس خاندان کے معتقد ہیں اور سربراہ خاندان کے امام حاضر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

یہی مولانا حمید بن علی اسماعیلی شخص امامیہ امام کی روپوشی سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ۲۶۰ھ یا بقول دیگر اس کے کچھ عرصہ بعد امامیہ کے گیارہویں امام حسن عسکری کے معروف فرزند محمد نامی کمسنی میں دشمنوں کے خوف سے بغداد کی نواحی بستی سر من رائے کے غار یا سرداب میں ایسے غائب ہوئے کہ بارہ سو سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد اب تک مستور ہیں۔ ان کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ اپنے وقت پر ظہور فرمائیں گے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب متعدد وضعی حدیثوں میں بیان ہوا ہے کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا۔ آخر زمانے میں ظہور کرکے ظلم و جور سے بھری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا چاہے دنیا کے خاتمہ کا ایک ہی دن باقی رہ جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کو اتنا لمبا کر دیں گے کہ یہ مہدی ظہور کر سکے مگر امامیہ کے مہدی المنتظر اور اسماعیلیہ کے مہدی دونوں کی ولدیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے اسم گرامی کی طرح عبداللہ نہ تھی۔ امامیہ کے مہدی کی ولدیت حسن تھی اور اسماعیلیہ کے مہدی کی اسمٰعیل۔ قطع نظر اس کے مہدی المنتظر کی ولادت کے بارے میں کتب تاریخ و انساب کی روشنی میں فرقہ امامیہ کے مصنفین و مجتہدین کی بیان کردہ روایتوں پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

فرقہ امامیہ کے دسویں امام علی بن محمد (الجواد) کے دو فرزند تھے حسن اور جعفر۔ حسن بڑے تھے انہیں امامیہ اپنا گیارہواں امام مانتے ہیں۔ یہ حسن بن علی بن محمد (الجواد) جنہیں امامیہ امام حسن العسکری کہتے ہیں ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہو گئے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کے مرنے پر ایک جماعت تو انہیں زندہ و قائم تصور کرنے لگی اور دوبارہ ظہور کی منتظر رہی دوسری جماعت نے یہ عقیدہ قائم کیا کہ امام کے مرنے سے امامت منقطع نہیں ہوئی ان کا فرزند و جانشین موجود ہے اگرچہ ہماری نظروں سے مستور ہے۔ تیسری جماعت نے حسن کے بھائی جعفر کو ہی توجہات کا مرکز بنا لیا۔ اس زمانہ میں حسن و جعفر کی والدہ بھی حیات تھیں حسن کی میراث ان دونوں کو پہنچی۔ جعفر کثیر الاولاد تھے۔ مؤلف عمدۃ الطالب کے بیان کے مطابق ایک سو بیس اولادیں تھیں ابو کرین یا ابو البنین کہلاتے تھے ان کے اخلاف اپنے جد گرامی علی الرضا کی نسبت سے رضوی کہلائے۔ علامہ ابن حزم حسن عسکری کے لاولد فوت ہو جانے کے بارے میں ان کے والد علی بن محمد (الجواد) کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وُلِد علی بن محمد صہر المامون
الحسن وجعفر فاما الحسن فہو آخر
ائمۃ الرافضۃ ولم یعقب وادعی
الرافضۃ ان جاریۃ لہ اسمہا صقیل
ولدت منہ بعد موتہ ولدًا کذب
وجرت وفی ذلک خطوب طوال
(جمہرۃ الانساب صفحہ)

(خلیفہ) مامون (الرشید) کے داماد
علی بن محمد (الجواد) کے حسن اور جعفر دو بیٹے
تھے۔ یہ حسن رافضیوں کے آخری امام ہوئے
ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ رافضیوں نے یہ
ادعا کیا کہ ان کے مر جانے بعد ان کی ایک
لونڈی سے جس کا نام صقیل تھا بچہ ہوا تھا۔
مگر یہ تو جھوٹ ہے اس سلسلے میں طویل جھگڑے
بھی رہے تھے۔

اپنی دوسری کتاب ملل والنحل میں علامہ موصوف نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے کہ۔

"حسن (عسکری) بغیر کوئی عقب چھوڑے مر گئے تو رافضیوں کے چند فرقے ہو گئے ان کے جمہور اس بات پر قائم ہیں کہ حسن بن علی (بن محمد الجواد) کے یہاں ایک لڑکا ہوا مگر انھوں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسن کی وفات کے بعد ان کے یہاں ان کی کنیز سے جس کا نام صیقل تھا ایک لڑکا پیدا ہوا اور یہ بہت مشہور رہے بعض روافض نے کہا ہے کہ صیقل سے نہیں بلکہ ان کی ایک اور کنیز سے پیدا ہوا جس کا نام سوسن تھا۔ زیادہ ظاہر یہی ہے کہ اس کنیز کا نام صیقل تھا کیونکہ اسی صیقل نے اپنے آقا حسن بن علی (بن محمد الجواد) کی وفات کے بعد حمل کا دعویٰ کیا تھا اسی وجہ سے سات برس تک حسن کی میراث کو روکا گیا تھا اور اس معاملہ میں اس کنیز سے حسن کے بھائی جعفر بن علی نے جھگڑا کیا تھا اور ارباب دولت کی ایک جماعت اس کنیز کی مددگار تھی اور دوسرے لوگ جعفر کے مددگار تھے اس کے بعد وہ حمل پچک گیا اور جھوٹا ہو گیا اور حسن کے بھائی جعفر نے میراث لے لی۔" (الملل والنحل ابن حزم)

تاریخی واقعات کی روشنی میں حقیقت بھی یہی معلوم ہوتی ہے

داستان ولادت کہ جناب حسن عسکری کے یہ صاحبزادے جنھیں مہدی المنتظر وحجت خدا وغیرہ کہا جاتا ہے سیاسی ضرورت سے فرض کر لئے گئے ہیں ورنہ ان کی شخصیت

فی الواقع اگر ہوتی تو جیسا روایتوں میں بیان کیا گیا ہے ان کے والد لوگوں سے ان کو اسقدر پوشیدہ کیوں رکھتے۔ اصول کافی کا پورا باب "مولد صاحب الزمان" جو کتاب کے تقریباً دس صفحات پر محیط ہے ان کا وجود ثابت کرنے کی روایتوں سے بھرا ہوا ہے جو لا یعنی کراماتوں وخلاف عقل و درایت باتوں سے مملو ہیں یا ناگم ہندی وغیرہ کی فرضی داستانیں ہیں۔ یہی کیفیت ملا باقر مجلسی کی ضخیم تالیف بحار الانوار کی تیرھویں جلد کی ہے جہاں ۱۳۰ روایتوں کی ہے پہلے تو اسی بات میں سخت اختلاف ہے کہ یہ مہدی المنتظر اپنے والد کی کس کنیز کے بطن سے اور کب پیدا ہوئے تھے کسی راوی نے ان کی ماں کا نام نرجس بتایا ہے کسی نے سوسن کسی نے صقیل کسی نے مریم اور حکیمہ۔ کتاب جنات الخلود کے مصنف فرماتے ہیں کہ مہدی آخر الزمان کی والدہ ملیکہ تو بروایت ایج قیصر روم کی پوتی حضرت عیسیٰ کے حواری شمعون کی نسل سے تھیں قیصر اپنے بھتیجے سے ان کی شادی کرنا چاہتا تھا مجلس نکاح منعقد ہونے والی تھی کہ "در شب رسول خدا و فاطمہ زہرا بخواب ملیکہ آمدہ اورا مسلمان کردہ و با امام حسن عسکری عقد بستند" ([illegible]) یعنی رات کے وقت رسول خدا اور فاطمہ زہراؑ خواب میں ملیکہ پاس آئے اسے مسلمان کیا اور امام حسن عسکری کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا" اس کے بعد وہی مہمل حکایت لکھی ہے کہ کس طرح بردہ فروشوں کے قافلہ میں قیصر روم کی یہ پوتی کنیزوں کی طرح بغداد آئی اور حسن عسکری نے ۲۰۰ اشرفی میں خرید کر اپنے تصرف میں کیا نام نرجس رکھا۔ ولادت کے بارے میں بھی اختلاف بیانی ہے تاریخ ولادت ۱۳ یا ۱۵ ماہ اپنائی گئی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ شب جمعہ رمضان ۲۵۴ھ میں ولادت ہوئی اور کسی کا بیان ہے کہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ تاریخ ولادت ہے پھر یہ قول بھی ہے کہ اپنے معصوم والد کی وفات کے بعد ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ولادت کی کیفیت بھی عجیب وغریب دیومالائی حکایتوں سے بیان ہوئی ہے۔ دیگر روایتوں کے علاوہ جناب حسن عسکری کی پھوپھی جناب حکیمہؒ کی زبانی بیان ہوا ہے کہ میرے بھتیجے نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ آج نصف شعبان ہے آج کی رات کو خدا بہت جلد اپنی حجت کو ظاہر کرے گا۔ جب میں پہنچی میں نے پوچھا تو فرمایا نرجس کے بطن سے وہ پیدا ہوگا مگر نرجس میں آثار حمل کے میں نے مطلق نہیں پائے چنانچہ نرجس اور میں دونوں سو گئے آخر شب میں نرجس تڑپ کر اٹھی اور کہا وہ بات ظاہر

؎ جناب محمد الجواد کی کسی بیٹی کا نام حکیمہ مستند کتب انساب سے ثابت نہیں ان کی ایک کنیز کے بطن سے دو بیٹیاں فاطمہ و امامہ تھیں۔

ہوگئی جس کی خبر امام نے آپ کو دی تھی پھر میرے بھتیجے نے بلند آواز میں کہا کہ انا انزلناہ
پڑھو میں پڑھنے لگی دفعتہً میں نے سنا کہ بچہ بھی شکم مادر میں وہی آیتیں پڑھ رہا ہے پھر نرجس
میری آنکھوں سے غائب ہوگئی میں اپنے بھتیجے امام کے پاس دوڑ گئی فرمایا کہ جاؤ نرجس کو
وہیں پاؤگی اس جگہ واپس آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ نرجس موجود تھی اور ایسا نور کہ میری
آنکھیں خیرہ ہوگئیں دفعتہً میں نے اپنے برابر ایک لڑکا دیکھا جو زانو کے بل سجدہ کر رہا تھا اور
انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کرکے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان جدی
رسول اللہ وابی امیر المومنین کہتا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس نے
تمام ائمہ کے یکے بعد دیگرے نام لئے یہاں تک کہ اپنا نام لیا توریت وانجیل وزبور وقرآن
بھی پڑھ ڈالا پھر کہا اللھم انجزلی وعدی واتمم لی امری وثبت وطأتی واملاء
الارض بی عدلاً وقسطاً (یا الٰہی میرے لئے اپنا وعدہ پورا کیجیے میری خلافت مکمل کیجیو
اور میری حکومت قائم کیجیو اور میرے ذریعہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیجیو) میں اس مولود
کو امام کے پاس لے گئی فوراً ہی چند مرغ ان کے سر پر اڑتے ہوئے نظر آئے امام نے ایک مرغ کو
پکار کر اس سے کہا اس بچہ کو لے جا اور حفاظت کر چالیس دن بعد میرے پاس لانا مرغ نے
بچہ کو اٹھالیا آسمان کی طرف لے اڑا اور تمام مرغ اس کے پیچھے پیچھے اڑ گئے۔ امام نے فرمایا
میں تیرے سپرد کرتا ہوں وہ چیز جو مادر موسیٰؑ نے تیرے سپرد کی تھی۔ نرجس رونے لگی امام
نے فرمایا تمہارے پاس جلد واپس آئیگا تمہارے سوائے دوسرے کا دودھ پینا اسے حرام ہے
جس طرح موسیٰؑ اپنی ماں کے پاس واپس آگئے تھے فرددنٰہ الی امہ کی تقر عینھا ولا
تحزن۔ جب پوچھا یہ مرغ کون ہیں فرمایا روح القدس تھا جو ائمہ پر موکل ہے اور ان کی
تربیت کرتا ہے حکیمہ سے یہ بھی کہلوا دیا کہ چالیس دن بعد گئی تو اس بچے کو دیکھا چل پھر رہا ہے
میں نے امام سے عرض کیا کہ یہ تو دو سالہ معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ انبیاء و اوصیاء کی اولاد
جو امام ہوتی ہے ان کی نشو ونما اور لوگوں کے خلاف ہوتی ہے۔ ہمارا ایک ماہ کا بچہ دوسروں
کے ایک سال کے بچے کے برابر ہوتا ہے ہمارا بچہ شکم مادر میں کلام کرتا ہے قرآن پڑھتا ہے
عبادت کرتا ہے شیر خوارگی کے وقت اس پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے
ہیں حکیمہ کے منہ ہی سے یہ بھی کہلوا دیا ہے کہ حسن عسکری کی وفات سے چند روز پہلے وہ بچہ
پورے انسان کی قد وقامت کے برابر ہوگیا تھا میں نے اسے دیکھا تو امام نے کہا یہ وہی

نرجس کا بیٹا ہے میرے بعد خلیفہ ہے میری وفات اب جلد ہوگی چنانچہ چند دن بعد ان کی وفات ہوگئی اور وہ فرزند لوگوں کی نظروں سے روپوش ہوگئے۔"

جنت الخلود کے مصنف فرماتے ہیں کہ "از ترس اعادی" یعنی دشمنوں کے خوف سے غائب ہوگئے اور مصنف مذکور کے زمانہ ۱۱۲۶ھ تک آٹھ سو ستر سال ان کو چھپے ہوئے ہوچکے تھے "اندلجہ مواولادہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ ایک زوجہ امام مہدی کی اولاد والی ہے سے تھیں مگر نام ان کا معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ ان کے بطن سے کیا اولاد تھی پھر فرماتے ہیں کہ

ومحتمل است کہ اولاد بسیار ازو در اطراف عالم منتشر شدہ باشند چہ آنحضرت بہ ارباع واقطاع ربع مسکون را سیاحت و در اکثر ملک تاہل نمودہ فرزندان بہم رسانیدہ باشند بدلیل آنکہ در شریعت ترک اہل جائز نیست (صہ ۳۱)

ممکن ہے کہ ان کی بہت سی اولاد اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہو کیونکہ وہ حضرت ربع مسکون کے مقامات اور اقطاع میں سیاحت فرماتے اور اکثر مقامات میں قیام فرما کر اولاد ضرور پیدا کی ہوگی اس دلیل سے کہ شریعت میں تاہل اختیار کرنا جائز ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں جب خروج فرمائیں گے باوجود طول عمر کے اس وقت چہل سالہ جوان کی طرح ہوں گے تمام دنیا کو فتح کر ڈالیں گے دین محمدی کی ترویج کریں گے اور تمام پیغمبر عیسیٰؑ اور خضرؑ و ادریسؑ و اصحاب کہف ان کے اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ (صہ ۳۳) پھر مدینہ آکر "سہ ہزار قریش را بشش مرتبہ گردن بزند" یعنی تین ہزار قریشیوں کی چھ مرتبہ گردن ماریں گے"

دیومالائی طرز کی یہ طویل حکایات یہاں اس غرض سے نقل کی گئی کہ ثبوت ہیں تو ہے امام مہدی کی ولادت کے مگر نتیجہ اس کے برعکس برآمد ہوتا ہے مہدی کا وجود ہی مشتبہ ہو جاتا ہے غور طلب سوال قدرتاً یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کس وجہ سے گیارہویں لاولد امام کے انتقال کے بعد بارہویں امام قرار دینا ضروری سمجھا گیا اور اس کا وجود ثابت کرنے کے لئے ایسی خلاف عقل و قیاس حکایتیں وضع ہوئیں جن کا نمونہ سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ کیا۔

بعض محققین نے یہی وجہ تو یہ بتائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشین گوئی فرمائی تھی جیسے ابو داؤد و دیگر کتب حدیث میں حضرت جابر بن سمرہ صحابی کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ

دین قوت سے قایم رہے گا یہاں تک کہ تم میں بارہ خلفاء ہوں ان سب پر امت مجتمع رہیگی نیز یہ کہ وہ سب قریش سے ہوں گے ۔ علماء شیعہ فرماتے ہیں کہ بارہ خلفاء سے مراد ہمارے بارہ امام ہیں چنانچہ اسی ضرورت سے گیارہویں امام کی وفات کے بعد بارہواں امام قرار دیا گیا چونکہ حضرت حسینؓ کے بعد سے باپ کے بعد بیٹے کا امام ہونا لازم ہوگیا تھا سوائے اسماعیل کے جو اپنے والد جناب موسیٰ کی حیات میں مر گئے تھے اس لئے گیارہویں امام ہی کی اولاد میں اس مفروضہ فرزند محمد کو قرار دے دیا گیا ۔ دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ حضرت علی کے سوائے جو خلفائے راشدین میں شامل تھے اور باوجود معزولی وقت وفات تک ذی اقتدار بھی رہے تھے شیعوں کے بقیہ دس ائمہ میں سے کسی کو بھی اس کا موقع نہ مل سکا تھا کہ قوت و تمکین اور سیاسی اقتدار حاصل کر کے ملت اسلامیہ کی کوئی نمایاں تعمیری خدمت انجام دے سکتے یا بزعم امامیہ دین کو شیعہ مذہب کے مطابق اسلامی ممالک کے کسی خطے میں علانیہ تبلیغ کر کے پھیلا سکتے حالانکہ اللہ عزوجل کا صریح وعدہ مومنین صالحین کے بارے میں استخلاف فی الارض کا ہے ۔ ارشاد باریتعالیٰ ہے :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(النور)

(اے لوگو) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان کے ساتھ نیک عمل میں مصروف رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم انھیں زمین میں خلیفہ بنا دیں گے جس طرح ان سے اگلوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لئے اس دین کو جسے اللہ نے بنا دیں گے جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے اور (دشمنوں اور مخالفوں سے) ان کے خوف کے بعد (اس خوف کو) امن سے بدل دیں گے کہ (اطمینان کے ساتھ) میری بندگی میں مصروف رہیں اور (کسی بات میں بھی) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں اور (اس خلافت ربانی کے قیام) کے بعد جو لوگ کفر کریں تو بس وہی لوگ بدکار ہیں

واقعات ، تاریخ شاہد ہیں کہ امامیہ کے ان دس اماموں پر جنھیں وہ ائمہ معصومین کہتے

ہیں اور ان کی امامت کو من جانب اللہ تصور کرتے ہیں استخلاف فی الارض کا یہ وعدہ ان پر کسی طرح بھی منطبق نہیں ہوا بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔

"ان ائمہ کو جب یہ قدرت و اختیار ہی نہ تھا کہ جمعہ و جماعات کی نمازوں کی امامت کرتے، جہادوں میں قائد و امام ہوتے، یا حج کے موسم میں امیر حج ہوتے یا شرعی حدود قائم کر سکتے یا نزاعی معاملات کا تصفیہ اور مقدمات کا فیصلہ کر سکتے، یا کسی شخص کا حق دلا سکتے خواہ وہ حق لوگوں کے ذمہ ہوتا یا بیت المال میں ہوتا اور نہ وہ مسافروں کے لئے رستوں کو محفوظ و مامون کر سکتے تھے کیونکہ یہ سب امور تو محتاج ہیں قدرت و اختیار کے، اور یہ قدرت و اختیار بغیر اعوان اور مددگاروں کے میسر نہیں ہو سکتا۔ ان ائمہ کو نہ اس کا اختیار تھا اور نہ قدرت بلکہ یہ قدرت اور اختیار تو ان کے علاوہ دوسروں کو حاصل تھا پس جو شخص ایسے عاجز اماموں سے ان باتوں کی توقع کرے وہ جاہل اور نادان ہے۔"

(منہاج السنۃ ج ۲ صفحہ ۱۲۳)

اور بقول علامہ ابن حزم امامیہ کے وہ تمام ائمہ جو علی و حسینؓ کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے بجز اپنے سکونتی مکان کے اور کہیں کبھی حکم نہیں دیا اور نہ کبھی ایک گاؤں یا اس سے بھی کم پر حکومت کی تو پھر ان لوگوں کی کیا حاجت ہے خاص کر ایک سو اسی برس سے تو یہ لوگ ایسے کھوئے ہوئے امام کا دعویٰ کرتے ہیں جو عنقا کے معروف کی طرح پیدا نہیں ہوا۔

(الملل والنحل ابن حزم)

پس ان حالات میں جب کمزور اور بے اختیار ائمہ کو تعمیر ملت کے کاموں میں کوئی حصہ نہ مل سکا تھا اس قسم کی وضعی روایتوں اور پیش گوئیوں سے ایک ایسی بات کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو آئندہ کسی زمانے میں بارہویں امام کی حیثیت سے صاحب سیف و با اختیار ہو کر تمام دنیا کو فتح کر کے اپنے شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلائیں گے اور خدا جانے کیا کیا کریں گے اسی گروہ میں یہ بات بھی مشہور کر رکھی ہے کہ غاصبان خلافت کو زندہ کر کے کئی مرتبہ پھانسی کی سزا دیں گے وغیرہ ذالک من الهفوات۔

ہمیں امامیہ کے عقیدے مہدی، منتظر کی تردید و تکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ مہدی کی

معیت میں دجال کو قتل کریں گے۔ یہ باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قرآن شریف میں نہ مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰ کا۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں جس راوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مہدی کی تکذیب کی وہ [illegible] گو نہ مانا وہ کافر ہے یہ راوی الاسکافی بقول علامہ موصوف محدثین کے نزدیک متہم اور وضاع تھا یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا دیگر تصریحات سے بھی ثابت ہے کہ اسکافی [illegible] غیر ثقہ تھا۔

بہر حال یہاں تو تاریخی واقعات کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ مہدی کے بھیس میں سیاسی قسمت آزماؤں نے خصوصی اقتدار کی جو مسلسل جد و جہد کی صدیوں تک کی اور طرح طرح کی وضعی روایتوں اور حدیثوں سے اس بات کی عوام میں تشہیر کی گئی کہ امت کی دینی و دنیوی امامت و قیادت، سرداری و سروری فلاں خاندان کے، فلاں کا حق ہے "انسباً وہی سب سے برتر ہیں" دنیا کے علاوہ جنت میں بھی وہی سید و سردار ہوں گے صدیوں کے اس پروپیگنڈے نے جسے مذہبی رنگ دیا گیا تھا غیر طبقاتی امت مسلمہ کو بالآخر کس طرح شریف و غیر شریف، سید و غیر سید طبقوں میں منقسم کر دیا۔ اور کب سے سید و شریف لقب اہل نسب میں مستعمل ہونے شروع ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ وضاعین نے مہدی کی شخصیت کو صرف ہاشمی خاندان سے مخصوص کیا ہے کسی دوسرے قریشی و غیر قریشی خاندان کو یہ اعزاز نہیں بخشا گیا کہ کوئی مہدی بھی ان میں سے بھی ہوں پھر ہاشمیوں میں سے بھی صرف انہی دو گھرانوں کی تخصیص ہے جنہوں نے اسلامی سیاسیات میں عملاً حصہ لیا تھا یعنی عباسی اور علوی گھرانوں کی۔ دوسرے ہاشمیوں عقیلیوں، جعفریوں، حارثیوں وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ انہوں نے حصول خلافت میں کوئی جد و جہد نہیں کی تھی۔ وضعی حدیثوں میں بھی چند ہی عباسی مہدی سے متعلق ہیں بیشتر حسینی مہدی کی آمد کے سلسلے میں ہیں دو ایک البتہ حسنی نسب مہدی کے بارے میں ہیں۔ حسنی نسب مہدی کی آمد کا ذکر بھی سنن ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ نے چونکہ امت پر شفقت و رحم کے اس خیال سے کہ خلافت کی خانہ جنگی سے مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہوں خلافت ہی چھوڑ دی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے اس زمانے میں جب حالات اس کے متقاضی ہوں گے اور شدید حاجت اس کی پیش آئے گی ایک قائم بالحق خلیفہ کا ظہور کرا دیں گے جو دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔

(الصواعق المحرقہ ص۱۰۰) مگر آپ نے دیکھا کہ ۱۴۵ھ میں ان ہی حضرت حسنؓ کے ایک پوتے محمد الارقط بن عبد اللہ المحض نے نسبی تعلیوں سے مہدی ہونے کا ادعا کر کے قائم خلافت کے خلاف خروج کیا تھا جو نتیجۃً ناکام رہا دنیا کو عدل انصاف سے بھرنے کی نوبت ہی نہ آسکی تھی ان کے بعد اس نسل کے متعدد اشخاص نے خروج کئے بعض نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی قائم کرلیں لیکن مہدویت کی دعویدار نہ ہوئے البتہ ۵۱۵ھ میں ابن تومرت نے مغربی افریقہ میں حسنی نسب کے دعوے اور مہدی کی حیثیت سے خروج کیا تھا حکومت بھی حاصل کرلی تھی۔ خطبات میں اپنے کو "الامام المعصوم المہدی المعلوم" وغیرہ کہا اور کہلوایا کرتے تھے مگر ان کے حسنی نسب کو اہل خاندان و اہل معرفت نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ صحیح النسب حسینی دعویداران خلافت کے بیسیوں خروج وقتاً فوقتاً ہوئے ان کا شعار بالعموم "الرضا من آل محمد" تھا۔ مہدی کے ادعا سے صحیح النسب حسینیوں کے بجائے قرامطہ اور عبید اللہ دعویداران فاطمیت نے متعدد خروج کئے مگر ان کے نسبی ادعا کو جیسا بالوضاحت بیان ہو چکا عام طور سے تسلیم نہیں کیا گیا فاطمیین مصر کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی یمن میں جو پہلے ہی سے ایسی خفیہ سیاسی دعوت کا مرکز تھا اسماعیلی دعوت کے مبلغین جمع ہو گئے سیاسیات سے کنارہ کش ہوکر اپنے مسلک و معتقدات کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں بیشتر تاجروں اور صوفیوں کے بھیس میں مبلغ بھیجتے رہے اس موقع پر متاخرین متصوفہ کا قدرے ذکر بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ باطنی نظریات نیز فاطمیت اور سیادت نسبی کے پروپگنڈے کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔

اسماعیلیہ و متصوفہ

اسماعیلیہ اور متاخرین متصوفہ کا پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد سے دیگر بدعات کے علاوہ مغالاۃ فی البشر اور فاطمیت و نسبی سیادت تعظیم و توقیر اولاد حسینؓ کے پروپگنڈے میں کیا حصہ رہا اور کیسے کیسے مہمل اور لغو قصے گھڑ گھڑ کے عوام میں پھیلائے گئے اس گفتگو میں متقدمین صوفیہ سے یا علم تصوف کی حقیقت سے جسے بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شریعت میں احسان کہتے ہیں کوئی تعلق نہیں ہے اللہ تعالٰے کے کلام میں ان محسنین کی جانب اشارہ ہے جو راتوں میں عبادت الٰہی کے لئے کم سوتے صبح کو استغفار کرتے اور سائلوں اور محروموں کو اپنے مال سے حصہ دیتے

اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۞ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞	وہ تھے اس سے قبل نیکی والے اور رات کو تھوڑا سوتے تھے اور صبح کے وقتوں ۔

وبالأسحار هم يستغفرون ۝ وفي أموالهم حق للسائل والمحروم ۝ | استغفار کرتے (معافی اللہ سے مانگتے) اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور ہارے ہوئے کا حق تھا۔

اس احسان کے بارے میں جو عرف شریعت میں تصوف کہلاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہو کیونکہ تم اگر اس کو نہ دیکھ سکو تو جانو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ ابتدا سے اسی خشوع و خضوع قلب سے متقدمین صوفیہ کے نفوس میں وہ پاکیزگی، زہد و قناعت، رجا و خوف، توکل و رضا، صبر و شکر، فقر و محبت کی کیفیت اور صدق نیت پیدا ہوئی جس سے مخلوق کی رہنمائی اور رشد و ہدایت کے کامیاب نتائج برآمد ہوئے۔ ان بزرگوں کے حالات و واقعات سے یہاں کوئی بحث نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعات کے سلسلے میں یہ بیان اس لئے قلم بند ضروری ہوا کہ ساتویں صدی ہجری سے ایران وغیرہ میں متاخرین صوفیہ کے جو بڑے اسرار حلقے اور سلسلے قائم ہوئے ان کی تنظیم میں باطنیہ اسماعیلیہ تحریکات کا کہاں تک اثر کارفرما ہوا تھا۔ متاخرین متصوفہ کا بیشتر طبقہ شیخ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ مصنف فصوص الحکم و فتوحات مکیہ کے خیالات و نظریات کا اثر قبول کر چکا تھا۔ ابن عربی کی ان کتابوں کے مطالعہ کرنے سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا جو انہوں نے ابن عربی اور ابن سبعین مؤلف کتاب البدء اور ابن برجان مؤلف عین الیقین کے بارے میں اپنے فتویٰ میں دی ہے کہ یہ لوگ قرامطہ باطنیہ اسماعیلیہ کی تائید کرتے تھے "قائم مقام القرامطة الباطنية الإسماعيلية الذين كانوا أكفر من اليهود والنصارى"

(فتاویٰ ابن تیمیہ) ابن عربی کے خیالات کا تھوڑا سا نمونہ آگے آتا ہے۔ خود متصوفہ کے یہاں جو اصطلاح رجال الغیب کی ہے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کائنات کے روحانی انتظامات کے ذمہ دار ہیں، یہ بظاہر اسماعیلیہ تنظیم کا اتباع ہے کیونکہ رجال الغیب کے تعداد اور مدارج کے اعتبار سے جو القاب مقرر کئے گئے ہیں یعنی ابدال و نجیب و نقیب، اوتاد، عمود، قطب اور غوث (یہ) دوسرے ناموں سے اسماعیلیہ تنظیم میں ہیں یعنی ناطق و اساس و حجت، داعی و ماذون و لاحق و مومن۔ اس سلسلے میں اگر روسی مستشرق کے اس قول کو نہ مانا جائے کہ الاموت کی بربادی کے بعد نزاری اسماعیلیہ کی جو کانفرنس بحر خزر کے ساحلی مقام پر منعقد ہوئی تھی اس میں قرار دیا گیا تھا کہ اپنا دوسرا سیاسی مرکز قائم کرنے کے بجائے ہمیں صوفیوں کے بھیس میں کام کرنا چاہئے پھر بھی اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ نعمت الٰہی ولی [illegible]

وشان ایران اور خراسان میں ¹ اناطولیہ و البانیہ کے بکتاشی کشمیر کے (رشی) وغیرہ جو متصوفہ طریقت کے مدعی تھے درحقیقت باطنی شیعہ ہی تھے۔ اسماعیلیہ و باطنیہ کے یہاں ظاہر و باطن کی جو تفریق ہے اسی طرح متصوفہ کے یہاں شریعت و حقیقت کی ہے اور متصوفہ کے غالی گروہ میں ترک شریعت و باقی اخلاقیات کے علاوہ اسماعیلیہ باطنیہ کے اپنے سرگروں کی کورانہ اطاعت ہے متصوفہ کے دوسرے حلقوں میں بھی غالی الشیخ کے درجہ اور اپنے مشائخ کی کرامتوں اور غیر معقول داستانوں میں اسماعیلیہ ہی کے اماموں کی پرستاری وبندگی کی جھلک آتی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے متاخرین متصوفہ کے بارے میں صراحت سے لکھا ہے:-

> "اسماعیلیہ کی طرح متاخرین متصوفہ حلول کے قائل ہو گئے گویا امامیہ اور روافض کے ہم خیال ہوئے کیونکہ وہ بھی تو الوہیت ائمہ و حلول اللہ کے قائل ہیں، انھوں نے اماموں اور نقیبوں کے بجائے قطب ابدال مقرر کئے اور مذہب شیعہ کو اپنے دل میں اس قدر جگہ دی اور اقوال شیعہ سے اس درجہ متاثر ہوئے اور ان کے مذاہب کی دیانت میں ایسا غلو کیا کہ خرقہ کے بارے میں ان کے طریقہ کو مستند بنانے کے لئے کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے حسن بصری کو پہنایا تھا … طریقے کے التزام پر ان سے بیعت لی تھی پھر وہ سلسلہ بیعت ان کے شیوخ سے جنید تک … حالانکہ اس کا ثبوت حضرت علیؓ سے بطریق صحیح موجود نہیں ہے اس کے علاوہ … حضرت علیؓ کی

سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحتاً لکھا ہے کہ حسن بصریؒ کو نہ کبھی حضرت علیؓ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا اور نہ کبھی ان کی باہم ملاقات ہی ہوئی تھی وہ لکھتے ہیں۔

ان الحسن (البصری) صحب علیاً وهذا باطل باتفاق اهل المعرفة فانهم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی ...... والحسن ولد لسنتين بقيتا من خلافة عمر وقتل عثمان و هو بالمدينة كانت امه امة لام

اور حسن بصری کا حضرت علیؓ سے صحبت پانا باتفاق اہل معرفت غلط اور باطل ہے کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن بصری اور حضرت علیؓ کی باہم ملاقات ہی نہیں ہوئی ...... خلافت عمرؓ کے دو سال باقی تھے جب حسن بصری پیدا ہوئے قتل عثمانؓ کے زمانے میں وہ مدینہ میں تھے کیونکہ

(بقایا صفحہ ٢١٤ پر)

سے کیوں مخصوص کیا جائے جبکہ تمام صحابہ ہدایت و رشد کے اسوۂ و نمونہ ہیں حضرت علیؓ سے بمقابلہ صحابہ اس کی تخصیص میں تو شیعیت کا رنگ جھلکتا ہے اس سے اور دوسری باتوں سے طور سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ تشیع میں داخل ہو کر ان کے مسلک پر گامزن ہو چکے تھے۔ چنانچہ قطب کے بارے میں اسی طرح ان کے کلام کا اظہار ہوتا تھا پھر ان ہی رافضی اسماعیلیوں اور متاخرین متصوفہ کی کتابوں میں اس فاطمی المنتظر کی روایتوں کی بھرمار ہو گئی ان میں سے بعض کا مضمون بعض سے مطابق ہوا اور بعض نے بعض سے اخذ کیا مگر ان سب نظریات کی بنیاد و اصول واہیہ پر مبنی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

غرضیکہ متاخر متصوفہ کے زمرے میں اسماعیلی مبلغین بھی شامل ہو کر کام کر رہے تھے فاطمیت و سیادت کے سلسلے میں صدہا کہانیاں اور قصے نہ صرف عوام میں مشہور ہوئے بلکہ معتمد کتب کے صفحات پر ان کو جگہ دی گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ ایک شریف یعنی سید کی تعظیم و توقیر ہر حالت میں لازم ہے خواہ وہ کیسا ہی قبیح الاعمال ہو۔ شریف سے مراد فاطمی حسینی لی گئی۔ متصوفہ کے شیخ الطائفہ ابن عربی کا یہ قول مؤلف نور الابصار فی مناقب آل البیت النبی المختار نے نقل کیا ہے۔

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۱۳ کا)

سلمة فلما قتل عثمان حمل الى البصرة وكان علي بالكوفة والحسن في وقته صبي من الصبيان لا يعرف ولا له ذكر (منهاج السنة)

ان کی ماں حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں قتل عثمانؓ کے بعد وہ بصرے لائے گئے تھے اور حضرت علیؓ اس وقت کوفے میں تھے حسن بصری اس زمانے میں عام لڑکوں میں کے ایسے لڑکے تھے جنہیں نہ کوئی جانتا تھا اور نہ ان کا کوئی ذکر ہی تھا۔

صوفیوں کا یہ سلسلہ یعنی جنیدؒ مرید سری سقطیؒ مرید معروف کرخیؒ مرید داؤد طائیؒ مرید حبیب عجمیؒ مرید حسن بصری مرید حضرت علیؓ منقطع ہے جیسا سطور بالا میں ذکر ہے حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہی ثابت نہیں پھر داؤد طائی اور حبیب عجمی کا باہم ملاقی ہونا بھی نہایت مشتبہ ہے سری سقطی تو معتبر روایت کی بنا پر معروف کرخی کے نہیں بلکہ حبیب کے مرید تھے۔ واللہ اعلم۔

تعظیم الشریف مطلوب بہ لا اثم علیہ ولو زنی وعمل عمل قوم لوط وشرب الخمر وتعمد اکل الربا و سرق وکذب واکل اموال الیتامیٰ وقذف المحصنات وآذی المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا۔

(صحیم الاسلام ص۱۵)

شریف (سید) کی تعظیم ہر حالت میں واجب ہے خواہ وہ زنا کرے، قوم لوط کا فعل بد کرے، شراب پیے، دھوکہ دے، سود کھائے، چوری کرے، جھوٹ بولے، یتیموں کا مال کھائے، پاکدامن عورتوں پر اتہام لگائے اور مومن مرد و مومن عورتوں کو بلا سبب ایذا دے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

یہ قول تو متاخرین متصوفہ کے شیخ الطائفہ ابن عربی کا تھا اب یوسف النبہانی کا ارشاد سنئے وہ اپنی تالیف میں جس کا نام "الشریف المؤبد لآل محمد" یعنی شرف ابدی آل محمد کا رکھا ہے لکھتے ہیں کہ آل البیت کے فاسق و فاجر شخص کی بھی عزت و توقیر کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ گناہ اس کے سب معاف ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی بدکاریوں سے بوجہ آیت تطہیر درگذر فرمائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں پھر ایک جعلی حدیث جو البزار والطبرانی و فوائد تمام میں بھی ہے درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان فاطمۃ احصنت فرجہا فحرمہا اللہ وذریتہا علی النار وغیرہ من الاحادیث الدالۃ علی القطع لہم بالجنۃ من غیر سابقۃ عذاب وانما طلب اکرام فاسقہم لان اکرامہ لیس لفسقہ وانما ہو لعنصرہ الطاہر ونسبہ الزاہر وہذا موجود فی طالحہم کوجودہ فی صالحہم۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے پس اللہ نے اس پر اس کی ذریت پر نار دوزخ حرام کر دی ہے اور دوسری حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ جنت ان کے (فاطمہ و اولاد فاطمہ) کے لئے بغیر سابقہ عذاب کے مقرر کر دی گئی ہے اور بیشک ان کے فاسق کا اکرام ضروری ہے کیونکہ اکرام اس کے فسق کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ پاک عنصر سے اور اعلیٰ نسب سے ہے اور یہ چیز ان کے بدکاروں میں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ان کے

تجھکو کام دے سکتا ہے موجود ہے۔

اس قسم کے بہت اقوال کو جو صریحاً نصوص قرآنیہ وتعلیمات اسلامیہ کے سراسر خلاف ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا ابن عربی اور اس کے ہم مشربوں کی بڑی جسارت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ ان تینوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا۔

یا عباس! عم محمد' یا صفیة عمة محمد،	اے عباس محمد کے چچا! اے صفیہ محمد کی پھوپھی اور
یا فاطمة بنت محمد! اعملوا اعملوا	اے فاطمہ محمد کی بیٹی! عمل کرو عمل۔ اللہ تعالیٰ
فلی اغنی عنکم من الله شیئ	کے سامنے میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔

ابن عربی کی کتاب الفتوحات المکیہ وغیرہ کی خرافات سے متاخرین صوفیہ میں درجہ بدرجہ یہ گمراہی پھیلی کہ بیشتر اپنے شیخ طریقت کی جانب بیٹے جوڑ کر حسینی نسب کا ہوتا یا اس نسب شریف کا دعویٰ کرتا کیونکہ ان کا شیخ اکبر ان کو طرح طرح سے یہ سبق پڑھا گیا تھا کہ سب فاطمی نسب طاہر و مطہر اور گناہوں کی آلودگی سے پاک و منزہ ہوتے ہیں اور ابدال و قطب بھی ان ہی میں سے ہوتے ہیں۔ اپنی کتاب فتوحات المکیہ میں (الجزء الاول باب ۲۹) میں سورۃ الفتح کی اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ	یعنی ہم نے دی ہے تجھ کو فتح مبین تاکہ اللہ
اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ	درست کرے تیرے واسطے خطائیں جو آگے
وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ	ہو چکی ہیں تجھ سے اور جو پیچھے رہیں اور
صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ۔	تجھ پر پورا کرے اپنا احسان اور چلائے تجھ کو
	سیدھی راہ۔

چنانچہ ابن عربی ان الفاظ میں اولاد فاطمہؓ کو اس آیت کی تفسیر میں شامل کرتے ہیں۔

فدخل الشرفاء اولاد فاطمة	اس آیت کے حکم مغفرت میں اولاد فاطمہ میں
کلهم ومن هو من اهل البیت	سے سب کے سب اشراف اور جو کوئی بھی
الی یوم القیامة فی حکم هذه	اہل بیت سے ہو یوم قیامت تک داخل ہیں
الآیة من الغفران فهم المطهرون	کیونکہ یہ سب پاک مطہر ہیں اللہ تعالیٰ کے
اختصاصاً من الله وعنایة بهم لا	لطف و عنایت اور خصوصیت سے ۔ج

يطهرهم بحكمه هذا التشرف لاهل البيت الا في الآخرة فانهم يحشرون مغفوراً لهم۔

ان کے ساتھ ہے اہل بیت کے لئے اس شرف کے حکم کا ظہور دار آخرت میں ہی ہوگا۔ کیونکہ یہ سب مغفرت یافتہ محشور ہوں گے

اسی مضمون و مفہوم کی جیسیوں روایتیں اور حدیثیں گھڑی گئیں روافض وغیرہ کی کتابوں کے علاوہ عام مسلمان علماء و مصنفین نے بھی درج کر ڈالی ہیں۔ مؤلف الصواعق المحرقۃ کی زبانی نمونے کے طور سے ایک آپ بھی سنئے :-

انه صلى الله عليه وسلم قال لعلى ان اول اربعة يدخلون الجنة انا وانت والحسن والحسين و ذرارينا خلف ظهورنا وازواجنا خلف ذرارينا وشيعتنا عن ايماننا وشمائلنا (ص۱۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا اوّل جو چار جنت میں داخل ہوں گے وہ میں اور تم اور حسن و حسین ہوں گے ہماری پشت کے پیچھے پیچھے ہماری اولاد ہوگی اور ہماری اولاد کے پیچھے پیچھے ہماری بیبیاں ہوں گی اور ہمارے دائیں بائیں ہمارے شیعہ ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی "شیعہ" بتانا کیا کچھ کم تعجب انگیز ہے۔

دوسری حدیث جو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی مغفرت کے بارے میں ہے ان الفاظ میں اختراع کی گئی ہے :-

انه صلى الله عليه وسلم قال للعباس يا عباس ان الله غير معذبك ولا احد من اولادك وفى رواية يا عم سترك الله وذريتك من النار (ايضاً)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباس اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد میں سے ایک کو بھی عذاب نہ دیگا اور روایت میں ہے کہ اے چچا اللہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو نار دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔

واضح رہے کہ اس قسم کی حدیثیں جن کے نمونے سطور بالا میں درج ہوئے ہاشمی خاندان کے ان ہی دو گھرانوں کے اشخاص کے بارے میں ہیں جنہوں نے سیاسیات میں عملی حصہ لیا تھا یعنی اولاد عباسؓ و علیؓ نہ کہ ان ہی کے دوسرے عزیزوں یعنی اولاد جعفرؓ و عقیلؓ برادران علیؓ اور دوسرے ہاشمیوں آل حارث وغیرہم کے بارے میں جن پر لقب الشریف کا اطلاق

ہوتا تھا کوئی روایت نہیں اسی سے ظاہر ہے کہ سیاسی ضرورت سے ایسی حدیثیں وضع کی گئیں چونکہ ان کی روایت پرستانہ ذہنیت سے اس کتاب میں بھی درج ہیں جس کے نام کے ساتھ ہی یہ الفاظ لکھے گئے ہیں کہ یہ کتاب بدعت و زندقیت کے رد میں ہے۔

امام مہدی اور صوفیہ کے قطب

متاخرین صوفیہ نے امامیہ کے ان بارہ اماموں کو جن میں سے وہ اپنے پیشروؤں کی وفات کے وقت سات آٹھ برس کے بچے اپنے روحانی پیشواؤں میں شامل کر رکھا ہے۔ اور گیارھویں امام حسن عسکری کے مفروضہ فرزند محمد کو ابدال اور قطب کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے۔ کتب صوفیہ میں ان کا نام "رضی اللہ عنہ" یا "علیہ السلام" الفاظ کے ساتھ درج ہے۔ صاحب انوار العارفین شیخ علاؤ الدولہ احمد بن محمد سمنانی کا قول در بارہ ابدال و اقطاب درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بتحقیق رسید بمرتبہ قطبیت محمد بن حسن عسکری رضی اللہ عنہ و عن آبائہ الکرام ائمہ اہل البیت الطہارۃ و وے در وقتے کہ مخفی شد داخل زمرۂ ابدال بود پس ترقی کرد درجۂ درجہ طبقہ طبقہ تا آنکہ سید افراد گشت۔ (صـــ ۱۴۲)

محمد بن حسن عسکری (خدا ان سے اور ان کے آبائے کرام ائمہ اہل بیت طہارت سے راضی ہو) بتحقیق مرتبہ قطب پر پہنچے اور جس وقت وہ روپوش ہوئے زمرۂ ابدال میں داخل تھے پھر درجہ بدرجہ اور طبقہ بطبقہ ترقی کی۔ یہاں تک کہ سید افراد ہو گئے۔

پھر لکھا ہے کہ محمد بن حسن عسکری کے زمانہ میں کوئی علی بن حسین بغدادی قطب تھے۔ ان کے مرنے پر یہی ان کے جانشین ہوئے اور انھوں نے ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ۱۹ سال تک مرتبہ قطبیت پر فائز رہ کر وفات پائی:۔

پس حق تعالیٰ اورا بروح و ریحان ازیں عالم در گذرانید و عثمان بن یعقوب جوینی خراسانی را دراں مقام برپا کرد و نماز کرد وے و جمیع اصحاب وے بر محمد بن حسن عسکری و دفن کردند او را در مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو روح و ریحان کے ساتھ اس دنیا سے گذار دیا اور ان کے بجائے عثمان بن یعقوب جوینی خراسانی کو قائم کیا انھوں نے اور ان کے سب ساتھیوں نے محمد بن حسن عسکری کے جنازے کی نماز پڑھ کر انھیں مدینہ رسول اللہ صلی اللہ

وسلم میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد حضرت حسینؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

از سید الشہدا حسین بن علیؓ آوردہ کہ گفت از ما دوازدہ تن مہدی باشند اوّل علی بن ابی طالب و آخر ایشان مہدی قائم حق زندہ میگرداند حق سبحانہ بوے زمین را بعد از موتش و ظاہر میگرداند بوے دین حق را بر ہمہ دینہا اگرچہ ناخوش آید مشرکان را۔ (ایضاً)

سید الشہدا حسین بن علیؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم میں بارہ شخص مہدی ہیں اوّل علی بن ابی طالب ہیں اور آخری ان میں کے مہدی قائم بحق ہیں۔ حق سبحانہٗ ان کے ذریعہ غلبہ دیں گے دین حق کو تمام ادیان پر اگرچہ مشرک اس سے ناخوش رہیں۔

امامیہ تو جس طرح اپنے امام الزمان وصاحب العصر کی خدمت میں حاجت روائی کے لئے عریضے ارسال کیا کرتے ہیں بعض صوفیہ سلسلوں کے لوگ بھی مہدی سے روحانی تصرف کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اہل بیت یعنی اولاد حسینؓ کی روحانی پیشوائی کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قطب زماں ان ہی میں ہوتے ہیں جیسا الآلوسی الکبیر کا قول ہے کہ:۔

ذھب قوم الی ان القطب فی کل عصر لا یکون الا منھم من آل البیت۔

ایک جماعت (صوفیہ کی) اس بات کی طرف گئی ہے کہ ہر زمانہ کا قطب سوائے ان کے یعنی آل البیت اور کسی میں نہیں ہوتا۔

یہی قول فتوحات مکیہ میں ابن عربی کا بھی ہے کہ قطب الاولیا اسی پاک و مطہر خاندان کا ہوتا ہے مگر جو لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوسروں میں بھی قطب الاولیا ہو سکتا ہے وہ بھی اس کے مقر ہیں کہ قطب الاقطاب تو آل البیت ہی کے لئے مخصوص ہے۔ قطب الاولیاء اور قطب الاقطاب کے قصوں اور حکایتوں کے علاوہ متاخرین صوفیہ کے حلقوں میں ایسے بے شمار قصے اور حکایتیں وضع ہو کر مشتہر ہوئیں۔ جن میں سے چند بعض علمائے اہل سنّت کی کتب میں بھی درج ہیں کہ اولاد فاطمہؓ میں جس کسی شخص کو باظہار نسب سید و شریف کہا گیا ہے اگر کسی نے اذیت دی یا اذیت دینے کا قصد کیا یا برا برتاؤ کیا دفعتہً خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علیؓ و فاطمہؓ کو دیکھا کہ یہ لوگ اس سے اظہار ناراضی

ذریعے ہیں وہ اپنے فعل سے تائب ہو جاتا ہے یا اگر وہ ظالم و گنہگار ہے مگر سید و شریف سے کوئی حسن سلوک اس نے کبھی کیا ہے یہی فعل اس کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر سنی محدث و فقیہ سے ایک دو واقعے اس کے بھی سنئے۔

(۱) المعمر الجمال المرشدی والشهاب الکورانی ان بعض ابناء تمرلنگ اخبر انه لما مرض تمرلنگ مرض الموت اضطرب فی بعض الایام اضطرابا شدیدا فاسود وجهه وتغیر لونه ثم افاق فذکروا له ذلک فقال ان ملائکة العذاب اتونی فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لهم اذهبوا عنه فانه کان یحب ذریتی و یحسن الیهم فذهبوا۔

جمال الرشدی اور شہاب الکورانی نے بتایا کہ تیمور لنگ کی اولاد کے بعض لوگوں نے ہمیں یہ بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض موت میں مبتلا ہوا تو بعض دنوں میں تو اس پر ایسی شدید بے چینی طاری ہوتی کہ اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور رنگ متغیر ہو گیا مگر پھر اچھا ہو گیا یہ بات جب اسے یاد دلائی گئی تو اس نے کہا کہ عذاب دینے والے فرشتے میرے پاس آ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے پس آپ نے فرشتوں سے فرمایا اس کے پاس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ تو میری ذریت سے محبت کرتا ہے اور حسن سلوک سے پیش آتا ہے پس وہ (فرشتے عذاب کے) چلے گئے۔

(۲) حکی التقی بن فهد الحافظ قال جاءنی الشریف عقیل بن هجیل وهو من الامراء الهواشم فسألنی عشاء فاعتذرت الیه ولم افعل فرأیت النبی فی تلک اللیلة او فی غیرها فاعرض فقلت کیف تعرض عنی یا رسول الله وانا خادم حدیثه فقال کیف لا اعرض عنک ویأتیک

تقی بن فہد نے جو حافظ حدیث تھے حکایت کی ہے کہ شریف عقیل بن ہجیل جو امرائے ہاشم کے خاندان سے تھے میرے پاس آئے اور طعام شب طلب کیا میں نے ان سے معذرت چاہی اور کھانا نہ کھلا سکا اسی رات میں یا دوسری شب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کی حدیث

ولدٌ من اولادی لیطلب العشاء فلم تعشہ قال فلما اصبحت جئت الشریف واعتذرت الیہ واحسنت الیہ بما تیسر (ص۱۱۱)

کی خدمت کرتا ہوں مجھ سے کیوں بیرخی فرماتے ہیں فرمایا تجھ سے کیوں نہ بیرخی کریں ہماری اولاد میں سے ایک تیرے پاس آیا طعام شب طلب کیا اور تو نے کھانا نہ کھلایا تھا۔ جوہری کہتے ہیں کہ صبح ہوتے ہی میں شریف کے پاس دوڑا گیا ان سے معذرت کی اور جو کچھ میسر تھا سلوک کیا۔

شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی نے اپنی کتاب الصواعق المحرقہ جس سے مندرجہ بالا حکایتیں نقل ہوئیں ۹۵۰ھ میں تالیف کی تھی نسل علی و فاطمہؓ کے اعزاز و اکرام کے بیسیوں مہمل قصوں سے کئی صفحے بھر ڈالے ہیں ایک قصے میں بیان ہوا ہے کہ حاکم الشریف ابی نمی محمد بن ابی سعد حسن بن علی بن قتادہ الحسنی "بڑے ظالم شخص تھے۔ شیخ عفیف الدین الدلاصی پیش نماز نے ان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھائی رات کو خواب میں حضرت فاطمہؓ کو مسجد الحرام میں دیکھا لوگ سلام کر رہے ہیں وہ جواب دے رہی ہیں پیش نماز نے تین مرتبہ سلام کیا انھوں نے منہ پھیر لیا خفگی کا سبب معلوم کیا تو فرمایا" بموت ولدی ولا تصلی علیہ میرے بیٹے کی وفات ہوئی ہے تو اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھتا اس قسم کی دوسری حکایتوں کے بیان کے بعد کہا گیا ہے شریف و سید اولاد فاطمہؓ کا اکرام و توقیر ہر حالت میں واجب ہے خواہ صالح و نیکوکار ہوں یا فاجر و بدکار۔ ان حکایتوں اور قصوں کی تصنیف کا سراغ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے چلتا ہے اور معلوم ہے کہ پہلی صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک ایرانی نژاد مدعیان فاطمیت و مہدویت کے علاوہ صحیح النسب فاطمیوں علویوں کے بیسیوں خروج حصول خلافت کی غرض سے مختلف مقامات میں اکثر و بیشتر ناکام ہو چکے تھے۔ اب جبکہ عبیدیہ فاطمیہ حکومت کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا خروجوں کے مواقع حسب سابق حاصل نہ تھے ادھر غالی شیعہ و روافض باطنیہ اسماعیلیہ و متاخرین متصوفہ کی بدولت مغالاۃ فی البشر کی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ مہمل حکایتیں بھی عوام میں پھیلائی گئیں جو روایت پرستی کی وجہ سے بعض کتب میں بھی درج ہو گئیں حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے دنیا کے یہ رشتے ناتے خواہ نبی سے ہوں یا ولی سے دنیا ہی تک کے لئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لن تنفعكم أرحامكم ولا أولادكم يوم القيمة يفصل بينكم والله بما تعملون بصير (پ ۲۸)

تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچائیں گے وہ (اللہ) فیصلہ کریگا تمہارے درمیان اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

فاذا نفخ في الصور فلا أنساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون ○ فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون ○ ومن خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم في جهنم خلدون ○ (پ ۱۸)

پھر جب صور پھونکا جائیگا تو ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے جن کا (نیکی کا پلہ) بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا وہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے کو برباد کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

علامہ ابن حزم نے الملل والنحل میں آیت شریفہ واخشوا یوما لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود هو جاز عن والده شيئا (اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آسکے گا اور نہ بیٹا اپنے والد کے) لکھ کر لکھا ہے کہ

فصح ضرورة أنه لا ينتفع أحد بقرابته من رسول الله ولا من نبي من الأنبياء والرسل ولو أن النبي ابنه أو أبوه أو أمه نبيته وقد نص الله في ابن نوح ووالد إبراهيم وعم محمد ما فيه الكفاية وقد نص الله على أن من أنفق من قبل الفتح وقاتل أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا۔ فصح ضرورة أن بلالا وصهيبا والمقداد وعمارا وسالما وسلمان أفضل من العباس وبنيه عبد الله والفضل وقثم ومعبد وعبيد الله

پس ثابت ہوگیا کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء و مرسلین کی قرابت کی وجہ سے نفع نہ اٹھا سکے گا اگرچہ اس کا بیٹا یا باپ یا ماں نبی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے (فرزند نوحؑ و والد ابراہیمؑ و عم محمدؐ) کے بارے میں جو تصریح کی ہے وہی کافی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے قبل فتح کے خرچ کیا جہاد کیا وہ ان لوگوں سے بہت بڑے درجے والے ہیں جنھوں نے بعد فتح کے خرچ کیا اور جہاد کیا لہٰذا بصراحت ثابت ہوگیا کہ بلالؓ و صہیبؓ و مقدادؓ و عمارؓ و سالمؓ و سلمانؓ عباسؓ،

ومن عقیل بن ابی طالب والحسن
والحسین بشهادة الله فهذا
لا شك فيه ولا جزاء الا على عمل
ولا ينتفع عند الله بالارحام ولا
بالولادات وليست الدنيا دار جزاء
فلا فرق بين هاشمی وقرشی و
عربی وعجمی وحبشی وابن زنجية
والكرم والفوز لمن اتقى الله۔
(ملل والنحل ابن حزم)

و فرزندان عباس عبداللہ و فضل و قثم و
عبید و عبیداللہ نیز عقیل بن ابی طالب اور
حسن و حسین سے اللہ تعالیٰ کی شہادت کے
مطابق افضل ہیں چونکہ اس میں کوئی شک نہیں
کہ آخرت میں صرف عمل ہی پر جزا ہوگی۔ اللہ
تعالیٰ کے یہاں قرابتوں اور پدری و پسری
تعلق سے کوئی نفع نہ ہوگا اور دنیا مقام
جزا نہیں ہے تو پھر ہاشمی و قریشی و عربی و
عجمی و حبشی اور کسی حبشن کے بیٹے میں باہم کوئی
فرق نہیں بزرگی اور کامیابی اسی کی ہے جو
اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ متقی ہے

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً ارشاد فرمایا کہ متقی مسلمان ہی میرے
دوست (ولی) ہیں۔ ذکر آل ابی طالب شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

واما الاتقياء من أمته فهم اولياءه
كما ثبت فى الصحيح ان آل ابى فلان
يعنى آل ابى طالب ليسوا لى باولياء
انما ولى الله وصالح المومنين
فبين اولياءه صالح المومنين و
كذلك فى حديث آخر ان اوليائى
المتقون كانوا وحيث كانوا۔
(منهاج السنة)

آپ کی (رسول اللہ) کی امت کے متقی ہی آپ
کے دوست ہیں جیسا کہ اس حدیث سے جو صحاح
میں ہے ثابت ہے (آپ نے فرمایا آل ابی فلاں
یعنی آل ابی طالب میرے لئے اولیاء اور دوست
نہیں ہیں بلکہ اللہ اور مومنین صالح بلاشبہ
میرے ولی اور دوست ہیں اس حدیث سے
واضح ہے کہ آپ کے دوست صالح مومنین
ہیں اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ میرے
اولیاء تو متقی لوگ ہیں وہ کوئی بھی ہوں اور
کہیں ہوں۔

و صلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں
صاف طور پر فرمایا ہے کہ آخرت کے [illegible] کسی کا [illegible] نسب [illegible] کام آئے گا جن کے

اعمال نیک کا پلہ بھاری ہوگا وہی کامیاب رہیں گے (ھُمُ الْمُفْلِحُوْن) ۔حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نسباً آپ سے قریب تر تھے آپ ہی کے ارشاد کے مطابق آپ کے والد کے مثل تھے (صنو ابی) مسند احمد میں ان کے فرزند عبداللہ بن عباسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب انھوں نے درخواست کی کہ کوئی چیز ایسی بتلا دیں جو آخرت میں نفع بخش ہو آپ نے فرمایا تھا:۔

یا عباس! انت عمی ولا اغنی عنک من اللہ شیئاً ولکن سل ربک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ	اے عباس چچا تم میرے ہو مگر اللہ کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا لیکن تم التجا کرتے رہو اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور عافیت کی۔

اپنی پھوپی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی جیسا ذکر کر چکا آپ نے یہی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میں تم لوگوں کے کچھ کام نہیں آسکتا عمل کرو عمل۔ سورۃ النجم کی آیت مبارکہ کا یہی مضمون ہے فرمایا گیا ہے۔

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور یہ کہ آدمی کو وہی کچھ ملتا ہے جو وہ کماتا ہے اور یہ کہ کمائی اس کی جلد ہی اس کو دکھا دی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلا دے دیا جائیگا۔

نسبی شخصی برتری کی چند وضعی حدیثیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اسلامی مساوات و اخوت کی نصوص قرآنیہ سے کسی طرح مستثنیٰ نہیں اور جزا و سزا سے بالا نہیں لیکن یہ چند وضعی احادیث جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ملاحظہ ہوں مختلف کتب الصواعق المحرقہ، الھیتمی واللآلی المصنوعہ سیوطی و مجمع الزوائد و منبع الفوائد الھیثمی و نور الابصار وغیرہ وغیرہ درج ہیں۔

(۱) حضرت عباسؓ کے بارے میں رسول اللہ | اے عباس! اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری

صلی اللہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔

اولاد میں سے کسی کو بھی عذاب نہ دے گا۔

۲- اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے لئے بھی یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

اے فاطمہ! تمہیں اور تمہاری اولاد کو اللہ تعالیٰ عذاب سے کوئی نہ دے گا۔

۳- حضرت فاطمہؓ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں رسول اللہ سے یہ قول منسوب کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے فاطمہ اور اس کی ذریت کو نار دوزخ سے جدا کر رکھا ہے (فطم) اس لئے نام رکھا گیا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں یہ حدیث وضع ہوئی جسے ابن حجر الہیثمی نے ان الفاظ میں درج کیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

۴- یا علی! ان اللہ قد غفر لک ولذریتک ولولدک ولاھلک ولشیعتک ولمحبی شیعتک فانشر فانک الانزع البطین

اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمہاری، تمہاری ذریت کی، تمہاری اولاد کی، تمہاری اہل بیوی کی، تمہارے شیعوں کی اور تمہارے شیعوں کے محبت رکھنے والوں سب کی مغفرت کر دی کیونکہ تم عظیم البطن ہو۔

پھر اپنے اہل خاندان کو نار دوزخ سے محفوظ رکھنے کے بارے میں یہ قول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا۔

۵- سألت ربی الا یدخل احدا من اھل بیتی النار فاعطانی ذلک۔

میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی بھی نار دوزخ میں نہ جانے پائے پس اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست میری قبول فرمالی۔

حسنینؓ اور ان کے والدین کے بارے میں مشہور حدیث کساء محض وضعی ہے اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں بھی وضعی حدیث ہے کہ:۔

۶- انہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتمل علی العباس وبنیہ بملاءۃ ثم قال یا رب ھذا عمی وصنو ابی وھولاء اھل بیتی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا: اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں۔ میرے باپ کے مثل ہیں اور

فاستر ہم من النار کستری ایاہم بملاوتی ہذہ فامنت اسکفۃ الباب وحوائط البیت فقال آمین

اہل بیت کو نار (دوزخ) سے اسی طرح بچا جیسے میں نے اپنی چادر سے ڈھانپا ہے پس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

۵۔ عن النبی حرمت الجنۃ علی من ظلم اہل بیتی وآذانی فی عترتی ومن صنع صنیعۃ الی احد من ولد عبد المطلب ولم یجازہ علیہا فانا اجازیہ علیہا غداً اذا لقینی یوم القیامۃ
(کتاب نور الابصار)

نبی صلعم نے فرمایا! حرام ہے جنت اس شخص پر جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو ایذا دی اور جس نے عبد المطلب کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی سلوک کیا ہو اور اس کا بدلہ نہ پایا تو بدلا میں دونگا جب کل قیامت کے دن مجھ سے ملاقی ہوگا۔

روافض و متصوفہ کے وضعی اقوال کو کذابین نے حدیث کہکر مشہور کیا ہے اس کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

۶۔ عن ابن مسعود حب آل محمدؐ یوماً خیر من عبادۃ سنۃ
(الشرف المؤبد)

ابن مسعود سے یہ حدیث مروی ہے کہ آل محمد سے ایک دن محبت کرنی ایک سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۷۔ نظر الی علی عبادۃ

علی پر ایک نظر ڈالنی بھی عبادت ہے۔

۸۔ صواعق المحرقہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی سب خلق سے بہتر ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے فرمایا ھو انت وشیعتک تاتی انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین ویاتی عدوک غضابا مقمحین (یعنی یہ لوگ جن کا اس آیت میں ذکر ہے تم اور تمہارے شیعہ ہیں قیامت کے دن تم اور تمہارے

شیعہ راضی خوشی آئیں گے اور تمہارے دشمن رنجیدہ و پژمردہ آئیں گے۔

۱۱۔ اسی الصواعق میں الثعلبی نے سورۃ الاعراف کی اس آیت کی تفسیر میں (وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ) اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی پیشانی سے) حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول منسوب کیا ہے۔

الاعراف موضع عال من الصراط عليه العباس وحمزة وعلى بن ابى طالب وجعفر ذو الجناحين يعرفون محبيهم ببياض الوجوه ومبغضيهم بسواد الوجوه۔	الاعراف پل صراط کا بلند مقام ہے اس پر عباس اور حمزہ و علی بن ابی طالب اور جعفر ذوالجناحین ہوں گے اور اپنے محبت کرنے والوں کو ان کے سفید چہروں سے پہچان لیں گے اور اپنے سے بغض رکھنے والوں کو بھی ان کے سیاہ چہروں سے۔

روایت کے وضع کرنے والے نے نہ معلوم کس وجہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب وحضرت ابوسفیان ہاشمی کو جن کے بارے میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ہے کہ سید فتیان اہل الجنۃ ابوسفیان یعنی جوانان اہل جنت کے سردار ابوسفیان ہیں نیز دوسرے ہاشمیوں کو شامل نہیں کیا۔

۱۲۔ من كنت مولاه فعلى مولاه (یعنی جس کا مولیٰ میں ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں) یہ قول بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے اور متصوفہ کے حلقوں میں خاص کر مشہور ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں اس کو جھوٹ اور راوی کا من گھڑت بتایا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

ان هذا الحديث من الكذب الموضوع باتفاق اهل المعرفة بالموضوعات۔	یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ہے ان سب کے نزدیک جن کو موضوعات (من گھڑت حدیثوں کے) جانچنے پرکھنے کی معرفت حاصل ہے

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی منسوب ہے۔ انا مدينة العلم وعلىؓ بابها۔ دوسری روایت میں ہے انا دار الحكمة وعلىٌّ بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں یا بروایت دیگر میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث منکر ہے اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں

ترمذی نے منکر او رمعیوب ابن جوزی نے موضوع یحییٰ بن معین نے لاوادی و ذہبی و شمس الدین جزری سب ہی نے موضوع بتایا ہے شیعہ و متصوفہ نے اس کو بہت کچھ اچھالا ہے۔ دیلمی نے کتاب فردوس میں اسے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

انا مدینۃ العلم و ابو بکر اساسہا و عمر حیطانہا و عثمان سقفہا و علی بابہا۔	میں علم کا شہر ہوں ابوبکر اس کی بنیاد ہیں۔ عمر اس کی دیواریں عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

مولف الشرف المؤبد نے حضرت علیؓ کے وسعت علم کے ثبوت میں حضرت ابن عباسؓ کی جو ترجمان القرآن کہلاتے ہیں یہ روایت پیش کی ہے۔

عن ابن عباس قال: قال لی علیؓ یا ابن عباس اذا صلیت العشاء الآخرۃ فالحق الی الجبانۃ قال صلیت و لحقتہ و کانت لیلۃ مقمرۃ فقال لی ما تفسیر الالف من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فیہا ساعۃ تامۃ ثم قال لی ما تفسیر الحاء من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فیہا ساعۃ تامۃ ثم قال لی ما تفسیر المیم من الحمد قلت لا اعلم فتکلم فی تفسیرہا ساعۃ تامۃ قال فما تفسیر الدال من الحمد قلت لا ادری فتکلم فیہا الی ان برق عمود الفجر	حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن عباسؓ جب تم عشاء کی آخری نماز پڑھ چکو باہر میدان میں پہنچ جانا کہتے ہیں کہ نماز پڑھ کے میں ان کے پاس پہنچ گیا چاندنی رات تھی مجھ سے پوچھنے لگے کہ الحمد میں جو الف ہے اس کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا اس پر ایک گھنٹہ کامل حرف الف کی تفسیر بیان کی پھر پوچھا الحمد کے لام کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں پھر حرف لام کی ایک گھنٹہ کامل تفسیر بیان کی پھر پوچھا الحمد کے حرف ح کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا میں نہیں جانتا اس پر پورے ایک گھنٹے تک حرف ح کی تفسیر بیان کی پھر سوال کیا کہ الحمد کے میم کی کیا تفسیر ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اس پر حرف میم کی ایک گھنٹہ کامل تفسیر بیان کی پھر پوچھا الحمد کے حرف دال کی کیا

تفسیر بیان سے کیا مجھے معلوم نہیں تو
اس پر حرف دال کی تفسیر اس وقت تک
بیان کرتے رہے کہ فجر کی پو پھٹنے لگی۔

اس کے بعد ابن عباسؓ سے فرمایا کہ نماز فجر کے لئے اٹھ کھڑے ہو وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علی نے بیان کیا تھا میں نے حفظ کر لیا۔

ثم تفكرت فاذا علمي بالقرآن في علم علي كالقرارة في المثعنجر۔

پھر میں نے غور کیا تو سمجھا کہ میرا علم قرآن علی کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے ایک تالاب بحر بے کنار کے مقابلے میں ہو۔

راوی نے ترجمان القرآن ہی کے منہ سے ان کے عجز کا اعتراف کرا دیا اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے چچیرے بھائی کو ابجد کے حروف کی تفسیر سکھائی اور وہ بھی رات کی تنہائی میں اور میدان صحرائی میں دن میں اگر مسجد نبوی میں صحابہ کرام و تابعین عظام کے مجمع میں حروف ابجد ہی سے ا بجد کے پانچ حروف کی تفسیر پورے پانچ گھنٹے بیان کرتے لوگ حفظ کر لیتے اور آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ جاتے تو عجائب روزگار میں سے ہوتی۔ مگر یہ حروف کی تفسیریں تو اسماعیلیہ ان کے ہم مشرب ابن عربی اور اخوان الصفا کی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت کا ظاہر ہو باطن ہے اسی طرح حروف کا ہو لکل حرف حد ولکل حد مطلع (مقدمہ تفسیر ابن عربی) حضرت علیؓ کو جو فضیلت علمیہ حاصل تھی اس میں ایسی مہمل روایتوں سے کیا اضافہ ہو سکتا ہے اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں خطبے وضع کرکے اور ایک دیوان شعر تصنیف کرکے ان سے منسوب کر دیے ہیں۔

(۱۳) ذرا دیکھئے کیسا غلط قول وضاعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ ہر نبی کی اولاد اللہ تعالیٰ نے اسی کے صلب میں رکھی مگر میری ذریت علی بن ابی طالب کے صلب میں رکھودی آپ کے صلب مطہر سے تو بروایت اصح آٹھ اولادیں تھیں چار بیٹے اور چار ہی بیٹیاں چاروں صاحبزادوں کو مشیت ایزدی نے بچپن ہی میں اٹھا لیا چنانچہ فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (اور محمد تم میں سے کسی ایک آدمی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں) گویا آپ کی عظیم دعوت کو جس کے بعد کوئی دعوت آنے والی

دینی، نسبی و خاندانی و نسلی امتیازات کی بندشوں سے قطعاً آزاد رکھنا مطلوب تھا اس لئے فرما دیا گیا کہ یہ نبی تو خاتم النبیین ہیں اور آخری نبی کی حیثیت سے تمام امتیوں کے روحانی باپ ہیں اولاد نرینہ سے ان کی نہ کوئی نسل ہو   بیٹا صلبی۔ آپ کی روحانی اولاد البتہ فرزندانِ اسلام ہوں گے اس لئے قربت روحانی وجہ امتیاز قرار دی گئی نہ کہ قرابت لحمی۔

چاروں صاحبزادیاں جوان ہو ہو کر بیاہی گئیں تین کے اپنے شوہروں سے اولادیں بھی ہوئیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینبؓ زوجہ حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع سے ایک فرزند علی بن ابوالعاصؓ اور ایک بیٹی دختر امامہ بنت ابوالعاصؓ ہوئیں۔ منجھلی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ سے ایک فرزند عبداللہ بن عثمانؓ تھے۔ منجھلی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ زوجہ علیؓ بن ابی طالب سے دو صاحبزادے حسنؓ و حسینؓ فرزندان علیؓ بن ابی طالب اور دو بھی صاحبزادیاں زینب و ام کلثوم تھیں۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن سیدہ رقیہ کے انتقال کے بعد اپنے بہنوئی حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں سے آپ کے چار نواسے اور تین نواسیاں ہوئیں۔ ان سات نواسے نواسیوں میں سے تین تو اموی نسب تھے اور چار ہاشمی نسب یعنی علی بن ابوالعاصؓ و عبداللہ بن عثمانؓ و امامہ بنت ابوالعاصؓ یہ تینوں اموی گھرانے کے تھے اور حسنؓ و حسینؓ و زینب و ام کلثوم بنات علیؓ بن ابی طالب ہاشمی خاندان کے تھے۔ یہ سب نواسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبط کہلاتے تھے نہ ابن اور یہی حکم الٰہی ہے۔ فرمایا گیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (یعنی لوگوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے پکارو کہ یہی پورا پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں) اور یہی عام دستور اور رواج ہمیشہ سے ہے خصوصاً اہل عرب کے یہاں لفظ ابن کا اطلاق اپنے صلبی بیٹے پر ہی ہوتا ہے نواسہ سبط کہلاتا ہے کیونکہ وہ اپنے صلب سے نہیں دوسرے شخص کے صلب سے ہوتا ہے چنانچہ عرب شاعر کہتا ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا و بناتنا   بنوهن ابناء الرجال الاباعد

ہماری اولاد و ذریت تو ہمارے اپنے ہی بیٹوں کی اولاد ہوتی ہے۔   رہی ہماری بیٹیوں کی اولاد تو وہ غیر لوگوں کی اولاد ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت حسن، حسن بن علی بن ابی طالب کہلاتے تھے اسی طرح اس کے چھوٹے بھائی حسین ابن علی بن ابی طالب ان حضرت نے نہ کبھی اپنے کو حسن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہا نہ ان کے پدر بزرگوار نے کبھی ایسا کہا اور نہ کسی اور نے۔ اب ذرا ایک کذب حدیث مولف الشرف المؤبد سے فضیلت علیؑ کی سنئے لکھتے ہیں :۔

ان رسول اللہ قال لعلی: والذی نفسی بیدہ لولا ان یقول فیک طوائف من امتی بما قالت النصاری فی عیسی بن مریم لقلت فیک الیوم مقالا لا تمر بأحد من المسلمین الا اخذ من اثر قدمیک یطلب به البرکة

رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا علی سے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میری امت کے لوگ تمہارے بارے میں وہی کچھ نہ کہنے لگتے جو نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کے متعلق کہتے ہیں تو میں آج تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا کہ پھر کوئی ایک مسلمان بھی حصول برکت کے لئے تمہارے قدموں کے نشان کی خاک حاصل کئے بغیر نہ رہتا۔

شارح نہج البلاغت ابن ابی الحدید نے اس غایت درجہ مغو اور اکذب حدیث کو بھی فضائل علیؓ کے سلسلہ میں درج کر ڈالا ہے۔ یہ ہے ایک نمونہ تاریخی شخصیتوں کے ذاتی و نسبی مقدس برتری اور تفوق کے اظہار کا۔ اب حصول برکت اور دفع بلیات کی دوسری بات بھی سنئے۔

غالی طبقے کے کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لقب المصطفےٰ کے ساتھ حضرت علیؓ کا لقب المرتضیٰ ملا کر اور حسنین کو ان کے "ابناھما" یعنی ان دونوں کے دو بیٹے کہہ کر گویا ابن حقیقی و ابن مجازی کو ایک ہی ضمیر میں جمع کر کے اور ان کی والدہ معظمہ کا نام آخر تک ملا کر یہ شعر کہہ ڈالا۔

لی خمسة أطفی بها حر الوباء الحاطمه
المصطفى والمرتضى وابناهما والفاطمة

ہمارے لئے تو پانچ ہیں (جن کے ناموں کی برکت سے ہی) مگر تو ڑ بھی شدید وباء کی حرارت بجھ جاتی ہے۔
مصطفٰی و مرتضٰی اور ان دونوں کے دو بیٹے اور الفاطمہ۔

فاطمہ پر ال داخل کرنا اور حرف و وباء کی جو مذکر ہے صفت حاطمہ لانا جو مونث ہے

کہنے والی کی نااہلیت کی دلیل تو ہے ہی مگر اس کی یہ حیثیت ملاحظہ ہو کہ غیر اللہ کے ناموں کی برکت سے استعانت طلب کرنے پر ناواقفوں کو یوں ابھارا ہے جو صریحاً شرک ہے لیکن بعض تفضیلیہ وجاہل متصوفہ نے اپنے مریدوں کے دروازوں پر جن شرکیہ دفع بلیات کے لئے آویزاں کرلوا دیا تھا عام مسلمانوں نے بھی تقلید کر ڈالی حالانکہ یہی لوگ پنج وقتہ نمازوں میں کئی مرتبہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں یہ الفاظ کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تیری ہی تو عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے تو مدد مانگتے ہیں) مگر مشرکانہ افعال سے پھر بھی باز نہیں آتے۔

پنج تن پاک غالیہ یوں تو پہلے ہی سے ان میں حلول الٰہ کے قائل ہیں لیکن تیسری چوتھی صدی ہجری سے سیاسی پارٹی سے شکست خوردہ غالی عنصر نے "خمسۃ اشخاص" کی اصطلاح گھڑ ڈالی پھر ان پانچ کے پانچ ہی ضد قرار دیئے گئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ غالیوں کے ذکر میں فرماتے ہیں:۔

ومن یزعمون ان اللہ فی خمسۃ اشخاص فی النبی و علی والحسن والحسین وفاطمۃ وھٰؤلاء خمسۃ اضداد: ابوبکر و عمر و عثمان و معاویۃ و ابن العاص ثم منھم من قال ان ھٰذہ الاضداد محمودۃ لانہ لا یعرف فضل الاشخاص الا باضدادھا فھی محمودۃ من ھذا الوجہ۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۳۹)

ان میں وہ بھی ہیں جو اس خیال کے ہیں کہ ان پانچ اشخاص میں اللہ حلول کئے ہے یعنی نبی صلعم اور علی و حسن و حسین اور فاطمہ ہیں پھر ان پانچ کے پانچ اضداد ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و عمرو بن العاص ہیں ان لوگوں میں وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ اضداد لائق توصیف ہیں کیونکہ پانچ اشخاص کی فضیلت ان کے اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہے سو یہ اضداد محمود ہیں۔

اضداد خمسہ میں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے علاوہ حضرت امیر معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کے نام شامل کرنے سے اس امر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ سیاسی مقاصد سے یہ اصطلاح گھڑ ڈالی گئی تھی کیونکہ حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا باعث ان ہی دو حضرات کو قرار دیا گیا تھا اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ اشخاص خمسہ کے بجائے پنج تن کی اصطلاح کب اور کہاں اختراع ہوئی؟ ایران میں یا ہندوستان میں؟ اس کا سراغ باطنیہ

ومقصود مبلغین کے پروپیگنڈے کے سلسلے میں چلتا ہے جو آٹھویں صدی ہجری سے گجرات وغیرہ کے علاقے میں ہوتا رہا۔

آٹھویں صدی ہجری سے پہلے ہندوستان میں روافض کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ امیر خسروؒ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵-۷۱۰ھ) کے حالات وواقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ مسلمانان ہند من حیث الجماعت سب ہی ایک مسلک ومشرب کے متبع تھے اور مسلک ومشرب اہل سنت والجماعت کا تھا۔ رافضی و معتزلی وخارجی کا اس ملک و دیار میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہ چند شعر ان کے سنئے:

خوشا ہندوستان و رونق دین — شریعت را کمال عز و تمکین
ز علم با عمل دہلی بخارا — ز شاہان گشتہ اسلام آشکارا
سر ہندو چو فرمان را مطیع است — ز آب تیغ خویش را شفیع است
ز غزنین تا لب دریا درین باب — ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
مسلمانان نعمانی روش خاص — ز دل ہر چار آئین را باخلاص
نہ کین با شافعی نے مہر با زید — جماعت را و سنت را بجان صید
نہ ز اہل اعتزالی کز فن شوم — ز دیدار خدا گردند محروم
نہ رفضی تا رسد زان مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمد
زہے خاک مسلمان خیز دین جوئے — کہ ماہی نیز سنی خیزد از جوئے

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے تھوڑی ہی مدت بعد خلجی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور تغلق خاندان کی سلطنت قائم ہوئی جو تقریباً نوّے برس رہی۔ سلطان محمد شاہ تغلق متوفی ۷۵۲ھ ان میں بڑا راسخ العقیدہ اور عالم وفاضل بادشاہ تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد عبد العزیز اردبیلی سے جو اس کے عہد میں دہلی میں تھے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ سیاح عالم ابن بطوطہ اسی بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے تھے انھوں نے اپنے سفرنامے میں روافض کے اس ملک میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ دوران سفر جہاں جہاں روافض کو پایا برابر ان کا ذکر کرتے ہیں۔ سلطان محمد شاہ تغلق کو خلفائے آل عباسؓ سے حد درجہ عقیدت تھی۔ عباسی خلیفہ سے جو اس زمانے میں مصر میں تھے بیعت کی اور اجازت حکومت

بقیہ

حاصل کئے بغیر اپنے کو جائز حکمراں نہیں سمجھتا تھا۔ ایسے بادشاہ کے عہد میں روافض کا یہاں موجود ہونا جو خلفائے ثلٰثہ کے علاوہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس سب ہی پر سب و شتم کرتے ہیں کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ محمد شاہ تغلق کے بعد اس کا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا وہ بھی اپنے پیشرو کی طرح متبع شریعت بادشاہ تھا ۷۹۰ھ میں فوت ہوا اس کے عہد حکومت میں اس ملک میں چند روافض علماء موجود پائے گئے اور بزرگان دین کی اسائت ادب کرنے کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے تھے۔ سلطنت تغلقیہ کے خاتمے کے بعد جنوبی پنجاب اور جنوب مغرب ساحل کے بعض علاقہ جات کاٹھیاوار و گجرات وغیرہ میں ایران وغیرہ سے باطنی و غالی فرقوں کے مبلغین کی آمد شروع ہوئی جو بیشتر توہم پرست ہندوؤں اور جاہل باشندوں میں کام کرتے تھے کہتے ہیں اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے ایک ایرانی باطنی مبلغ جس کا اصل نام سید سعادت بتایا گیا ہے ان اطراف میں وارد ہوا اس نے پھر مصلحتاً نام بالقب نور الدین اختیار کیا اور ہندوؤں کی تالیف قلوب کے

سلہ ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کے بہت سے چشم دید حالات لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ خلفائے آل عباسؓ سے بیحد عقیدت رکھتا تھا ایک معاصر مورخ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں محمد شاہ تغلق کی عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے" در خاطر افتاد کہ سلطنت و امارت سلاطین بے امر دادن خلیفہ کہ آل عباس بود درست نیست و ہر بادشاہے کہ بے منشور خلفائے عباسی بادشاہی کردہ است یا بادشاہی کند متغلب بودہ است و متغلب بود" اس زمانے کے سلاطین اور بادشاہ مرکزی منشور خلافت سے وابستہ رہنا لازم جانتے تھے شہاب الدین غوری سے لیکر دکن کے سلاطین بہمنیہ تک نے خلیفہ عباسی سے منشور اور خلعت حاصل کئے اور سکوں کے ایک طرف خلیفۂ وقت کا نام و لقب یا مولانا امیر المومنین و ناصر المومنین وغیرہ الفاظ نقش کرائے۔ دربار تغلق کے شاعر بدر چاچ کے دیوان میں امام عصر و خلیفۂ زماں کی ستائش اور خلعت و منشور کی آمد کی خوشی میں بیسیوں قصیدے موجود ہیں۔ ایک قصیدے کے یہ شعر گئے جو خلیفہ عباسی سے خلعت کی آمد پر کہا تھا ؎

جبرئیل از طاقِ گردوں البشر و آگہاں رسید | کز خلیفہ سوئے سلطاں خلعتِ شاہاں رسید
شاہ را برکلِ عالم حکم مطلق داد امام | ایں خبر در ہفت کشور بر ہمہ شاہاں رسید
ملک را بازو قوی شد دین سرفرازی نمود | شرع را حرمت فزوں شد رونقِ ایماں رسید
راستے عید ہو شاں آمد کہ در سالے دو مہ | از امیر المومنین خلعت بسوئے سلطاں رسید

ہے "نوزست سا گرہ" کہلواتا تھا۔ ہندؤوں کے تجارت پیشہ مقلدوں میں تھا اس کے معتقد ہوئے کاٹھیاواڑ و گجرات کے ست پنتھی انہی میں بتلائے جاتے ہیں کہتے ہیں اسی "نوزست ساگر" نے ہندؤوں کے پنجتنا (پنج جنا) کے بجائے پنج تن اصطلاح قایم کی تھی

پنج تن	پنج جنا
(١) جناب رسالت مآب صلعم	(١) رام چندر
(٢) حضرت علی رضہ	(٢) لچھمن
(٣) حضرت حسن رضہ	(٣) بھرت
(٤) حضرت حسین رضہ	(٤) ستردھن
(٥) حضرت فاطمہ رضہ	(٥) سیتا
شیعوں کی اصطلاح	ہندؤوں کی اصطلاح پنجتنا

کتاب الازہار مولفہ حسن بن نوح بھروچی (نسخہ مخطوطہ) میں اس اصطلاح کو اگرچہ ہندو باطنی میل ملاپ کا نتیجہ ہی بتایا ہے مگر زمانہ کا تعین ایک صدی پہلے کا کیا ہے بہرحال ہندی فارسی الفاظ کی یہ اصطلاح ہندوستان ہی میں اختراع ہوئی تھی بمرور زمانہ تفضیلیہ متصوفہ کے علاوہ اہل سنّت کے بعض علماء نے بھی اپنا لیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مشہور تالیف تحفہ اثنا عشریہ رد شیعیت میں ہے اس کا اردو ترجمہ جو کراچی کے ایک تاجر کتب نے طبع کرایا ہے اس کے پہلے ہی صفحے پر کسی سبائیت زدہ مولوی کا قطعہ اشعار درج ہے "پنجتن" کی پھر یوں تشریح کی گئی ہے:۔

بنائے اسلام کی پنجتن — حسین رضہ و حسن رضہ اور علی رضہ ولی
چہارم بتول اور پنجم رسول — محمدؐ کہ جن سے ہدایت چلی

باوجود اس اقرار کے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادیٔ برحق تھے "ان سے ہدایت چلی" دوسرے چار فانی انسانوں کو اسلام کے پانچ اصول کی "بنا" قرار دیا گیا انتہائی لغو بیانی بلکہ صریح کفر نہیں۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے غلو بغیر حق اور اندھی عقیدت کی جو شیعی پروپگنڈے کی وضعی حدیثوں اور روایتوں کے غیر شعوری اثرات سے پیدا ہو کر غیر طبقاتی ملت میں طبقات قایم کرنے اور سید و شریف بالظاہر نسب کہلوانے کا موجب ہوئی ہر مسلم و مومن کے ایمان کی "بنا" تو یہ ہے:۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ

من اللہ تعالیٰ والبغض بغض العترت۔

اسلام و ایمان کی بنیاد ہیں رسول اور نبی کے رشتہ داروں کا یہ واسطہ۔

”پنجتن“ تو شیعوں کی خاص اصطلاح ہے۔ شیعہ مؤلف مصباح الظلم فرماتے ہیں۔

”جاننا چاہیئے کہ پنجتن پاک شیعوں کا عقیدۂ خاص ہے۔ اس عقیدے سے اہل سنت حتی بیزاری تعلق نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علمائے اہل سنت۔ ”آیت تطہیر کو رسول خدا، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کے ساتھ کسی طرح پر مخصوص نہیں جانتے ہیں۔ نہ آیۂ مباہلہ کو علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسینؑ سے بالتخصیص متعلق سمجھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض حضرات اہل سنت جو عقیدۂ پنجتن پاک کے پابند نظر آتے ہیں وہ یقیناً بے قاعدہ اور بے اصول سنی ہیں جو چیز ان کے مذہب میں نہیں ہے اس کی پابندی ان کی لاعلمی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے ایسے سنیوں کو شیعہ ہو جانے سے کس نے منع کیا ہے سنی ہو کر شیعہ کا عقیدہ رکھنا چہ معنی دارد (ص۵۱)

نادعلی

پنجتن کی اصطلاح کے علاوہ اسی غالی فرقے نے ”نادعلی“ کے بھی دو شعر گھڑے جو اہل تفضیلیہ صوفیوں کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پھیلا دیئے۔ غیر اللہ کو

؎ متاخر متصوفہ میں حیدری و جلالی یہ دو فرقے تھے جو گجرات و پنجاب میں شعبدے دکھاتے جلتی آگ میں کود جاتے۔ بقول مؤلف دبستان مذاہب جلالی شیخین رضی اللہ عنہم کی دشنام دہی کا ارتکاب کرتے۔ سانپ کو ”ہاتی“ کہتے اور بچھوؤں کو ”بھینگا علی“۔ ”نادعلی“ کا تعویذ بازوؤں پر باندھتے۔ ان کے ایک مقتدی شیخ علی حیدری کو سلطان محمد تغلق شاہ نے قاضی جلال افغانی کے ساتھ بغاوت کی سازش کے جرم میں قتل کرا دیا تھا۔ باطنیہ وغیرہ کے مبلغ اس زمانے سے تقریباً ایک صدی بعد گجرات و کاٹھیاوار کے علاقے میں وقتاً فوقتاً وارد ہوئے۔ سیدپور، احمد آباد، سورت، جام نگر وغیرہ ان کے مرکز و اڈے رہے۔ متعدد قوم پرست ہندو قبیلوں کو اپنی دعوت میں شامل کر لیا تھا مگر بقول اسماعیلی مؤلف ایک شخص جعفر نامی جو ہندوستان سے یمن جا کر اور ان میں شامل ہو کر ان کے حالات سے کما حقہ واقفیت حاصل کر چکا تھا جب کئی سال بعد لوٹ کر گجرات آیا۔ اس نے ”سنی“ بن کر دعوت کی لوگوں کو سنی بنانے کی کوشش کی اس کے الگ ہو جانے سے دعوت کا بڑا نقصان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ۵۰ فیصدی اسماعیلیوں نے اہل سنت کا مذہب اختیار کیا اس کا مستقر پاٹن تھا

(بقایا صفحہ ۲۴۳ پر)

مدد اور استغاثت کے لئے اس حالت میں پکارنا کھڑے ہوئے بھی اسے تیرہ سو برس سے زائد مدت گذر چکی ہو شرک اور کفر ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم (مجھ ہی کو بلاؤ (پکارو) میں تمہاری التجا قبول کرونگا۔ غالیہ نے عوام کالانعام کو ناد علی کے ذریعہ یہ سبق پڑھایا کہ اپنے مصائب میں علی کو پکارو۔ وہ دو شعر ملاحظہ ہوں :-

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ	تَجِدْهُ عَوْنًا لَکَ فِی النَّوَائِبِ
علی کو پکارو جو عجائبات ظاہر کیا کرتے تھے	تم ان کو اپنے مصائب میں مددگار پاؤ گے
کُلُّ هَمٍّ وَّ غَمٍّ سَیَنْجَلِیْ	بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ وَبِوِلَایَتِکَ یَا عَلِی
کل درد و غم جلدی دور ہو جادیں گے	اے محمد آپ کی نبوت اور اے علی آپ کی ولایت کی بدولت

آخری مصرعہ میں ولایت سے مراد "علی ولی اللہ" سے لی گئی ہے اور تفضیلیہ متصوفہ اپنے سلسلہ کے مرشد اعلیٰ سے لیتے ہیں مگر اس "ولایت" کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مساوی قرار دے کر ناواقفوں کو فریب دیا ہے اور تفضیلیہ متصوفہ کے توسط سے "ناد علی" کو ناواقف عقیدتمند سنیوں کے گلوں میں تعویذ بنوا کر ڈلوا دیا اور اتنا غلو کیا کہ مرتے وقت تک بھی ساتھ نہ چھوڑا قبروں تک پر کندہ کرا دیا۔ پھر بمرور ایام بعض صوفی مشرب سبائیت زدہ لوگوں نے "ناد علی" کے الفاظ مظہر العجائب و حلال المشکلات و النوائب کو خطبات جمعہ و عیدین تک میں جن کا ذکر آگے آتا ہے شامل کر لیا۔ "پنج تن" اور "ناد علی" کے پروپگنڈے ہی کا نتیجہ ہے کہ تفضیلیہ و متصوفہ کے حلقوں میں اٹھتے بیٹھتے

(بقایا نوٹ صفحہ ۱۳۶ کا) جو احمد آباد کے پاس اب تک موجود ہے" (صفحہ ۲۹۳)

یہ زمانہ لودھی خاندان کی حکومت کا تھا اس سے تقریباً نصف صدی بعد سے جب ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر شاہ طہماسپ بادشاہ ایران سے جو کٹر شیعہ تھا امداد کا طالب ہوا چودہ ہزار کے جرار لشکر سے مدد دی گئی۔ مورخ دولت اسمٰعیلیہ کا قول ہے کہ ہمایوں کے شیعہ ہو جانے سے بادشاہ ایران نے فوجی مدد دی تھی لیکن تاریخی حالات اس کے موید نہیں البتہ اس ایرانی فوج کے بہت سے افسر شیعہ تھے اور اسی وقت سے شیعہ علماء و فضلا بکثرت ہندوستان آئے منصب و جاگیریں عطا ہونے لگے مختلف صوبوں میں جاگیریں اور املاک ملیں اس وقت سے "پنج تن" اور ... و شریف کی اصطلاحیں شیعہ جاگیرداروں کے اثر سے عام طور سے رائج ہونے لگیں۔ شیعیت کے علاوہ تفضیلیت نے بھی فروغ پایا جو شیعیت کی غیر تبرائی شاخ ہی سمجھئے۔

"یا علی" کی آوازیں بلند ہوتی ہیں حالانکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۖ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرہ)

(اور اے رسول) جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو ان سے کہہ دو کہ ہم ان کے پاس (ہر وقت) موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار سنتے اور اسے جواب بھی دیتے ہیں پس ان کو چاہئے کہ حکم مانیں ہمارا اور یقین لائیں ہم پر تاکہ سیدھا راہ پر آئیں ؎

"نادِ علی" و "نادِ مہدی" دونوں کی پکاریں محض شخصیتوں کا فرق ہے ورنہ ایک میں ذاتی شخصی درد و غم دور کرنے کی دعائی کی جاتی ہے اور دوسری میں دنیا سے ظلم دور فرمانے کی۔ سیاح عالم ابن بطوطہ نے عراق کے مقام الحلہ کا یہ چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ وہاں کی ایک مسجد اس وجہ سے مشہد صاحب الزمان کہلاتی ہے کہ روافض کے خیال میں محمد بن حسن العسکری وہیں سے غائب ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ بعد عصر ایک گھوڑے کو آراستہ کر کے اس پر

؎ "نادِ علی" کے مشرکانہ پروپیگنڈے کے اثرات بد سے بچانے کیلئے ایک عالم نے یہ جوابی اشعار موزوں کئے ہیں۔

نَادُوا الْعَلِیَّ الْکَبِیْرَ الرَّبَّ خَالِقَکُمْ — وَلَا تُنَادُوْا عَلِیًّا اِنَّہٗ بَشَرٌ

اس بزرگ و برتر کو پکارو جو تمہارا خالق ہے — دیکھو علی کو نہ پکارنا وہ تو ایک بشر ہی تھا ہم جیسے

سِوَاہُ لَنْ تَجِدُوْا عَوْنًا بِنَائِبَۃٍ — وَیَعْجِزُ الْغَیْرُ لَا یُغْنِیْکُمْ اَعْجِزُہٗ

اللہ کے سوا کسی کو بھی تم کبھی مصیبت میں ہرگز مددگار نہ پا سکو گے — ہر غیر اللہ مدد دینے سے عاجز ہے اس بارے میں غیب کی باتیں تمہیں دھوکا نہ دینے لگ جائیں

تَوَسَّلُوْا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَالْعَمَلِ — فَیَقْضِیْ کُلَّ ھَمٍّ ثُمَّ الْقَدَرُ

وسیلہ پکڑو تو رسول اللہ کا اور اپنے عمل کا — پس ہر درد و غم جو تقدیر میں تم نے بھی پکا ہو دور ہو جائیگا

لَا تَسْمَعُوْا اَبَدًا مِنْ قَوْلِ کُلِّ غَوِیْ — وَاَخْلِصُوْا دِیْنَکُمْ فِیْہِ وَاْتَمِرُوْا

دیکھو کبھی گمراہ شخص کے کہنے سے ترک نہ کرنا — اپنا دین اللہ کی رضا کیلئے خالص رکھو اور تعمیل احکام کرو

اَللّٰہَ ثُمَّ ادْعُوْا رَبًّا دُوْوَا اعْبُدُوْا — بِہٖ اسْتَعِیْنُوْا اَخِیْبًا مَا سِوَاہُ ذَرُوْا

دیکھو بس اللہ ہی کو پکارو اسی کو آواز دو اسی کی عبادت کرو اسی سے مانگو — اسی سے مدد طلب کرو دیکھو جو کراوے اس کے ہر ماسوا کو نظر انداز کر دو امداد طلب کرتے ہیں

زین کس کے ڈھول تاشے بجاتے مسجد کے دروازے تک اس طرح سے جاتے ہیں کہ کچھ لوگ گھوڑے کے آگے چلتے ہیں اور کچھ پیچھے پھر دیں کچھ باتیں پھر باب مسجد پر پہنچ کر خروج مہدی کے لئے اس طرح آوازیں بلند کرتے ہیں:-

بسم اللہ یا صاحب الزمان بسم اللہ اخرج قد ظہر الفساد وکثر الظلم وھذا اوان خروجک فیفرق اللہ بک بین الحق والباطل۔

(رحلہ ابن بطوطہ صفحہ ۱۳۰)

بسم اللہ نکلیے اے صاحب الزمان بسم اللہ تشریف لائیے کیونکہ دنیا میں اب فساد پھیل گیا اور کثرت ظلم کی ہوگئی اب یہ وقت آپ کے خروج کا ہے تاکہ اللہ آپ کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز کرادے۔

ابن بطوطہ نے یہ واقعہ چھ سو برس پہلے کا بیان کیا ہے ان چھ صدیوں کے دوران مسلمانان عالم پر مصائب و آلام کے کیسے کیسے پہاڑ ٹوٹے اور دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے نظام مرکزیت یعنی خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہاشمی خاندان کے ایک شخص شریف حسین کی غداری سے کرا دیا جس میں سے مہدی کے خروج کا انتظار صدیوں سے کیا جا رہا ہے مگر خروج اب تک بھی نہ ہوا۔ خروج مہدی دراصل ذہنی اصلاحیں نہیں بیزاری کے مسلک ہیں۔

سادات اهل الجنّة

جنّتیوں کے سردار

پچھلے اوراق میں بنی ہاشم میں سے بعض افراد کے سادات اهل الجنة جنتیوں کے سردار ہونے کے بارے میں چند وضعی حدیثیں نقل ہوئی ہیں ان کے علاوہ ایک اور ہاشمی کے جوانان جنت کے سردار ہونے کی حدیث الاستیعاب اور دیگر کتب میں پائی جاتی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

عن هشام بن عروة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو سفيان بن الحارث من شباب اهل الجنة او فتيان اهل الجنة۔

ہشام بن عروہ اپنے والد کی روایت سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب جوانان جنت کے سرداروں یا جوانان جنتی میں سے تھے۔

یہ ابوسفیانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند بھی تھے نیز آپ کے دودھ شریک بھائی اور ہمشیرہ بھی تھے۔ نام مغیرہ اور کنیت ابوسفیان تھی۔ ابوطالب کے داماد تھے یعنی حضرت علیؓ کی سگی بہن جمانہ کے شوہر تھے۔ باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدا سے سخت مخالف رہے۔ ہجویہ اشعار کہا کرتے تھے فتح مکہ کے زمانے میں اسلام لائے اور غزوہ حنین میں ثابت قدم رہ کر داد شجاعت دی۔ مرتے دم تک اپنی اس حرکت پر سخت ندامت اٹھاتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا میں مخالفت کی تھی بعد میں بہت سے نعتیہ اشعار کہے اور آپ کی وفات پر پُر درد مرثیے بھی لکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں "الخیر اھلی" کے الفاظ بھی فرمائے تھے یعنی میرے گھرانے والوں میں اچھا۔ بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے قریشی گھرانوں میں سے دو حضرات یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے سن رسیدہ جنتیوں کے سردار ہونے کے بارے میں حدیثیں ہیں ان میں سے حسب ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

عن جابر وعن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذان سیدا کھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین یعنی ابوبکر و عمر۔ (الصواعق المحرقۃ ودیگر کتب)

جابر و ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ جنت میں سن رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے چاہے پہلے کی امتوں میں کے وہ ہوں یا بعد کی امتوں کے مگر نبیوں اور رسولوں کے سوا۔

مندرجہ بالا حدیثوں اور ان حدیثوں کی رو سے جو پہلے نقل کی گئیں جنتیوں کے سرداروں کی حسب ذیل فہرست مرتب ہوتی ہے:۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پانچ حضرات ہمشیبہ بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) جعفر بن ابی طالب (۲) ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب (۳) قثم بن العباس بن عبدالمطلب (۴) حسن بن علی بن ابی طالب (۵) سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف (الاستیعاب)

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ حمزہ بن عبد المطلب ہاشمی
۳۔ ابو سفیان بن الحارث ہاشمی
۴۔ جعفر بن ابی طالب "
۵۔ علی بن ابی طالب "
۶۔ حسن بن علی بن ابی طالب "
۷۔ حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی
۸۔ مہدی آخر الزمان "
۹۔ ابو بکر بن ابو قحافہ تیمی
۱۰۔ عمر بن الخطاب عدوی
۱۱۔ فاطمہؓ خاتون جنت کی سردار بنت رسول اللہ صلعم۔

سرداران جنت کی مندرجہ بالا فہرست میں جملہ گیارہ اشخاص کے نو تو ایک ہی گھرانے بنی ہاشم کے ہیں شاید بعد میں بقول ابن ابی الحدید شیعوں کی دیکھا دیکھی طرفداران شیخین میں سے کسی نے اس حد حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ کے اسماء ایک حدیث کے ذریعہ اضافہ کر دئیے ہوں ورنہ سادات اہل جنت کا منصب بنی ہاشم ہی کے لئے وضاعین نے مخصوص کیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث کے ان الفاظ سے واضح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے گئے ہیں کہ نحن بنو عبد المطلب سادات اھل الجنۃ (ہم اولاد عبد المطلب (ابن ہاشم) اہل جنت کے سردار ہیں) بعض جگہ تو صرف اسی قدر الفاظ ہیں مگر دیلمی وغیرہ نے ان الفاظ کے بعد ناموں کی صراحت میں یہ الفاظ اور بھی آپ سے منسوب کئے ہیں گویا آپ نے فرمایا کہ سادات اہل جنت "میں اور حمزہ و علی و جعفر و حسن و حسین اور مہدی ہیں (انا و حمزۃ و علی و جعفر والحسن والحسین والمھدی) حدیث وضع کرنے والے کی ذہنیت کا اندازہ اسی ایک بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کی فہرست سرداری میں اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا اسم گرامی بھی لکھ دیا ہے اور آپ کے ہمدوش و مساوی آپ کے چند نسبی رشتہ دار اعزہ کو بھی سردار جنت قرار دے ڈالا ہے اور آپ کے دوسرے ایسے رشتہ دار یعنی حضرت عباس ابن عبد المطلب عم النبی اور حضرت عقیلؓ برادر علیؓ کہ جنہوں نے صفین میں اپنے بھائی کے خلاف حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا تھا شامل نہیں کیا اسی طرح آپ کے دوہرے داماد حضرت عثمان ذی النورین کا نام بھی شامل نہیں کیا شاید اس لئے کہ نسباً اموی تھے۔ آپ کے منجھلے اور چھوٹے نواسوں حسنؓ و حسینؓ کو تو نوعمری ہی میں جنت کا سردار بنا دیا ہے مگر آپ کے سب سے بڑے نواسے یعنی آپ کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب کے فرزند علی ابن ابو العاص بن الربیعؓ کو شامل نہیں کیا جو سب سے پہلے اس زمانے میں جب حسنؓ و حسینؓ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی آپ کے آغوش محبت میں تھے اور آپ کے پلے تھے؟

بیت اقدس میں پرورش پائی تھی۔ آپ کے وقت رحلت سن بلوغ کو پہنچ گئے تھے کیا اس وجہ سے کہ آپ کے یہ پیرے نواسے بنی فاطمہ بنی امیہ کے گھرانے سے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد تو وضاعین کا حضرت علیؓ اور ان کے ان دو صاحبزادوں کی سرداری کے اظہار سے تھا حمزہؓ و جعفرؓ کے نام برائے بیت سمجھئے بہرحال وضعی احادیث کی رو سے اہل جنت کی سرداری کے حسب ذیل چار اقسام قرار دی گئی ہیں :-

(۱) کل اہل جنت کے سردار
(۱) رسول اللہ صلعم (۲) حمزہؓ (۳) جعفرؓ
(۴) علیؓ (۵) حسنؓ (۶) حسینؓ (۷) مہدی

(۲) سن رسیدہ جنتیوں کے سردار
(۱) ابو بکرؓ (۲) عمرؓ

(۳) جوانان جنت کے سردار
(۱) حسنؓ (۲) حسینؓ
(۳) ابو سفیانؓ ہاشمی

(۴) خاتونان جنت کی سردار
(۱) حضرت فاطمہؓ والدہ حسنین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بلاشبہ سید اولاد آدم ہیں اور سب ہی جنتیوں کے سردار مگر بیچارے ان سات نسبی رشتہ داروں کو جن میں سے ایک کا تو وجود ہی عنقا ہے یعنی المہدی کا اہل جنت کی سرداری کے منصب میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے ایک دوسرے کا شریک بتایا ہے یعنی ایک قسم میں سات شریک ہیں۔ تیسری میں تین پھر غضب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کا اسم گرامی چند امتیوں کی سرداری کے ساتھ مشترک رکھا ہے وضاعین نے کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں کی کہ سب بیک وقت سردار ہوں گے یا یکے بعد دیگرے ہوں گے لیکن جنت میں کسی زمانے اور مدت کا تعین تو ممکن ہی نہیں وہاں کا قیام تو لامحدود لا متناہی ہے خلدین فیہا ابدا یعنی جنتیوں کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بار بار فرمایا ہے وضاعین شناسوں کا ندراج کرتے وقت اس قباحت کا لحاظ نہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ جنت میں جب کوئی پیرنا تواں کہ حمیدہ یا ادھا لسنگر الولا پا ؟ وغیرہ تو ہوگا ہی نہیں سب ہی جنتی بیخ الاعقد اور جوان ہوں گے تو پھر کہول اہل الجنۃ یا شباب اہل الجنۃ کی یہ تقسیم کیسی اور اگر کہا جائے جب لوگ تاویل کرتے ہیں کہ مراد ان لوگوں سے ہے جو بڑھاپے یا جوانی میں مرے ہوں تو وضاعین نے ان بے شمار معصوم بچوں کی سرداری کے بارے میں صراحت نہیں کی جو بچپن میں مرگئے تھے اور لا ریب معصوم کے یقیناً جنتی تھے خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کے بارے

بیٹے کی ولادت سے آنحضورؐ کو بڑی خوشی اور ان کی موت سے اس درجہ رنج تھا کہ جان کنی کی حالت دیکھ کر آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا تھا زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے:۔

تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی الرب وانا یا ابراہیم علیک لمحزونون ۔	چشم اشکبار ہے اور قلب مبتلائے غم مگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں گے جس سے پروردگار ناخوش ہو مگر اے ابراہیم تیری موت سے ہم بہت مغموم ہیں۔

تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے فرزند ابراہیم بھی جنت میں "بچے" ہی رہیں گے جوان نہ ہوں گے کیا اپنے ان ہی دونوں بھانجوں حسنؓ و حسینؓ کی مشترکہ سرداری میں رہیں گے یا اگر بڑے یا چھوٹے بھانجے کی سرداری میں ہوں گے تو مدت سرداری کا تعین کیسے ہوگا جبکہ ہر جنتی کا جنت میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ ابداً لاباد تک ہوگا اور کیا اس دنیا کی طرح جنت میں بھی سرداری و سروری اور ماتحتی و بندگی جاری رہے گی جنتیوں کو تو اللہ نے یہ بشارت دی ہے کہ وہاں ہر شخص اپنی مرضی کا مالک ہوگا کسی کا ماتحت و مطیع نہ ہوگا۔ جو خواہش ہوگی بلا کسی کی سفارش اور اجازت کے از خود پوری ہوگی۔ کوئی جنتی دوسرے جنتی کا دست نگر ہوگا نہ محکوم۔ سب خود مختار ہوں گے اور نہ کسی کے درپے آزار۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد

جوانانِ جنت اور خاتونانِ جنت کی سرداری

چند وضعی حدیثیں

آئیے اب ذرا ان حدیثوں کا بھی جائزہ لیجئے جن میں حضرات حسنینؓ کو سید شباب اهل الجنة (جوانان جنت کے دونوں سردار) اور ان کی والدہ معظمہ حضرت فاطمہؓ کو سیدة النساء اهل الجنة (جنتی عورتوں کی سردار) قرار دیے جانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے۔

احادیث کی سب سے پہلی کتاب الموطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جوانان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں ...

آئمہ حدیث نے تقریباً نو لاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جو ان حضرات نے جمع کیا تھا صرف دو[1] ہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ستانوے ہزار دو سو انتالیس وضعی وجعلی اور جعل قرار دے کر رد کر دیں۔ سید اشباب اہل الجنۃ کی حدیثیں بھی امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے یقیناً زمرہ موضوعات میں قرار دے کر چھوڑ دیں درج نہیں کیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ان کو اندراج کا موقع ملا۔ امام بخاریؒ کی وفات سے تقریباً ۲۳ برس بعد محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کر دیں لیکن ان کے راویوں میں ضعیف و منکر الحدیث ولا یحتج بہ (یعنی وہ جن کی مروی حدیث لائق حجت نہیں) کے علاوہ کٹر دروغ گو شیعہ بھی موجود ہیں بلکہ یہ سب ان ہی شیعہ راویوں کی من گھڑت ہیں جیسا کہ سلسلہ رواۃ پر ایک نظر ڈالنے سے واضح ہوگا۔

پہلی حدیث۔ محدث ترمذی کہتے ہیں کہ:

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو داؤد الحفری عن سفیان عن یزید بن ابی زیاد عن ابی نعم عن ابو سعید (الخدری) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة۔

(جامع ترمذی مج طبع کانپور)

ہم سے بیان کیا محمود بن غیلان اور ابو داؤد حفری نے ان سے سفیان نے ان سے یزید بن ابی زیاد نے ان سے ابی نعم نے ان سے ابو سعید (الخدری) نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حسن اور حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

دوسری حدیث۔ باعتبار مضمون پہلی ہی حدیث ہے صرف سلسلہ رواۃ میں قدرے فرق ہے یعنی حدثنا جریر وابن فضیل عن یزید بن ابی زیاد" گویا اصل راوی وہی یزید ابن ابی زیاد ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

تیسری حدیث۔ اس میں جوانانِ جنت کے ان دو سرداروں (حسن وحسینؓ) کے علاوہ ان کی والدہ معظمہ حضرت فاطمہؓ کے خاتونانِ جنت کے سردار ہونے کا بھی بیان

---

[1] امام بخاریؒ کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۵ ہے ہم نے تعداد اصل احادیث کا کیا ہے۔

ہے یہ حدیث حضرت حذیفہ بن الیمانؓ متوفی ۳۶ھ سے اس قصہ کے ساتھ منسوب کی گئی ہے کہ اپنی ماں سے جو انصاریہ تھیں بات چیت کے بعد یہ کہکر کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب جا کر پڑھوں اور درخواست کروں کہ میرے اور تمہارے واسطے مغفرت کی دعا فرمائیں حذیفہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی پھر نفل پڑھے اس کے بعد نماز عشا پڑھی نماز سے فارغ ہو کر جب رسول اللہ مسجد سے چلے میں بھی پیچھے پیچھے چلا میرے قدموں کی آہٹ پاکر پوچھا کون! کیا حذیفہ ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا کیوں کیا کام ہے خدا تجھکو اور تیری ماں کو بخشے پھر فرمایا:۔

هذا ملك لم ينزل الارض قبل هذه الليلة استأذن ربه ان يسلم علي ويبشرني بان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة۔ (ترمذی ایضاً)	دیکھو یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتے نے اپنے پروردگار سے میرے پاس حاضر ہونے اور سلام کرنے کی اجازت چاہی تھی چنانچہ اجازت مل گئی اس فرشتے نے مجھے بشارت دی ہے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؓ و حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

اس حدیث کے پہلے تین راویوں کا سلسلہ ترمذی میں یوں ہے عن المنہال بن عمرو عن زر بن حبیش عن حذیفہ۔

اب دیکھئے ترمذی کی پہلی اور دوسری حدیثوں کے سلسلۂ رواۃ میں ایک بڑے بھاری بھرکم شیعہ یزید بن ابی زیاد کوفی تشریف فرما ہیں یہ بنی ہاشم کے غلام تھے کنیت ابو عبد اللہ تھی ۱۳۶ھ میں یعنی عباسی خلافت قائم ہونے کے چار سال بعد فوت ہوئے تھے۔ امام ذہبی نے یہ کہکر کہ حافظہ ان کا خراب تھا لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا ہے لیس بالقوی ضعیف ان کی مروی حدیثیں بے حقیقت ہیں جن کی مثالیں بھی دی ہیں پھر لکھا ہے "کان یزید بن ابی زیاد من ائمۃ الشیعۃ الکبار (میزان الاعتدال ج۳ ص۳) یعنی یزید بن ابی زیاد شیعوں کے بلند پایہ آئمہ حدیث میں سے تھے تہذیب التہذیب وغیرہ میں اس شیعہ راوی کے اور بھی نقائص بیان کئے گئے ہیں۔

ابوزرعہ نے کہا کا یحتج بہ کہا ہے امام احمد و ابوحاتم و جوزجانی وغیرہ نے ان کو ضعیف و ناقابلِ اعتماد راوی کہا ہے۔ اب ذرا ان حدیثوں کے دو نمونے بھی ملاحظہ ہوں جو ذہبی نے ان کی مرویات سے میزان الاعتدال میں نقل کی ہیں جن سے اس شیعہ راوی کی کذب بیانی کا اندازہ ہو سکے گا چنانچہ ایک جگہ حضرت ابو برزہ صحابیؓ سے اور دوسری جگہ حضرت ابی بردہؓ صحابی سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ہم نے گانے بجانے کی آواز سنی اٹھ کر دیکھا تو معاویہ اور عمرو بن العاص تھے جو مصروف غنا تھے اس کے بعد یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ آپ نے یہ حال سن کر ان دونوں صحابیوں کو جن میں سے ایک کاتبِ وحی بھی تھے نارِ دوزخ میں جلنے کی بد دعا دی! معاذ اللہ!!

اللھم ارکسھما فی الفتنۃ رکسا ودعھما الی النار دعاء (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۱۱)	یا اللہ ان دونوں کو فتنہ کے اندر دھکیل دیجیو (کہ چھٹکارہ نہ ہو) پھر ان دونوں کے جہنمی ہونے کی بد دعا دی۔

ذرا خیال تو فرمائیے کس قماش کا شیعہ راوی ہے حضرت علیؓ کے سیاسی حریفوں کی جو جلیل القدر صحابی ہیں ایک طرف تو یہ درگت بنا رہا ہے اور دوسری جانب حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں اور اُن کی والدہ ماجدہ کے مناقب میں جنتیوں کی سرداری کی حدیثیں وضع کر رہا ہے۔

اب اسی بدگو شیعہ راوی کی من گھڑت حدیث الرایات سنئے جسے حضرت عبداللہؓ بن مسعود صحابیؓ سے منسوب کیا ہے ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور ابن الہیثمی وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ ذہبی نے البتہ ائمہ حدیث کا یہ قول نقل کرتے ہوئے کہ حدیث الرایات محض بے اصل اور وضعی ہے اسے بطور نمونہ ان الفاظ میں درج کیا ہے:-

"عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم لوگ رسول صلعم کے حضور میں حاضر تھے کہ اسی درمیان بنی ہاشم کے کچھ نوجوان آگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان ہاشمی نوجوانوں کو دیکھا تو آپ کا رنگ متغیر ہو گیا ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے چہرے میں ہم ایسی بات دیکھتے ہیں جسے ہم پسند نہیں کرتے آنحضرت نے فرمایا کہ ہم لوگ ایسے گھرانے والے ہیں کہ اللہ

نے ہم لوگوں کے لئے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو پسند کیا ہے اور میرے اہل بیت میرے بعد جلدی بلائیں جھیلیں گے اور دربدر مارے پھریں گے اور ہر جگہ سے ڈر دیا جانا ان کی قسمت میں ہوگا۔ یہاں تک ایک قوم مشرق کی طرف سے آئے گی جن کے پاس سیاہ جھنڈے ہوں گے (گویا عباسی خلافت کے داعیوں کے کالے جھنڈے۔) تو وہ بھلائی کا سوال لوگوں سے کریں گے دو تین مرتبہ سوال کرنے پر لوگ ان کا سوال پورا نہ کریں گے پھر وہ لوگوں سے جنگ کریں گے تو جو وہ مانگ رہے تھے لوگ ان کو دیں گے مگر وہ نہیں قبول کریں گے اس کو یہاں تک کہ لوگ اس کو دے جائیں گے۔ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے پاس تو بھر دیں گے اس کو (شاید دنیا کو) انصاف سے جس طرح کہ بھر دیا گیا تھا اس کو ظلم اور جور سے پس تم میں سے جو شخص پائے اس زمانے کو تو چاہیئے کہ ان کے پاس آئے اگرچہ وہ چل پڑیں برف پر"

اس طویل وضعی حدیث کا ترجمہ یہاں اس غرض سے نقل ہوا کہ اس وضاع راوی کی ذہنیت کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ عباسی خلافت کے قایم ہونے کے سلسلے میں جو اس کے مرنے سے صرف چار سال پہلے قائم ہوئی تھی ایک صحابی کا نام لے کر یہ کیسے کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر رہا ہے۔ صرف ان ہی دو وضعی حدیثوں کے مضمون سے اس بخاری بجز کم شیعہ راوی کی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر اسی یزید بن ابی زیاد الکوفی مولیٰ بنی ہاشم کی بیان کردہ ان دو حدیثوں کے بارے میں جو جوانان جنت کی سرداری کی ترمذی سے اوپر نقل ہوئیں کیا شبہ باقی رہ سکتا ہے کہ وہ اسی کی وضع کردہ ہیں۔ ان حدیثوں کو شیعہ راوی یزید بن ابی زیاد کے علاوہ بھی ترمذی کے ان دونوں سلسلہ اسناد میں اور بھی شیعہ راوی موجود ہیں یعنی پہلے سلسلے میں ابو داؤد الحضری کا نام ہے یہ حضرت کوفی بھی تھے اور شیعہ بھی۔ ابو نعیم فضل بن دکین الکوفی الشیعی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ذہبی در ابو نعیم کے بارے میں کہتے ہیں انہ یتشیع من غیر غلو ولا سب رمیزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۳۰ یعنی ابو نعیم فضل بن دکین میں تشیع تو تھا مگر غلو نہ تھا۔ گالیاں نہیں دیتے تھے گویا تقیہ کرتے تھے۔

برملا بُرا نہیں کہتے تھے یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ابو نعیم اگر کسی کی تعریف و توصیف کریں تو سمجھ لو وہ شخص شیعہ ہے۔ کان ابو نعیم اذا اثنٰی علی انسان فقال هو جید واثنی علیہ فهو شیعی۔ یہاں تو تعریف ہی نہیں ابو داؤد کا تو وہ بہت احترام کرتے تھے ظاہر ہے وہ ان کے شیعہ ہونے ہی کے کرتے تھے۔

دوسرے سلسلہ اسناد میں ابن فضیل کٹر شیعہ موجود ہیں نام و نسب ان کا محمد بن فضیل بن غزوان تھا۔ یہ بھی کوفی تھے اور قبیلہ ضبہ کے موالی میں سے تھے ۱۹۵ھ میں فوت ہوئے ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کان شیعاً محترقاً (ج ۳ ص ۱۲۳) یعنی یہ ابن فضیل کٹر شیعہ تھے بعض نے ان کو ثقہ و صدوق لکھا ہے مگر ایک شیعہ جزا ثقہ و صدوق ہو حضرت علیؓ و حسنینؓ وغیرہم ائمہ شیعہ کے مناقب کے بارے میں اس کا قول لائق وثوق نہیں ہو سکتا۔

الحاصل ترمذی کی حدیثیں "سید اشباب اهل الجنة الحسن والحسینؓ" اسی شیعہ راوی کی ساختہ اور من گھڑت ہیں۔

اب لیجئے تیسری حدیث اس کا طرز بیان تری صاف بتا رہا ہے کہ کوفی وضاعین کی من گھڑت ہے اس کے ذمہ دار المنہال بن عمرو الکوفی اسدی ہیں۔ جوزجانی نے انہیں ضعفاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے یہ شخص بد مذہب تھا۔ یہی قول ابن حزم کا بھی ہے شعبہ نے تو ان سے روایت کرنا ہی اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ ان کے گھر گانا بجانا ہوتا تھا (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۲) اور ترمذی نے خود بھی اس حدیث کو غریب بتایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ایسی حدیثوں کے بارے میں صاف کہا ہے کہ فی اسانیدہا کلہا ضعف (البدایہ ج ۸ ص ۲۰۷)

صحیح بخاری (پ ۱۴ مطبوعہ صح المطابع دہلی) میں مناقب فاطمہؓ کے عنوان سے دو حدیثیں ہیں پہلی میں ارشاد ہے کہ فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے جس نے اسے رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا اور دوسری میں جو عروہ بن الزبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی بلوایا اور کوئی بات آہستہ سے کہی تو وہ رونے لگیں پھر کوئی بات فرمائی تو ہنسنے لگیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ فاطمہؓ سے میں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تھا کہ اس مرض میں وہ وفات پا جائیں گے تو میں رونے لگی پھر آپ نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ ان کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ہی ان سے ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔" اس باب میں تو

صرف یہی دو حدیثیں ہیں۔ خاتونانِ جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے ساتھ درج نہیں ہے۔ ابواب کی فہرست میں بھی صرف یہ الفاظ ہیں "باب مناقب فاطمۃ" مگر مطبوعہ نسخے میں اس عنوان کے ساتھ "وقال النبی صلعم فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ" بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے حالانکہ امام بخاریؒ ہر حدیث کے اسناد درج کرتے ہیں شاید اس نسخے کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔ البتہ صحیح بخاری کی اسی جلد میں علامات النبوۃ فی الاسلام (اسلام میں نبوت کی علامتوں) کا جو باب ہے (ص۲۱۵) اس میں ایک حدیث تو وہی پہلی حدیث درج ہے جو سطور بالا میں عروہ بن الزبیر کی روایت سے بیان ہوئی اس میں خاتونانِ جنت کی سرداری کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہاں ایک اور حدیث جس کے سب راوی کوفی ہی کوفی ہیں حضرت عائشہؓ سے منسوب ہے حالانکہ پہلی حدیث میں تو حضرت عائشہؓ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ جس مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی اور فاطمہؓ آپ کی وفات کی خبر آپ سے ہی سنکر رونے لگی تھیں پھر جب آپ نے فرمایا کہ وہ ہی سب سے پہلے عالم آخرت میں آپ سے ملیں گی تو ہنسنے لگیں اب اس دوسری حدیث میں آپ کے مرض کا تو کچھ ذکر نہیں گویا علالت سے پہلے کا یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ جبریل نے اب سالانہ معمول کے خلاف اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب آگئی ہے۔ اور تم (یعنی فاطمہؓ) میرے گھر والوں میں سب سے پہلے مجھ سے ملو گی۔ پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہؓ سے منسوب کیا ہے "میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو گی پس اس وجہ سے میں ہنسی" پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ آپ کے قرابتداروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونانِ جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔ راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ حضرت فاطمہؓ کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی!

اس حدیث کو ابونعیم فضل بن دکین الکوفی التیمی متوفی ۲۱۸ھ زکریا بن ابی زائدہ ہمدانی میمون بن فیروز الکوفی متوفی ۱۳۲ھ سے جو ہمدانیوں کے آزاد کردہ غلام تھے وہ

فراس بن یحییٰ الہمدانی الکوفی سے وہ عامر شعبی الکوفی سے وہ مسروق الہمدانی الکوفی سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں یعنی یہ روایت سلسلہ وار کوفیوں ہی سے ہے اور ان میں بھی غالب اکثریت ہمدانیوں کی ہے جو بیشتر غالی جیسے یا چھپے ہوئے شیعہ تھے کیونکہ کوفے میں ہمدانیوں کا محدث شیعوں کا گروہ تھا۔ پھر اس حدیث کے ذمہ دار ابونعیم الکوفی ہیں جن کے متعلق امام ذہبی تشیع کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایک شیعہ کیسا ہی ثقہ ہو مگر حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کے فضائل ومناقب کی روایت میں وہ کبھی ثقہ وقابل اعتماد نہیں ہو سکتا۔

۱ ۔ صحیح البخاری کے بعض شارحین کو بھی یہ بات کھٹکی تھی کہ جنت کی عورتوں میں جب امہات المومنین اور خود حضرت فاطمہؓ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ بھی ہوں گی تو کیا یہ بیٹی اپنی حقیقی والدہ کی اور سوتیلی ماؤں کی بھی سردار ہوں گی؟ امہات المومنین کا مرتبہ سب ہی عورتوں سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (اے نبی کی بیویو، تم تمام عورتوں کی مثل نہیں ہو یعنی تو مسلمانوں کی مائیں ہونے کے تمہارا درجہ اور رتبہ سب عورتوں سے بلند ہے) اسی آیت سے ازواج مطہرات کی فضیلت دختران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے جو انہی ازواج نبی کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے:۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ
(الاحزاب)

اور تم میں سے جو بیوی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور نیکی کے کام کریں گی ان کو ہم دوہرا اجر دیں گے۔

یہ ارشاد قطعی اور حتمی ثبوت ہے اس امر کا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کی بیٹیوں اور تمام صحابہ وصحابیات سے افضل ہیں۔ علامہ ابن حزم نے اسی بحث پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:۔

> "یہ فضیلت ظاہر اور بیان روشن ہے کہ ازواج مطہراتؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اس آیت سے (جو سطور بالا میں نقل ہوئی) یقینی ثبوت ہے جس میں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و فاطمہؓ اور تمام صحابہ میں سے جب کوئی ایک عمل کرے تو وہ اس پر ایک خاص مقدار اجر کا مستحق ہوگا اور رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی ازواج میں سے کوئی بیوی اگر بعینہ ویسا ہی عمل کریں تو ان کے لئے اس مقدار اجر سے دو چند اجر ہوگا جب صحابہ اور فاطمہؓ کا نصف حصّان کے بعد والے سے کہ وہ احد کے برابر سونے سے زیادہ پورا کریگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ کے لئے کوہ احد جیسے دو پہاڑ بھر سے زیادہ ان کے نصف حصے میں ہوگا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد بجز ازواج نبیؐ کے اور کسی کے لئے نہیں۔ (الملل والنحل ابن حزم)

آنحضورؐ کی یہ سب ازواج مطہرات یعنی حضرت فاطمہؓ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ سب ہی جنت میں موجود ہوں گی نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کے متعلق آپؐ کا یہ ارشاد بسند صحیح منقول ہے کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر وہ بھی جنت میں ہوں گی تو جب حضرت فاطمہؓ کی یہ سگی اور سوتیلی مائیں جو سب امتیوں کی بھی مائیں ہیں خاتونان جنت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہوں گی تو فردوس بریں کے اندر پھر کیا صورت حال پیش آئے گی۔ آیا ایک صاحبزادی اپنی سگی سوتیلی سب ماؤں کی سردار رہیں گی اور مائیں بھی وہ خصوصاً حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ جنکی کیسی کیسی قیمتی خدمات اللہ کے رسول کی اور اللہ کے دین کی ہیں حضرت عائشہؓ سے دو ہزار دو سو دس حدیثوں کی روایت ہے اور حضرت عائشہؓ کے فتاوے کی تعداد ہر صحابی کے فتووں سے خواہ حضرت عمرؓ ہوں یا حضرت علیؓ یا اور کوئی جلیل القدر صحابی سب سے زیادہ ہے حضرت فاطمہؓ کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں تو کیا یہ مائیں بیٹی کی سرداری میں ہوں گی؟ حضرت علیؓ اور ان سے تعلق کی یوں فضیلت دینا تو شیعہ مسلک ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت قرآنی یعنی آپ کی ازواج مطہرات ہوں یا اہل بیت حدیثی یعنی آپ کے چچا حمزہؓ و عباسؓ ہوں یا آپ کے ایک داماد علیؓ اور ان کے یہ دو صاحبزادے حسنؓ و حسینؓ ہوں یا آپ کی بنات طاہرات فاطمہؓ و زینبؓ و رقیہؓ و ام کلثومؓ ہوں ہمیں سب سے محبت ہے اور سب ہی کا احترام کرتے ہیں لیکن ترجیح بلا مرجح تو شیعہ تصور ہے اور انہی کی یہ من گھڑت حدیثیں ہیں جو امہات المؤمنین اور جملہ صحابہ و صحابیات پر حضرت فاطمہؓ اور ان کے بیٹے ائمہ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے وضع کی گئیں۔ بیٹی کو ماں پر ترجیح دینے کے لئے ایک شیعہ نے دگر اور جگر کا

یہ شاعرانہ نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں :-

مے بہ من گفت کسی کہ عاشق ترا — فضل بر بنت سید البشر است

در جوابش بگفتم ایں مصرعہ — رشتہ دیگر رگِ جگر دگر است

گویا تعلق نسبی و قرابت لحمی کو قربت روحانی و فضائل ذاتی و کسبی پر ترجیح ہے ان کے نزدیک یہی سیادت نسبی ہے یعنی جنت کے سید (سردار) سے تعلق نسبی کی بنا پر اپنے کو سید قرار دیتے ہیں چنانچہ مؤلف مصباح الظلم فرماتے ہیں۔

"واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتن پاک کو مرحمت ہوا ہے حضرت سیدہ سید زادی ہونے کے سبب سے ہی سیدہ نہیں ہیں بلکہ اپنے حق کی رو سے بھی سیدہ ہیں اسی طرح حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اپنے اپنے حق کی رو سے سید ہیں۔ وہ حق بھی اہل جنت کی سرداری کا ہے۔

حضرت علی کی سیادت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"آپ اپنے حق کی رو سے ویسے ہی سید ہیں جیسے جناب پیغمبر خدا سید ہیں اس لئے آپ کی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہ السلام سے نہیں ہے وہ بھی سید کہلاتی ہے وہ سادات جو غیر بنی فاطمہ ہیں انھیں سادات علوی کہتے ہیں"

ہمیں یہاں اس بات سے تو کوئی بحث نہیں کہ ایک امتی کو سرداری میں نبی اکرم کے مساوی بتایا ہے کہنا یہ ہے کہ مصباح الظلم کے مؤلف نواب امداد امام صاحب نے سیدا شباب اهل الجنة اور سيدة النساء اهل الجنة کی وضعی حدیثوں ہی کی بنا پر "خلعت سیادت" کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ :-

"جاننا چاہیئے کہ سیادت بڑی نعمت ہے اس سے بڑھ کر دینی نعمت دوسری نہیں ہے۔ حضرات سادات جو اس زمانہ میں موجود ہیں ان پر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اپنے آبائی طریقہ کے پابند رہیں اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ معصومین علیہم السلام کے

پورے پیرو رہیں اپنے نسب ناموں کو ضائع ہونے سے بچائیں
طمع دنیاوی میں مبتلا ہو کر اپنی نسل پاک کو خراب نہ کر ڈالیں (ص۵۵)

مگر سادات اہل الجنۃ کی حدیثوں میں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت ابوسفیان ہاشمیؓ، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل ہیں اس لئے یہ خلعت سیادت (سروری) نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ ان سب ہی سرداران اہل جنت کی اولاد کو مؤلف مذکور ہی کی دلیل کی رو سے وراثۃً پہنچ گیا۔ علوی و فاطمی کی پھر کیا تخصیص رہی ہر صدیقی اور فاروقی و حامدیؓ و جعفری اس دینی نعمت سے متمتع ہونے کا حق رکھتا ہے خصوصاً صدیقی و فاروقی کیونکہ ان کے جد اعلیٰ دنیا میں بھی سردار (سید) تھے اور آخرت میں بھی سادات اہل الجنۃ ہیں دوسروں کو دنیا میں سرداری کا ویسا اعزاز نہ ملا۔ خیال تو فرمائیے وضاعین کی ان من گھڑت حدیثوں نے تفاخر بالآباء کے اس جذبے کو ابھارا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے مٹا ڈالا تھا اور دنیائے انسانیت پر احسان عظیم کیا تھا کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ شیعوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں "پنجتن پاک" ان کا عقیدہ خاص ہے مگر اکثر غیر شیعہ خطیب و پیش نماز جمعہ و عیدین کے خطبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ایسے قرابتداروں کے نام مبالغہ آمیز توصیفی الفاظ و القاب کے ساتھ لیتے ہیں جن کو شیعہ بھی مانتے ہیں اور ان کی مدح و توصیف میں تقریباً وہی الفاظ دوہراتے ہیں جو شیعہ کہتے ہیں مگر آپ کے دوسرے ایسے ہی قرابتداروں اور آپ کی تین صاحبزادیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے شاید خطبے تصنیف کرنے والوں کے نزدیک "خلعت سیادت" دربار خداوندی سے "پنجتن" پاک کے ان ہی چار اشخاص کو عطا ہوا ہوا تھا جو شیعوں کے مقدس اشخاص ہیں مگر مقصد اور غرض و غایت خطبہ کی محض وعظ و تذکیر ہے ان محترم اشخاص کا ذکر ان میں کب سے اور کیوں شروع ہوا اس پر گفتگو آگے آرہی ہے۔ موضوع کتاب سے یہ بحث جیسا آپ کو ان شاء اللہ واضح ہوگا غیر متعلق نہیں ہے کیونکہ قرابت رسول کے شرف و فضل امتیاز و سیادت کا چرچا علی الاعلان ہوتا ہے۔

خطبات جمعہ و عیدین

اب سے نصف صدی پیشتر یعنی ۱۹۱۱ء میں راقم الحروف نے ایک کتابچہ اس بحث

پر شائع کیا تھا کہ خطبات جمعہ وعیدین اسی زبان میں ہونا لازم ہیں جسے سننے والے سمجھ سکیں۔ کیونکہ اصل غرض ان خطبات کی وعظ وتذکیر ہے اور یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جب تک وعظ سننے والے واعظ وخطیب کی بات اچھی طرح ذہن نشین نہ کر سکیں۔ قدامت پرستوں کی جانب سے تردیدیں شائع ہوئیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے ہفت روزہ "الہلال" میں راقم الحروف کی تائید میں مضمون لکھا تھا اس کے چند فقرات جو پچاس برس گزر جانے کے بعد آج بھی لائق توجہ ہیں ذیل میں درج کرتا ہوں۔[1] مولانا آزاد مرحوم نے لکھا تھا۔

"جمعہ کا اجتماع اور حکم خطبہ مسلمانوں کے لئے فلاح دارین کا وسیلہ عظمیٰ تھا اس سے مقصود یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک بار لوگوں کو ان کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایات وارشادات کی دعوت دی جائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک دائمی ذریعہ ہو"

خطبہ دراصل ایک وعظ تھا جیسا کہ وعظ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کا بھی یہی حال رہا اور تمام عرفا حکومتیں جو اس کے بعد قائم ہوئیں ان میں بھی خلفاء وسلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے .... لیکن ہماری اصلی مصیبت ہمارے حالات میں نہیں ہے کہ وہ نتائج ہیں اس کا اصلی منبع ہمارے اعمال کی تحریف و تسخ میں ہے کہ وہی علل واسباب ہیں .... جہل وغفلت کے استیلاء نے ہر اسلامی عمل کو ایک لباس ظاہر دیکر اس کی روح حقیقت سلب کر لی ہے خطبہ جمعہ وعیدین کا بھی یہی حال ہے۔

اب خطبہ کے معنی یہ رہ گئے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب جو بازار سے

---

[1] اپنے دوسرے رسالے "تذکرۃ الاریب فی ہدایت الخطیب" مطبوعہ ۱۹۱۳ء سے جس میں مولانا آزاد مرحوم کے مضمون کے فقرات درج تھے نقل کر رہا ہوں حسن اتفاق سے رسالہ کا ایک نسخہ باوجود انقلاب زمانہ وانخلاء وطن اب تک محفوظ رہا۔ مولانا مرحوم سے پہلی ملاقات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور مسلم لیگ کے جلسوں کے موقع پر دسمبر ۱۹۱۲ء میں ڈھاکہ میں ہوئی تھی اور ایک لطیف واقعہ کی بناء پر پہلی ہی ملاقات میں خاصی بے تکلفی بھی ہوگئی تھی پھر خط وکتابت کا سلسلہ کچھ عرصہ تک رہا "الہلال" میں مضمون بھی لکھے اس مسئلہ پر جب بحث چھڑی مولانا مرحوم نے یہ تائید کا مضمون لکھا جس کے فقرے۔ سطور بالا میں درج کئے گئے۔

خرید لی جائے اور الف لیلہ کی طرح اس میں سے ایک خطبہ غلط سلط پڑھ کر سنا دیا جائے آواز بہ شدت کریہہ ہو اور لب و لہجہ میں عربیت پیدا کرنے کے لئے ہر جگہ تجوید و ثقالت سے کام لیا جائے۔ بعض لوگ قرآن شریف کی حاصل کردہ قرأت کو اس میں بھی صرف کرتے ہیں اور پھر جو شخص ہر لفظ کے آخری حرف کو پوری سانس میں کھینچ کر پڑھ دے وہ سب سے بڑا قاری و خطیب ہے!!

بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں الف لیلہ کی ایک رات کا افسانہ ہے قلیوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد و ہدایت اُمت کا وہ عظیم و جلیل عمل اقدس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو انجام دینا ہے! پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا! کوئی اونگھتا ہے کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کا بھاؤ پوچھتا ہے۔

یہ تمسخر انگیز تذلیل و تحقیر ہے اس مذہب عظیم کے اعمال دینیہ کی جس کے داعی اوّل نے اپنے خطبات و مواعظ سے ایک بادیہ نشین قوم کو روم و ایران کے تمدن کا مالک بنا دیا تھا۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ!!

یقین کرو کہ جب حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کی ذلت و ہلاکت پر ماتم کیا تو شریعت موسوی کے احکام و اعمال کا بعینہٖ یہی حال تھا جو آج تم نے خدا کی شریعت کا بنا رکھا ہے۔ مسیح اگر ان فریسیوں اور صدوقیوں پر روتا تھا جو بڑی بڑی آستینوں کے جبے پہنتے، ہر وقت دعائیں مانگتے اور بڑی بڑی جیب تسبیحیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے تھے پھر شریعت کے حکموں کو انھوں نے مسخ اور اعمال صالحہ کو بے اثر کر دیا تھا تو ہمیں بھی اپنے مولویوں اور صوفیوں پر ماتم کرنا چاہیے جو ان کی طرح یہ سب کچھ کرتے ہیں پھر ان ہی کی طرح حقیقت سے بھی خالی ہیں!!

میں سرے سے اس امر کا اشد دشمن ہوں کہ خطبے لکھے ہوئے پڑھے جائیں۔ یہ ایک بدعت ہے جس کا نہ تو قرون مشہود لہا بالخیر میں ثبوت ملتا ہے اور نہ علت حکم اس کا مؤید۔ خطبہ ایک وعظ ہے پس مسجدوں میں ایسے خطیب ہونا چاہئیں جن کو یہ قابلیت حاصل ہو کہ جمعہ کے خطبہ کے لئے تیار ہو کر آئیں اور زبانی مثل عام مواعظ کے وعظ کہیں۔ ضرور ہے کہ قوم کی موجودہ حالت ان کے پیش نظر ہو جو سوالات آج ہمیں لاحق ہیں ان ہی کی اصلاح تلاش کریں نہ کہ ان کا جو آج سے پانچسو برس پہلے تھیں!!

جو خطبات عربیہ آج کل رائج ہیں ہم نے سب کو پڑھا ہے وہ تو اس وقت کیلئے بھی موزوں نہ تھے جس وقت کے لئے لکھے گئے تھے پھر آج کی حالت کا کیا ذکر!

خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ صرف جمعہ و عیدین کے چند مسائل بیان کر دیئے جائیں اور کہدیا جائے کہ ایک دن مرنا ہے پس ڈرو اور موت کو یاد کرو بیشک موت کو یاد کرنے سے بڑھ کر انسان کے لئے دنیا میں کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی کفیٰ بالموت واعظاً یا عمر! لیکن یہ کہدینا لوگوں کو ڈرانے کے لئے کافی نہیں ہے موت کی یاد کے ساتھ ان کو اس زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیئے جو تذکرۂ آخرت کے ساتھ مل کر انسانوں کو دونوں جہانوں میں نجات دلا سکتی ہے۔

بڑا مسئلہ زبان کا ہے اور ضروری ہے کہ ایک مختصر سے خطبہ ماثورہ عربیہ کے بعد وعظ اسی زبان میں ہو جو سامعین کی زبان ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے حاصل کیا!

شریعت نے کیسی عمدہ مصلحت اس میں رکھی ہے کہ جمعہ کے خطبہ کو نماز فرض کا قائم مقام قرار دیا اور اس کی سماعت کو فرض بتلایا اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ عمل عبادت کی طرح نصائح و ہدایات کو بھی سنیں پھر ان نصائح کو ایسا اہم ہونا چاہیئے کہ مصروفیت نماز سے بھی اقدام و انفع ہوں۔ کیا یہ خطبات جو آج کل دوہرائے جاتے ہیں بلکہ رٹ کر پڑھے جاتے ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے اونگھتے ہیں یہی مواعظ ہیں جن کی سماعت فرض اور ان کی موجودگی میں نماز تک ممنوع ہے۔ فاین تذھبون!

عقل اور شریعت کے لئے ماتم ہے کہ موجودہ علماء خود اس طریق کے عامل اور اس پر پوری طرح قانع ہیں۔ فَمَا لِ ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا

بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسجد کی امامت عموماً جہلا کے ہاتھوں میں ہے اور یہ کام ایک ذریعہ معاش بن گیا ہے وہ بیچارے کہاں سے ایسی قابلیت لائیں کہ برجستہ خطبہ دیں اور اس کے تمام شرائط پورا کریں۔

خطبہ کے معنی تو یہ ہیں کہ نہ صرف عام حالت کی اس میں رعایت کی جائے بلکہ گذشتہ جمعہ کے بعد جو نئے حالات و حوادث دنیا میں گذر رہے ہیں اور ان کی بنا پر مسلمانوں کو جو کچھ تعلیم کرنا ضروری ہے اس کی بھی رعایت اس میں ملحوظ رہے ۔۔ مسلمانوں کی تعلیم ان کی سیاسی حالت، ان کے اخلاق و اعمال ان کی ضروریات حالیہ اگر مساجد کی تعلیم سے وابستہ ہوگی

تو کیا وائی۔ایم سی کے پریچنگ ہالوں (عیسائی انجمنوں کے مواعظ کے کمروں) میں اس کو ڈھونڈھنا چاہیئے۔

خطبہ کی عبارت وتقریر نہایت موثر ہونی چاہیئے تاکہ سننے والوں کے دلوں کو کھینچ لے اور سامع کو اس کا ذوق دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے"

امام ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں:۔

وَكَانَ رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب في كل وقت بما يقتضيه حاجة المخاطبين ومصلحتهم	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جب خطبہ دیتے تو مخاطبین کی ضرورت اور ان کی مصلحت کے لحاظ سے دیا کرتے تھے۔

نیز فرماتے ہیں کہ دوران خطبہ اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو آپ غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو آؤ بیٹھو اور سنو اور اس طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں۔ایک مرتبہ آپ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص نے دین کے بارے میں پوچھا آپ نے پہلے اس کے سوال کا جواب دیا اور اسے بتایا دین کیا ہے اس کے بعد خطبہ دینا شروع کیا۔

آپ کے خلفاء کا بھی اسی پر عمل رہا۔ازالۃ الخفاء میں محدث دہلوی نے حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے حضرت عمرؓ نے خطبہ روک کر ان سے کہا یہ کیا وقت ہے آنے کا؟ عرض کیا بازار سے پلٹ کر آیا اذان کی آواز سنی وضو کر کے حاضر ہوا ہوں امیر المومنینؓ نے فرمایا الوضوء وایضاً قد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بالغسل (ج ۲ ص ۸۶) تم نے وضو ہی پر کفایت کی جانتے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو (یوم جمعہ کو) غسل کا حکم فرمایا ہے۔اس گفتگو کے بعد خطبہ پھر دینے لگے۔خطبہ چونکہ عبادت نہیں اس لئے غیر متعلق گفتگو بھی حسب ضرورت ہو سکتی ہے مقصود وعظ وتذکیر ہے خواہ بیٹھ کر خطبہ دیا جائے یا بے وضو دیا جائے جائز ہے۔

اگر نشستہ خطبہ خواند یا بے وضو خواند روا است از جہت حصول مقصود کہ آن وعظ وتذکیر است۔ (شرح وقایہ)	اگر بیٹھ کر خطبہ دے یا بے وضو خطبہ دے جائز ہے بوجہ حصول مقصود کہ وہ وعظ و نصیحت ہے۔

صدر اول میں سوائے مسجد نبوی کے منبر نہ تھے حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے

وہاں مسجد تعمیر کرائی منبر بھی بنوایا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی انھیں تنبیہ کی اور کہا :-

اَمّا بعد ۔ فَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ اِتَّخَذْتَ مِنْبَرًا تَرْقیٰ بِہٖ عَلیٰ رِقَابِ الْمُسْلِمِیْنَ اَوَمَا یَکْفِیْکَ اَنْ تَکُوْنَ قَائِمًا وَالْمُسْلِمُوْنَ تَحْتَ عَقِبَیْکَ فَعَزَمْتُ عَلَیْکَ اِلَّا مَا کَسَرْتَہٗ (مقدمہ ابن خلدون)	اما بعد ۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے (مسجد میں) منبر بنوایا ہے جس سے تم مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو جاتے ہو کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ خطبہ دیتے وقت تم کھڑے رہتے اور مسلمان تمہارے قدموں میں بیٹھے (رہتے) رہتے ہیں تم کو قسم دلاتا ہوں (کہ تم اس کو) شاید نہ توڑ دوگے ۔

اس واقعہ سے جہاں یہ سبق ملتا ہے کہ صحابہ رفتگان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی مساوات پر کس شدت سے عمل پیرا تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منبر پر سے خطبہ دینا لازمی نہیں جس طرح چاہے حاضرین سے خطاب کرے اور جس زبان میں چاہے وعظ و نصیحت کرے بشرطیکہ سننے والے سمجھ سکیں ۔ اور وعظ و پند سے فائدہ حاصل کر سکیں ایسی زبان میں وعظ و نصیحت کرنا جسے سامعین نہ سمجھیں مقصد خطبہ کو فوت کر دیتا ہے ۔

خطبہ جمعہ اور مدحِ اشخاص

جمعہ کے خطبوں کے آخری حصے میں جو خطبہ ثانیہ کہلاتا ہے خلفائے اربعہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور خاص طور سے ہاشمی خاندان کے اشخاص حمزہ و عباس یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں حقیقی چچا حمزہؓ و عباسؓ آپ کی صرف ایک صاحبزادی فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ و حسینؓ کا ذکر جن الفاظ میں اور جس لہجے سے کیا جاتا ہے وہ کس زمانے میں اور کن حالات میں شروع ہوا اس کا تاریخی جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ رسالتماب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفائے کرام کے خطبات کی مثالیں بھی پیش نظر رہیں ۔

اللہ جل شانہ نے سورۂ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۂ جمعہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کئے جانے کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ سورۂ جمعہ کی دوسری آیت کے الفاظ میں یوں ہے :-

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا	(اللہ) وہی تو خدا ہے جس نے (عرب کے)

مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ان پڑھ (اور اُجڈ) لوگوں میں ان کی ہدایت کے لئے) انہی میں کا (ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا) رسول بھیجا جو اُن کی آیتیں (خدا کے عالم اور احکام) اُن کو پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے (عصیاں اور جھوٹ سے ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے) اور ان کو کتاب (یعنی احکامِ قرآن اور خدائے حکیم کی) حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

ان نصوصِ قرآنیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو کس کس طرح تعلیم دیتے، موعظت و تذکیر کرتے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ نمازِ جمعہ و عیدین اور پنجوقتہ نمازوں کی بنفسِ نفیس امامت کرتے، خطبے ارشاد فرماتے۔ معتمد کتب میں آپ کے بعض خطبے نقل ہیں۔ خطبہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کرتے اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہکر ختم فرماتے۔ اسی اسوۂ حسنۂ نبوی کے اتباع میں خلفائے کرام بھی اپنے خطبوں میں بیشتر وعظ و تذکیر کرتے۔

در صدرِ اول موعظت و تذکیر ضمیمۂ خلافت بود۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ...)

اوّل زمانۂ اسلام میں وعظ و تذکیر خلافت ہی کا ایک ضمیمہ تھا۔

چنانچہ خلیفۂ وقت اپنے مرکز اور مستقرِ خلافت میں نمازوں کی بذاتِ خود امامت کرتے اور فی البدیہ خطبے دیتے۔ اسی طرح صوبوں میں ان کے نائب اور گورنر یہ فرائض انجام دیتے۔ حمدِ باری تعالیٰ کے بعد نعتیہ کلمات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اقامتِ دین کے اس عظیم کارنامے کو بیان کرتے کہ جان بلب انسانیت کو آپ نے کس طرح حیاتِ نو بخشی اور گم کردہ راہ انسان کو جادۂ حق سے کس طرح روشناس کرایا پھر مقرر خطبہ ادا کرتے محسنِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیفِ دل سے درود کے الفاظ میں تحسین و آفریں کے ساتھ دعائے تضعیفِ ثواب و رحمت کرتے جنہوں نے ۲۳ سال عہدِ رسالت میں طرح طرح کی مخالفتوں اور سختیوں پر غالب آکر نوعِ انسانی کو توحیدِ خالص، وحدتِ انسانیت اور روحانیات و اخلاقیات کے درس دیئے تھے اور جھوٹے خداؤں کے اور قوم و ملک، قبیلہ و خاندان اور رنگ و نسل کے خو ... ف

بت ایک کر کے پاش پاش کر دیے تھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ الْاَکْرَم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت زبانی کے بعد صحابہ میں بزرگ ترین ہستی علم و عمل اور عظیم دینی و دنیٰی خدمات کے اعتبار سے حضرت ابوبکر الصدیقؓ ہی کی تھی وہی آپ کے خلیفہ بلا فصل ہوئے مختلف کتب تاریخ و تذکرہ میں ان کے بعض خطبات اور خطبوں کے فقرات نقل ہیں۔

مبداء فیاض سے حضرت موصوف کو خطابت کا ملکہ خداداد عطا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقرے بے تکلف و سادہ الفاظ جملے بیشتر قرآنی الفاظ و آیات سے آراستہ و پند و موعظت سے معلوم انداز کلام حکیمانہ و فصیح اسلوب بیان ایسا موثر اور دلنشین کہ سامعین کے دلوں میں گھر کرتا چلا جائے۔ بقول میکرؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ان کے خطبوں میں حمد الٰہی و نعتِ رسول کے سوائے نہ کسی دوسرے شخص کا خواہ ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی کوئی ذکر ہوتا تھا نہ مدح ورنہ خطبوں کی غرض و غایت کے اعتبار سے ہو سکتا تھا۔ اب ان کے ایک خطبے کے فقرات سنیے۔

خطبہ صدیق اکبرؓ خطبہ حمد باری تعالیٰ سے شروع کرتے ہیں اور اس حمد الٰہی کے کلمات کو آیات قرآن کے الفاظ سے یوں آراستہ کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ وَاُؤْمِنُ بِہٖ وَاَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَاَسْتَھْدِی اللّٰہَ بِالْھُدٰی وَاَعُوْذُ بِہٖ مِنَ الضَّلَالَۃِ وَالرَّدٰی وَمِنَ الشَّکِّ وَالْعَمٰی مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِیْ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ یُعِزُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیُذِلُّ مَنْ یَّشَآءُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

نعت و ثنا رسول اکرمؐ ثنائے رسول کو بھی دیکھیے آیات قرآنی سے کس خوبی سے آراستہ کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔

"اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں جنہیں اسی (خدا) نے (عظیم الشان) ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا"

الی الناس کافۃ رحمۃ لھم وحجۃ
علیھم والناس حینئذٍ علیٰ شر
حال فی ظلمات الجاھلیۃ دینھم
بدعۃ ودعوتھم فریۃ فاعز
اللہ الدین بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم
وَ أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ أَيُّهَا الْمُومِنُونَ!
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَ
كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ
فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ
فَأَطِيعُوا اللہ وَرَسُولَہ فانہ
قال عز وجل مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا
أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ○

تاکہ اس کے ذریعے اپنا دین سب
دینوں پر غالب آجائے اگرچہ مشرکوں کو برا لگے۔ انھیں تمام انسانوں کے لئے رحمت
اور ان پر حجت بنا کر اس زمانے میں بھیجا
جب انسان بدترین حال میں مبتلائے جاہلیت
کی تاریکیوں میں پڑے تھے دین ان کے
بدعت اور دعوت ان کی جھوٹی پر فریب
تھی پس اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
سے دین (اسلام) کو سربلند کیا اور اے
مومنو! تمھارے دلوں میں الفت و محبت
رکھدی کہ اس کے فضل سے تم بھائی بھائی
ہوگئے (اور دیکھو) تم (فتنہ و فساد کی)
آگ کے گہرے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے)
تھے تو اس میں (گرنے) سے تم کو بچا لیا اسی
طرح واضح کرتا ہے اللہ تم پر اپنی نشانیاں
تاکہ تم راہ ہدایت پاؤ۔ پس اے لوگو! اطاعت
کرو اللہ اور اس کے رسول کی کیونکہ اللہ
عزوجل فرماتا ہے "اور جس نے حکم مانا
رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا
پھرا تو ہم نے تجھ کو (اے رسول) ان پر
نہیں بھیجا نگہبان"

نعت رسول میں آیات قرآنی سے اجتماع و ائتلاف اُمت کی نعمت کو بیان کرنے
اور اس کے رسول کے احکامات کے اتباع پر حاضرین کو متوجہ کرنے کے بعد خطبہ کا
مضمون یوں ادا کیا:-

مضمون خطبہ - انی اوصیکم

میں وصیت کرتا ہوں تمھیں اس بات کی

بتقوی اللہ العظیم فی کل حال و لزوم الحق
فیما احببتم و کرھتم فانہ لیس
دون الصدق من الحدیث خیر من
یکذب یفجر و من یفجر یھلک و ایاکم
والفخر من خلق من تراب و الی التراب
یعود ھو الیوم حی و غدا میت فاعملوا
وعدوا انفسکم فی الموتی وما
اشکل علیکم فردوا علمہ الی اللہ
وقدموا لانفسکم خیرا تجدوہ
محضرا فانہ قال عزوجل یوم
تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا
وما عملت من سوء تود لو ان بینھا
و بینہ امدا بعیدا و یحذرکم اللہ
نفسہ واللہ رءوف بالعباد ۝
فاتقوا اللہ عباد اللہ و راقبوا و اعتبروا
بمن مضی قبلکم و اعلموا انہ
لابد من لقاء ربکم والجزاء
باعمالکم صغیرھا وکبیرھا
الا ما غفر اللہ انہ غفور رحیم
فانفسکم انفسکم واستعان
اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

کہ ہر کام اور ہر حال میں اللہ بزرگ و برتر کا
خوف تمہارے پیش نظر رہے اور اپنی پسندیدہ
ناپسندیدگی کے بارے میں حق کا التزام رہے
سچی بات کے سوائے اور بات میں اچھائی نہیں
جو دروغ گوئی کرتا ہے وہ حق سے منحرف ہو جاتا
ہے اور جو حق سے منحرف ہو جاتا ہے وہ آخر کار
ہلاک ہو جاتا ہے دیکھو خبردار اپنی (یا اپنے
آباء کی) بڑائی اور فخر مت کرنا۔ جو خاک (قبر)
سے پیدا ہوا اور پھر خاک ہی میں مل جائے گا
اور جو آج زندہ ہے اور کل مر جائیگا (اُسے
فخر اور بڑائی کب زیب دیتی ہے) پس عمل
(خیر) کئے جاؤ اور اپنا شمار مرنے والوں میں
کرتے رہو جو بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے اسے
اللہ کے حوالے کر دو۔ اپنی ذات کے لئے اچھے
اعمال پہلے سے کر رکھو۔ یہی ذخیرہ تو کل تمہارے
پاس ہوگا۔ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے۔
"جس دن موجود پائیگا اپنے سامنے ہر شخص جو
کچھ نیکی اس نے کی ہے اور جو کچھ برائی اس نے
کی ہے تو آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور اس
(برائی) میں دور کا فرق پڑ جائے اور اللہ
خبردار کرتا ہے تم کو اپنے (مکافات) سے اور
اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر" پس اے
اللہ کے بندو! ڈرو اللہ سے اور عبرت پکڑو
اس سے جو پہلے تم سے گذر چکا ہے اور عمل
(نیک) کرو پھر تم کو لازماً اپنے رب کے حضور

جاتا ہے اور اپنے چھوٹے بڑے سب اعمال کا بدلہ پاتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ مغفرت کرنے وہ بڑا مغفرت کرنے والا رحیم ہے پس اپنی اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ اور اللہ ہی سے مدد چاہو اللہ کے سوا کسی میں کوئی قدرت و طاقت نہیں۔

دیگر پند و نصائح کے علاوہ سامعین کی قصبیات کے اعتبار سے ذاتی و نسبی فخر سے بچنے کے لئے جس میں اہل عرب سب سے زیادہ مبتلا تھے کس موثر پیرایہ میں نصیحت کی ہے کہ جس کا خمیر خاک سے ہے اور خاک میں ہی جا ملے گا آج زندہ ہے کل مر جائیگا اس کو فخر جتانا کب زیبا ہے۔

صلوٰت وسلام

مضمون خطبہ ختم کرنے کے بعد سورۃ الاحزاب کے ساتویں رکوع کی تیسری آیت تلاوت کی اور ان الفاظ میں نبی کریم پر صلوٰۃ وسلام بھیجیے۔

اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک افضل ما صلیت علی احد من خلقک۔

یا اللہ اپنے بندے اور اپنے رسول محمد پر (ان کے بے مثل کارنامے تبلیغ و رسالت کے لئے) ایسا بیش بہا تحفہ اجر و ثواب و رحمت عطا کیجیو جو اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی نہ عطا کیا ہو۔

پھر یہ دعا مانگ کر خطبہ ختم کیا یا اللہ ان ہی کے گروہ میں ہمارا حشر کیجیو۔ ان سے ملائیو۔ ان کے حوض پر پہنچائیو۔ اپنی اطاعت پر ہماری دستگیری کیجیو اور دشمنوں پر ہماری مدد فرمائیو۔

ے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں لم یومر اللہ بالصلاۃ علی معین غیر النبی (یعنی نبی صلعم کے سوائے معین طور سے اور کسی پر صلوٰت بھیجنے کا اللہ نے حکم نہیں دیا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لا تنبغی الصلاۃ الا علی النبی ولکن یدعیٰ للمسلمین والمسلمات بالاستغفار (لوامع الانوار البہیۃ) سوائے نبی صلعم کے اور کسی پر صلوٰۃ نہیں بھیجنی چاہیے البتہ مسلمان مرد و عورت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں اللھم صل علی محمد معناہ عظمہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ واظہار دعوتہ وابقاء شریعتہ وفی الآخرۃ بتضعیف اجرہ ومثوبتہ (النہایۃ

(بقیہ صفحہ ۲۶۴ پر)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اِس خطبے میں یا دوسرے خطبات میں جو مختلف کتب میں نقل ہیں اللہ اور اس کے رسول کی حمد و نعت کے سوائے کسی دوسرے شخص کا خواہ آپ کے چچا ہوں یا داماد و بیٹیؓ اور نواسے اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح دوسرے خلفائے راشدین حضرت عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے خطبوں میں جمعہ و عیدین کے ہوں یا دیگر مواقع کے اللہ و رسول کے سوائے مضمون خطبہ میں نہ کسی اور کا ذکر ہوتا تھا اور نہ صلوٰۃ و سلام میں کسی کا نام لیا جاتا تھا اور نہ اللہ جل شانہٗ کے حکم صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا کے فرمان کی تعمیل میں سوائے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی دوسرے کا نام اس میں شامل کیا جاتا تھا۔

خطبہ میں دعائے خیر کی ابتدا

اور مؤرخ ابن خلدون کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ کے لئے برسر منبر دعائے خیر کی تھی اس کے بعد سے یہ رواج چل پڑا کہ خطبوں میں خلیفۂ وقت کے لئے دعا کی جاتی تھی۔ ابن خلدون کی عبارت یہ ہے کہ :-

اور پہلے شخص خلیفہ کے لئے برسر منبر دعا کرنیوالے	وَاَوَّلُ مَنْ دَعَا لِلْخَلِيْفَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

نوٹ بقایا صفحہ ۲۶۲ (فی غریب الحدیث والاثر) یعنی نبی صلعم پر صلوات بھیجنے سے مراد ہے کہ اس دنیا میں ان کے ذکر کی برتری ان کی دعوت کے اظہار اور بقائے شریعت کے جاری رہنے سے ان کی عظمت اور آخرت میں ان کے اجر و ثواب کی تضعیف۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں سرخسی نے المبسوط میں ابن نجیم نے البحر الرائق میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا تکرار کا مقتضی نہیں۔ دوسرے علمائے حق کا قول ہے کہ اظہار شہادتین کی طرح ایک مرتبہ بھی صلوات بھیجی جائے کافی ہے اور موجب ثواب ہے۔ والآية تدل على ان الصلاة واجبة عليه فى العمر مرة فان مطلق الامر لا يقتضى التكرار (المبسوط سرخسی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیف دل سے درود بھیجنے سے مراد آپ کے انقلاب انگیز کارناموں اور آپ کی تعلیمات کی عظمت کا اس طرح دل پر چھا جانا کہ آپ کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی امنگ وآرزو پیدا ہو۔ نبی پر مومنوں کی صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لائے ہوئے قانون کو تسلیم کرکے اس پر عمل پیرا ہوں کیف دل سے صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تعمیل کریں۔ تسلیما سے مراد ہے نبی کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کو عملاً تسلیم کرنا۔

ابن عباس یدعو لعلی رضی اللہ عنہما فی خطبتہ وھو بالبصرۃ عامل لہ فقال اللھم انصر علیا علی الحق و اتصل العمل علی ذلك فیما بعد ۔

(مقدمہ ابن خلدون)

ابن عباسؓ ہی تھے جنہوں نے علیؓ کے لئے اس زمانے میں جب وہ ان کی جانب سے بصرے کے عامل تھے اپنے خطبے میں دعا کی تھی اور کہا تھا یا اللہ علی کی امر حق پر مدد کیجیو اس کے بعد سے یہ رواج چل پڑا (کہ خلیفہ وقت کے لئے خطبوں میں دعا کی جاتی تھی)

حضرت ابن عباسؓ علوی پارٹی کے ممتاز رکن بھی تھے اور حضرت علیؓ کے قریبی عزیز بھی ان کا اس زمانے میں جب علوی پارٹی اندوہناک خانہ جنگیوں میں مبتلا تھی اپنے قائد اپنے چچیرے بھائی کے لئے دعائے خیر کرنا قدرتی بات تھی کوئی امر شرعی نہ تھا کیونکہ اس وقت کے سب جھگڑے سیاسی اقتدار کے سلسلے کے تھے بقول محدث دہلوی "مقاتلات وے (علی) رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء ج۲ صفحہ ۲۸۰) یعنی حضرت علیؓ کے یہ سارے جدال و قتال طلب خلافت کے لئے تھے نہ برائے اسلام پہنچ ان کے زمانے تک بھی جمعہ کے خطبوں میں حمد و نعت و ثنائے رسول اکرم کے سوائے کسی دوسرے کا ذکر یا مدح و ثنا نہ ہوتی تھی حضرت ابن عباسؓ نے بھی امر حق پر مدد کی دعا مانگی تھی مدح و ثنا نہیں کی تھی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ بصرے کے عامل تھے خلیفہ وقت کے لئے دعائے خیر اور ثنا کی تھی تو ضبہ بن محصن العنزی تابعی نے فوراً ٹوک دیا تھا[1]

[1] ان تابعی کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عمرؓ ہی کے ساتھی کا جو ان سے افضل تھے کیوں ذکر نہیں کیا جب کئی مرتبہ اعتراض ہوا حضرت ابوموسیٰؓ نے امیر المومنین کو ان کی شکایت لکھ بھیجی وہاں سے طلبی ہوئی ضبہ بن محصن عنزی نے اصل واقعہ بیان کرتے ہوئے جب حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا نام سنتے ہی حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی (فانتشج عمرؓ رو دیا) ضبہ سے فرمانے لگے مجھے معاف کرو اللہ تمہاری مغفرت کرے ۔ واللہ للیلۃ من ابی بکر ویوم خیر من عمر وآل عمر (قسم بخدا ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن عمر اور اس کے سارے کنبے کی زندگی سے بہتر تھا) پھر بیان کیا کہ رات تو وہ تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین قریش سے بچ کر تشریف لے جا رہے تھے ابوبکرؓ ساتھ تھے کبھی آپ کے آگے چلتے تھے کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں آپ نے پوچھا ما ھذا یا ابابکر ما اعرف ھذا من فعالك (اے ابوبکر یہ کیا! میں تمہارے اس

(بقایا نوٹ ۔ صفحہ)

غرضیکہ خلفائے اربعہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے زمانے تک جمعہ و نعت کے سوا خطبوں میں نہ کسی کا نام لیا جاتا تھا اور نہ مدح و ثنا کی جاتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے برسر منبر حضرت علیؓ کی مشکلات سے دور ہونے کی جو دعا کی تھی اس کا حال آپ سن چکے۔

ذکر و ثنائے خلفائے اربعہ کی ابتداء

علوی خلافت کے زمانے میں جو افسوسناک مناقشات باہمی ہوئے ان کے نتیجے میں روافض اور خوارج دو سیاسی پارٹیاں بن گئی تھیں جنہیں بعد میں مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ روافض حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ تینوں بزرگوں کی بدگوئی کرتے تھے اور خوارج حضرت عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ کی۔ ان جلیل القدر صحابہ کی بدگوئی کرنے والوں نے

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۶۵ کا) فعل کا مقصد نہیں سمجھ) عرض کیا کہ آگے اس غرض سے چلتا ہوں کہ کوئی گھات میں ہو تو پہلے میں ہی اس سے نمٹ لوں اور پیچھے اس لئے کہ تعاقب کرنے والے کے مقابل آ ؤں اور اسی غرض سے دائیں بائیں چلتا ہوں کہ ان اطراف سے حملہ نہ ہو جائے۔ مذاکروں میں یہ ہے کہ آپ پنجوں کے بل چلنے لگے کہ نشان قدم کی شناخت نہ ہو سکے اس سے قدم مبارک کی انگلیاں چھل گئیں (حیٰوۃ حضرت) یہ حال دیکھ کر ابوبکرؓ نے اپنے کندھوں پر آپ کو سوار کیا اور غار کے منہ تک لے گئے (حملہ علی عاتقہ اتی بہ فم الغار) وہاں پہنچ کر غار میں پہلے خود داخل ہوئے اور جگہ صاف کی اپنا لباس پھاڑ کر سانپوں کے بل اور سوراخ بند کئے ایک باقی رہ گیا تھا اس میں اپنی ایڑی لگا دی۔ حضورﷺ نے ان کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرمائی سانپ نے ابوبکرؓ کی ایڑی ڈس لی اذیت سے آنسو رخسار پر بہنے لگے۔ آپ بیدار ہوئے اپنے فدائی ساتھی کو اس حال میں دیکھ کر رب العالمین سے التجا کی کہ ابوبکرؓ کو جنت میں میرے ہی ساتھ رکھیو وحی آئی آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ابوبکرؓ پر طمانیت و سکینہ نازل فرمایا (فانزل اللہ سکینتہ و طمانیتہ علی ابی بکر) یہ اعزاز تو رات کا تھا اور دن وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب میں ارتداد شروع ہوا کچھ لوگ سمجھتے تھے نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ نہیں دیں گے ابوبکرؓ نے تادیبی کارروائی کا عزم کر لیا ہم لوگ نرمی کے برتاؤ کا مشورہ دیتے تھے زمانہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا واللہ اگر اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو جہاد کروں گا اور ان کی استقامت نے سب حالات درست کر دیئے یہ تھا ان کا ایک دن

اقامت دین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مخلصانہ و سرفروشانہ خدمات جلیلہ انجام دیں اور احکام و شرائع کا معتد بہ حصہ ان ہی کے ذریعہ اُمت کو پہنچا دیں و تخریب میں موجب فساد کا تھا اس لیے جمعہ کے خطبوں میں ان کا نام بنام ذکر اور ان کے لئے رضائے الٰہی کی دعا کرنا سب و شتم کے سد باب کی غرض سے ہی اختیار کیا گیا ورنہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اہل سنت کے نزدیک خطبوں میں ان بزرگوں کا ذکر فرض نہیں ہے ان اھل السنۃ لایقولون ان ذکر الخلفاء فی الخطبۃ فرض (منہاج السنۃ ج۲ ص۱۳۲) بلکہ یہ مصلحت دینی و ملّی کے اعتبار سے مستحب قرار دیا گیا جس کا اظہار شیخ الاسلام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

ان الذین اختاروا ذکر الخلفاء الراشدین علی المنبر یوم الجمعة انما فعلوه تعویضًا عن سب من یسبهم ویقدح فیهم وعن ذلك من الفساد فی الاسلام ما یخفی فاعلنوا بذکرهم والثناء علیهم والدعاء لهم لیکون ذلك حفظًا للاسلام باظهار موالاتهم والثناء علیهم ومنعهم ممن یرید عورتهم وطعن علیهم وقد صح عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة۔
(ایضاً ص۱۴۳)

جمعہ کے روز جن لوگوں نے خلفائے راشدین کا ذکر بر سر منبر کرنا اختیار کیا تھا انھوں نے ان اشخاص کی بدگوئی کے بدلہ اور توڑ کے پیشِ نظر اختیار کیا تھا جو ان بزرگوں پر سب و شتم اور ان کی قدح کرتے اور یہ فعل ان کا ظاہر ہے کہ اسلام میں موجب فساد کا تھا اس لئے بالاعلان ان بزرگوں کا ذکر کیا گیا ان کی مدح و ثنا اور ان پر دعائے رحمت کی گئی ان سے اظہار محبت ان کی تعریف و توصیف اور ان کے طعن و مذمت کے درپے ہونے والوں کا روکنا اور باز رکھنا یہ سب تحفظ اسلام کی خاطر کیا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (اے لوگو) اپنے اوپر میری سنت اور میرے بعد ان خلفاء کی سنت کی پابندی لازم سمجھو جو راشد (ہدایت یافتہ) اور مہدی (ہدایت بخش) ہوں گے تم اسی سے وابستہ رہنا اور اسے خوب مضبوطی سے (اپنے دانتوں سے) پکڑے

رہنا ضروری اور دین میں نئی باتیں نہ پیدا کرنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطبوں میں نام لینے کی ابتدا اموی خلافت کے زمانے سے اس طرح ہوئی کہ تینوں صحابی خلفا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ چوتھے صحابی خلیفہ حضرت معاویہؓ کا ذکر خطبوں میں ہوتا تھا مگر حضرت علیؓ کا نام شامل نہیں کیا جاتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک حضرت موصوف کی خلافت مکمل نہیں ہوئی تھی ورنہ مقصد ہی اس کا حاصل ہوا تھا (لم یتم ولم یحصل مقصودھا) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں کی دلیل وحجت کو ایک رافضی مصنف کا جواب دیتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

وهذا حجة من كان يريد بذكر معاوية رضي الله عنه كما كان يفعل ذلك من كان يفعله بالأندلس وغيرها وقالوا لأن معاوية رضي الله عنه اتفق المسلمون عليه بخلاف علي رضي الله عنه۔

(ایضاً ص ۱۴۱)

ان لوگوں کی حجت جو حضرت معاویہؓ کا ذکر چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے کرتے تھے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے تھے اور اسی طرح اندلس وغیرہ میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے یہ تھی اور وہ یہ کہتے تھے کہ حضرت معاویہؓ (کی خلافت) پر مسلمان متفق و متحد رہے تھے بخلاف حضرت علیؓ کے کہ ان پر مسلمان متفق نہ ہوئے تھے)۔

یہی صورت حال بلاشبہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی خلافتوں کی بھی تھی کہ مسلمان سب متفق تھے بخلاف حضرت علیؓ کے زمانے کے کتاب منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ کے رافضی مؤلف کے جواب میں شیخ الاسلام موصوف نے لکھا ہے کہ:-

ومن المعلوم ان الخلفاء الثلاثة اتفق عليهم المسلمون وكان السيف في زمانهم مسلولا على الكفار مكفوفا عن أهل الإسلام وأما علي فلم يتفق المسلمون على مبايعته بل وقعت الفتنة تلك المدة وكان السيف في تلك المدة مكفوفا عن الكفار

سب کو معلوم ہے کہ تینوں خلفا (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) کی خلافتوں پر مسلمان متفق و متحد تھے ان کے زمانوں میں تلوار کفار کے مقابلے میں کھنچی ہوئی اور مسلمانوں کے خلاف نیام میں رہی بخلاف علیؓ کے کہ مسلمان ان کی بیعت پر متفق نہ ہوئے بلکہ ان کی کل مدت میں فتنہ برپا رہا اور تلوار اس مدت میں کفار کے مقابلے میں

مسلولاً علی اہل الاسلام۔
(ایضاً ص۱۳۰)

تو نیام میں رہی اور مسلمانوں کے خلاف کھنچی رہی۔

چنانچہ، اسی بنا پر کہ حضرت علیؓ کی بیعت تام نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے زمانے میں فتنہ وفساد برابر قائم رہا جس سے مقصد خلافت حاصل نہ ہوا۔ اموی عہد میں ان کا نام خطبوں میں نہیں لیا جاتا تھا۔ ممالک اسلامیہ کے تمام صوبجات حتیٰ کہ اموی خلافت کے خاتمے کے بعد بھی اندلس اور ملک مغرب میں بھی عرصہ تک یہی دستور رہا۔

کثیر من خطباء السنة بالمغرب وغیرها یذکرون ابابکر و عمر وعثمان ویربعون بذکر معاویة ولا یذکرون علیاً قالوا هؤلاء اتفق المسلمون علی امامتهم دون علیّ

مغربی ممالک وغیرہ میں اہل سنت کے بہت سے خطیب (خطبات جمعہ میں) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا ذکر کرتے اور حضرت معاویہؓ کا ذکر چوتھے خلیفہ کے طور سے کرتے۔ حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کا (خطیب اہل سنت کا) قول تھا کہ سوائے حضرت علیؓ کے اور سب خلفاء کی امامت (خلافت) پر مسلمان متفق تھے۔

حضرت علیؓ کا نام خطبوں میں شامل نہ کرنے کے علاوہ ان کی بدگوئی بھی کی جانے لگی تھی اور اکثر بنی امیہ حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں انھیں متہم بھی کرتے تھے۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ابتدائی زمانہ کا جب وہ مدینہ میں تحصیل علم کرتے تھے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جناب عبداللہ بن عبدؒ کو جو فقہائے مدینہ میں سے تھے اور عمر بن عبدالعزیز ان سے استفادہ کرتے تھے یہ معلوم ہوا کہ ان کے یہ شاگرد بھی حضرت علیؓ کی تنقیص کرتے ہیں انھوں نے ان سے ترش روئی سے پوچھا تمھیں کب سے یہ پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ بدری صحابہ سے ناراض ہے حالانکہ اپنے کلام میں ان سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اظہار فرما چکا ہے عمر بن عبدالعزیز فوراً بات کی تہ کو پہنچ گئے اور تائب ہوئے۔[1] چنانچہ اس کے بعد سے حضرت علیؓ کا ذکر ہمیشہ اچھائی سے کرتے تھے۔ ما سمع بعد ذلك یذکر علیاً الا بخیر (البدایہ ج۹ ص۱۹۳)

---

[1] اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کسی صحابی کی تنقیص برداشت نہ کرتے تھے ایک شخص کو جس نے حضرت معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی کوڑے لگوانے کی سزا دی تھی۔

ان کے زمانے تک بنی امیہ کے بعض اشخاص حضرت علیؓ کی بدگوئی یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ وہ تو خلفائے راشدین میں سے تھے ہی نہیں۔

كان في بني امية من يسب علي رضي الله عنه ويقول ليس هو من الخلفاء الراشدين (ايضاً ص ۱۹۲)	بنی امیہ میں ایسے لوگ تھے جو علی رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ تو خلفائے راشدین میں سے تھے ہی نہیں۔

انہی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز اموی نبیرہ حضرت مروانؓ نے اس رسم بد کا اپنے زمانہ خلافت میں خاتمہ کر دیا تھا مگر ان کا زمانہ خلافت ہی بہت مختصر رہا یعنی صرف دو برس پانچ مہینے اور چار دن یعنی صفر ۹۹ھ سے رجب ۱۰۱ھ تک کہتے ہیں کہ انہوں نے دیگر خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت علیؓ کا برسر منبر ذکر کیا اور ان کی ثنا و صفت کی بایں ہمہ اموی عہد میں حضرت معاویہؓ کا ذکر خطبوں سے ترک نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے تیس اکتیس برس بعد جب اموی خلافت کا خاتمہ ہو کر جب عباسی خلافت قائم ہوئی حضرت علیؓ کا ذکر خلفائے راشدین کے زمرے میں ہونے لگا کیونکہ اپنے ذاتی اوصاف کے اعتبار سے وہ یقیناً خلیفہ راشد ہی تھے اور خلفائے عباسی کے گھرانے بنو عبد المطلب کے ممتاز فرد بھی تھے حضرت معاویہؓ کا نام خطبوں میں جو اموی عہد سے کیا جاتا تھا وہ ترک کر کے حضرت علیؓ کا نام شامل کیا گیا۔

خطبہ عباسیہ — منہاج الکرامہ فی معرفۃ الامامہ کے رافضی مؤلف[1] نے خطبوں میں خلفاء کے ذکر کو بدعت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ دوسرے

۱؎ یہ کتاب جس کے مندرجات کے مسکت جوابات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں دیئے ہیں ساتویں صدی ہجری کے اواخر کی تالیف ہے۔ ہلاکو خان تاتاری کی اولاد میں بیدو خان نے رافضی فقیہ جمال الدین مطہر کی صحبت میں اسلام قبول کیا اور رافضی مسلک کا پیرو ہو گیا۔ اس کی سرپرستی میں نہ صرف یہ کتاب تالیف ہوئی بلکہ اس وقت جب ایران و عراق پر وہ حکمران تھا اپنی سلطنت میں رافضی مسلک کا تتبع کرنا چاہا اور خطبوں میں سے صحابہ و خلفائے ثلثہؓ کے اسماء خارج کر کے حضرت علی اور ان کے مخلصین عمار بن یاسر اور ائمہ شیعہ کے نام شامل کرنے کا حکم دیا۔ جمہور مسلمین نے مخالفت کی خطیبوں نے تعمیل حکم سے گریز کیا۔ ابن بطوطہ نے شیراز کے قاضی مجد الدین کا جن سے ان کی ملاقات بھی ہوئی تھی یہ واقعہ تفصیلاً بیان کیا ہے کہ بیدو خان نے جس کا اسلامی نام سلطان محمد خدابندہ تھا جب ان کو طلب کیا ان کی ملاقات اور کرامت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ مذہب رفض ترک کر کے مذہب اہل سنت اختیار کر لیا اور خطبوں میں صحابہ و خلفائے راشدین کے نام بدستور پڑھے جانے لگے۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ نے اپنی سیاسی مصلحت سے خلفاء کا ذکر خطبوں میں شروع کیا تھا۔ ورنہ ان سے پہلے کسی زمانے میں ان کا ذکر نہیں ہوتا تھا وہ فرماتے ہیں :۔

ذکر الخلفاء فی خطبهم مع انه بالاجماع لم یکن فی زمن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا فی زمن احد من الصحابة والتابعین ولا فی زمن بنی امیه ولا صدر دولة العباسیین بل شیئ احدثه المنصور لما وقع بینه وبین العلویین خلاف فقال واللہ لارغمن انفی وانوفهم وارفع علیهم بنی تیم و عدی فـ ذکر الصحابة فی خطبته واستمرت هذه البدعة الی هذا الزمان۔

سب ہی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطبوں میں خلفا کا ذکر نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں کیا گیا نہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی کے زمانے میں اور نہ بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافت کے شروع میں بلکہ یہ نئی بات تو (خلیفہ ابو جعفر) المنصور نے اس وقت پیدا کی جب ان کے اور علویوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تو انھوں نے کہا کہ واللہ میں اپنی اور ان کی (علویوں کی) ناک خاک آلود کروں گا اور بنی تیم (یعنی ابوبکرؓ) اور بنی عدی (یعنی عمرؓ) کو ان پر فوقیت دوں گا چنانچہ اپنے خطبہ میں انھوں نے صحابہ کا ذکر شروع کیا اسی وقت سے یہ بدعت اب تک جاری ہے۔

موصوف مذکور کے اس غلط قول کی تردید تو اسی بات سے ہو جاتی ہے کہ اپنی اور علویوں کی ناک خاک آلود کرنے کے بجائے امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ نے علویوں کے جد امجد حضرت علیؓ کا نہ صرف ذکر ہی خلفائے راشدین کے زمرے میں کیا بلکہ فضائل بھی ان کے بیان کیے جیسا انھوں نے محمد النفس الزکیہ بن عبد اللہ الحسنی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

وابتلی ابوك بالقتال والحرب وكانت بنو امية تلعنه كما تلعن الكفرة فی الصلوٰة المكتوبة فاحتججنا له وذكرنا لهم فضله

اور تمہارے جد (علیؓ) تو لڑائیوں اور جنگوں میں مبتلا ہوئے اور بنو امیہ ان پر نمازوں میں اسی طرح لعنت کرتے تھے جیسے کافروں پر کرتے ہیں پھر ہم نے ہی ان کے فضائل ان پر بیان کیے اور دلائل پیش کیے۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کا ذکر بھی جن کی بدگوئی خارجی کرتے تھے خلفائے راشدین کے

زمرے میں حضرت علی و شیخین السیدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ قائم رکھ کر خلفائے اربعہ کی اسی عہد سے وہ تخصیص و تعیین کی گئی جو آج تک برقرار ہے اور ان ہی عباسی خلیفہ کے عہد سے ہاشمی خاندان کے دو موصوف بزرگوں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمین مکرمین حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا ذکر بھی خطبہ میں خلفاء اربعہ کے ذکر کے ساتھ شروع ہوا۔ سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ نے ایک موقع پر لکھا تھا :۔

"پیغمبر خدا صلعم کے وقت میں اور خلفائے راشدین کے وقت میں کسی کا نام خطبہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا مگر جو مجادلات کہ بعد میں واقع ہوئے تھے اور ان کے سبب سے باہمی نزاع قائم ہو گئی تھی اور خلفائے راشدین کی نسبت سب و شتم کا رواج ہو چلا تھا اس کے مٹانے کو خطبہ میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین (حمزہؓ و عباسؓ) کے نام لئے جانے کا رواج ہوا تاکہ معلوم ہو کہ یہ سب کے سب واجب التعظیم و قابل ادب ہیں" (تہذیب الاخلاق)

حضرت حمزہؓ و حضرت عباسؓ پر تو سب و شتم کا رواج کبھی نہیں ہوا تھا جس کے مٹانے کو بقول سر سید "خلفائے راشدین کے ساتھ ان کا ذکر بھی خطبوں میں کیا جانا ضروری ہوتا بلکہ عباسی خلفاء کے مورث اعلیٰ ہونے کی وجہ سے ان کا اور ان کے پہلو بہ پہلو عم فضل بھائی حضرت حمزہؓ کا ذکر خطبوں میں شامل کیا گیا۔ عباسی داعیوں نے حصول خلافت کے لئے حضرت عباسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا وارث خلافت کا قرار دے کر ہی تو پروپگنڈا کیا تھا خلیفہ ابو جعفر المنصورؒ ہی نے محمد النفس الزکیہ الحسنی کے جواب میں لکھا تھا۔

ولقد علمت انہ لم یبق احد من بنی عبد المطلب بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرہ فکان وارثہ من عمومتہ ثم طلب ھذا الامر غیر واحد من بنی ھاشم فلم ینلہ الا ولدہ	اور یہ تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد عبد المطلب کے بیٹوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے (حضرت عباسؓ کے سوا) باقی نہیں رہا تھا بس ان کے چچوں میں سے وہی آپ کے وارث ہوئے اگرچہ بنی ہاشم میں سے اوروں نے بھی اس امر (خلافت) کا دعویٰ کیا مگر ان (عباسؓ) کی اولاد کے سوائے یہ خلافت کسی کو بھی نہ ملی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور ترکے کے شرعی وارث تین تھے۔

(۱) ازواج مطہرات (۲) بیٹی اور (۳) چچا۔ ظاہر ہے کہ وراثت صرف اموال متروکہ سے متعلق تھی، خلافت یعنی اسلامی سیاسی نظام کی سربراہی و سیادت سے اس وراثت کا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ اصولاً ہو سکتا تھا خلافت و امامت و قیادت امور مسلمین تو کسی فرد و خاندان کی موروثی جاگیر نہ تھی مگر پروپیگنڈا یہی کیا گیا کہ تین ورثا میں دو بوجہ خواتین ہونے کے مستحق خلافت نہیں اس لئے تیسرے یعنی حضرت عباسؓ تنہا وارث خلافت کے ہوئے اور ان کے بعد ان کی اولاد[۱]۔ بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ پہلے عباسی خلیفہ نے بیعت خلافت

---

[۱] خلفائے عباسیہ کے خلاف اولاد حسینؓ کے تقریباً ۲۲ خروج اور بغاوتوں کے جو مختلف مقامات در مختلف اوقات میں چوتھی صدی ہجری کے وسط تک ہوتی رہیں امیر المومنین جعفر المتوکل علی اللہ کے عہد تک ان میں سے ۳ بغاوتیں ہو چکی تھیں ان حضرات کا دعویٰ استحقاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی اولاد ہونے ہی کا تھا۔ مروان بن ابی الجنوب بن السمط شاعر نے اپنے ایک قصیدہ میں ان ہی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

ملک الخلیفة جعفر	للدین والدنیا سلامه
خلیفہ جعفر کی حکومت و خلافت	دین اور دنیا کی سلامتی کے لئے ہے
لکم تراث محمد	وبعدلکم تنفی الظلامه
تمہارے ہی لئے محمد صلعم کی میراث ہے	اور تمہارے انصاف سے ظلم معدوم ہے
یرجوا التراث بنو البنا	ت وما لهم فیها قلامه
بیٹی کی اولاد بھی میراث کی تمنا رکھتی ہے	مگر اس میں ان کو تو ذرہ بھر بھی حق نہیں
فالصهر لیس بوارث	والبنت لا ترث الامامه
داماد تو شرعی وارث نہیں ہوتا	اور بیٹی وراثت میں امامت و خلافت نہیں پاتی
ما للذین تنحلوا	میراثکم الا الندامه
جو لوگ تمہاری میراث کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں	ان کو سوائے ندامت اور کچھ ملنے سے رہا

دوسری جانب طرفداران بنی فاطمہ نے جو حدیثیں وضع کیں ان میں ایک حدیث میں یہ الفاظ آنحضرت صلعم سے منسوب کرکے کہ ہم اولاد عبدالمطلب جنت کے سردار ہیں جو جو فہرست اولاد عبدالمطلب کے سرداران جنت کی بیان کی ہے اس میں حضرت عقیل برادر علیؓ کا نام شاید اس لئے شامل نہیں کہ صفین میں وہ اپنے بھائی کے خلاف حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت عباسؓ کا نام شامل نہ ہونے کے بارے میں سرسیدؒ نے یہ ریمارک دیا ہے "اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباسؓ کا نام اولاد عبدالمطلب سے چھوڑ دیا تاکہ بنی عباس کے دعوے خلافت کو تقویت نہ پہنچے حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ اور طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعہ تھے مگر جس کا طرفدار تھا اس کے مفید کام کرتا تھا" تہذیب الاخلاق

جو سفاح نے خطبہ کوفہ کے منبر سے دیا تھا پھر ان کے چچا داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے تقریر کی تھی جن میں آیت تطہیر و آیت مودۃ فی القربیٰ و دیگر مصطلحات آل محمد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے خلافت پر اپنا حق و استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث قرار دیا تھا اور یہاں تک کہا تھا اعلموا ان هذا الامر فينا ليس بخارج عنا حتى نسلمه الى عيسى بن مريم (البدایہ ج ١٠ ص ٤٢) یعنی سامعین سے کہا تھا کہ تم لوگ یہ بات جان رکھو کہ امر خلافت ہم ہی میں رہے گا ہم سے باہر کسی میں نہیں یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریمؑ کو اسے ہم سپرد کریں بالفاظ دیگر مسلمانوں کے سیاسی نظام کی سیادت و سربراہی کا حق تا قیام قیامت آل عباس ہی کا تھا گویا دنیا کا کوئی مسلمان خواہ کیسا ہی عالی دماغ، بیدار مغز، مدبر، متورع اور متقی ہوتا اس کا حق نہ رکھتا تھا۔ اہل کوفہ کے ساتھ سلوک نیک کی ضمانت دیتے ہوئے اللہ و رسول کے ساتھ حضرت عباسؓ کا نام لیکر کہا تھا فلكم علينا ذمة الله و ذمة رسوله و ذمة العباس۔ غرضیکہ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی خلافت قرار دے کر یہ موروثی خلافت جب قائم کی گئی۔ سیاسی حالات مقتضی اس کے ہوئے کہ ان کا اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حمزہؓ کا ذکر خطبات جمعہ میں خلفائے اربعہ کے ذکر کے ساتھ کیا جائے اس وجہ سے نہیں کہ ان بزرگوں پر سب و شتم جیسا سر سید احمد خاںؒ نے غلطی سے لکھ دیا ہے مٹانے کے لیے کیونکہ نہ روافض و خوارج نے کبھی شیخین کی بدگوئی کی تھی اور نہ نواصب وغیرہ نے بلکہ بزرگان خاندان ہونے کی بنا پر ان کا ذکر اور دعائے مغفرت خطبات میں کی جانے لگی۔ حضرت حمزہؓ کو رسول اللہؐ نے خیر الشہداء اور سید الشہداء فرمایا تھا اسد الله و اسد رسوله بھی ان خطبات میں ان کے القاب سے ان کا نام لیا جاتا تھا اور آج تک بھی لیا جاتا ہے مگر ان سے کوئی نسل نہیں چلی شاید یہی سبب ہو کہ خاص ان کے مناقب کی وضعی حدیثیں اور روایتیں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت عباسؓ کے مناقب میں البتہ متعدد روایتیں اور حدیثیں وضع ہوئیں وہ رسول اللہ صلعم کے چچوں میں تنہا چچا تھے جو آپ کے وقت وفات موجود تھے۔ اور تیس برس بعد تک زندہ رہے ان کی زوجہ سیدہ ام الفضلؓ دوسری خاتون تھیں جو ام المومنین خدیجہؓ کے بعد اسلام لائیں حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام لانے کا اظہار اگرچہ بہت دیر میں کیا مگر شروع ہی سے آنحضرت کے ہمدرد ... رہے آپ کو بھی اپنے چچا کی خیر خواہی و ہمدردی کا ایسا یقین تھا کہ مدینہ سے اپنی

اشخاص نے جب کہ آکر عقبہ مقام پر رات کے وقت آپ سے بیعت کی اور مدینہ کو ہجرت کی دعوت دی تھی اس موقع پر آپ اپنے انہی چچا کو ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے ہی اہل مدینہ سے پختہ عہد وفاداری کا لیا تھا ابن سعد نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

ليس معه من الناس غيره وكان يثق به في أمره كله (طبقات ابن سعد)

"آنحضرتؐ کے ساتھ (خاندان کے) لوگوں میں ان کے (حضرت عباس کے) سوائے اور کوئی نہ تھا اور آنحضرت صلعم تمام امور میں ان پر بھروسہ رکھتے تھے۔

چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

أيدت تلك الليلة بعمي العباس وكان يأخذ على القوم ويعطيهم۔

میں نے اس رات (عقبہ ثانیہ) میں اپنے چچا عباسؓ سے قوت حاصل کی وہ ہی ان لوگوں سے معاہدہ کرتے اور معاہدہ دیتے۔

اہل یثرب جب بلند آواز سے گفتگو کرنے لگے حضرت عباسؓ ان کو یہ کہکر متنبہ کیا تھا۔ فان عليكم المشركين عينا کیونکہ تم لوگوں پر مشرکین کے جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ ایک مشرک کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے واقعات کی مجبوری سے اخفاء اسلام کا دیر میں کیا۔

وكان النبي صلى الله عليه وسلم يكرم العباس بعد اسلامه و يعظمه ويجله ويقول هذا عمي وصنو أبي۔ (الاستيعاب)

آنحضرت صلعم حضرت عباسؓ کا اکرام کرتے اور ان کے اسلام لانے کے بعد ان کی تعظیم و توقیر کرتے اور فرماتے یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کی مثل ہیں۔

صحابہ کرام بھی نبی صلعم کی پیروی میں حضرت عباسؓ کی تعظیم و تکریم کرتے اور تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے ان کی رائے پر عمل کرتے۔

وكانت الصحابة تكرمه وتعظمه وتقدمه وتشاوره وتأخذ برأيه (تهذيب الاسماء)

صحابہؓ ان کی (حضرت عباس کی) تکریم تعظیم کرتے اور سب امور میں ان کو مقدم رکھتے ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے

خود حضرت عمرؓ نے اس وقت کہ نماز استسقاء میں حضرت عباسؓ کے توسل سے دعا مانگی تھی لوگوں سے کہا تھا۔

ایها الناس! ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یری العباس مایری الولد لوالد لا یعظمه یفخمه ویبر قسمه فاقتدوا ایها الناس الرسول اللہ فی عمه العباس
(کنز العمال)

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو اپنے والد کی جگہ جانتے تھے، ویسی طرح انکی تعظیم اور تکریم کرتے تھے ان کی قسموں کو پورا کرتے تھے لوگو! پیروی کرو رسول اللہ کی ان کے چچا عباسؓ کی تعظیم و تکریم میں۔

طرفداران بنی عباس نے حضرت عباسؓ کے بارے میں مندرجہ بالا صحیح حالات و واقعات کے علاوہ بعض مبالغہ آمیز وضعی روایتیں اور حدیثیں گھڑ ڈالیں مثلاً ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب رسول اللہ سے شکایت کی کہ قریش آپس میں بات چیت کرتے ہیں تو خوشی خوشی کرتے ہیں جب ہم سے ملاقات ہوتی ہے تو کبیدگی سے ملتے ہیں روایت میں کہا گیا ہے کہ یہ سنکر آنحضرت کو غصہ آیا۔

فغضب رسول اللہ حتی احمر وجهه ثم قال والذی نفسی بیده لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبکم اللہ ورسوله ثم قال یا ایها الناس من اذی عمی فقد اذانی فانما عم الرجل صنو ابیه۔
(نسائی نور الابصار ص۱۰۱)

پس رسول اللہ کو ایسا جلال آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے نہ داخل ہوگا ایمان کسی کے دل میں یہاں تک کہ بواسطہ خدا و رسول خدا تم سے محبت نہ رکھے فرمایا اے لوگو! جس شخص نے میرے چچا کو تکلیف دی تو اس نے مجھے تکلیف دی کیونکہ ہر آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔

کسی نبی و رسول کے رشتہ دار سے محبت کرنے نہ کرنے کا ایمان و ایقان سے کیا واسطہ!

ترمذی و صواعق المحرقہ و دیگر کتب میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ یکشنبہ کے دن صبح کے وقت اپنی اولاد کو میرے پاس

لاتا کہ میں تمہارے لئے دعا کروں جو تم کو اور تمہاری اولاد کو نفع دے پھر اس دن صبح کے وقت ہم سب پہنچے رسول اللہ نے ہم کو اپنی چادر اڑھائی اور پھر یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِيْ وَلَدِهٖ۔

اے اللہ عباس کی مغفرت کر اور ان کی اولاد کی ایسی مغفرت کر کہ ظاہر و باطن کے گناہ صاف ہو جائیں اور کوئی گناہ بخشش سے نہ چھوٹے اے اللہ عباس کو ان کی اولاد میں قائم رکھ۔

بعض روایتوں میں یہ جملہ بھی ہے کہ وَاجْعَلِ الْخِلَافَةَ فِيْهِمْ (اور خلافت بھی ان میں ہو)

مندرجہ بالا دعائے مغفرت کا آخری جملہ حذف کر کے خطبہ عباسیہ میں یہ دعا پڑھی جاتی تھی اور اسی کے ساتھ خلیفہ وقت کے لئے جس کے ہاتھ میں بقول ابن خلدون اللہ تعالیٰ نے معاملہ عامہ کا اختیار دیا تھا مغفرت کی جاتی تھی کیونکہ بوقت نماز قبولیت دعا کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ یہ خطبہ عباسیہ جس میں خلفائے راشدین اور عمین مکرمین کا ذکر ہوتا اور ان ہی کے لئے رضائے الٰہی کی دعا کی جاتی تھی تقریباً سوا پانسو برس خلافت بغداد کے عہد میں اور تین سو برس عباسی خلفائے مصر کی مذہبی پیشوائیت کے زمانے میں گویا سوا آٹھ سو برس تک تمام عالم اسلام میں پڑھا جاتا تھا۔ آخری خلیفہ عباسی (مصر) المتوکل علی اللہ سوئم نے ۹۱۲ھ/۱۵۰۹ میں سلطان سلیم خان اول کو جس نے شام و مصر پر قبضہ کر لیا تھا تمام حقوق و امتیازات خلافت سپرد کر دیئے اس کے بعد بھی مختلف اسلامی ممالک میں خطبہ عباسیہ ہی کا رواج برقرار رہا بقول ابن خلدون اس کو خطبہ عباسیہ اس لئے کہتے تھے کہ كَانَ الدُّعَاءُ عَلَى الْإِجْمَالِ إِنَّمَا يَتَنَاوَلُ الْعَبَّاسِيَّ تَقْلِيدًا فِيْ ذٰلِكَ لِمَا سَلَفَ مِنَ الْأَمْرِ وَلَا يَحْفِلُوْنَ بِمَا وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنْ تَعْيِيْنِهِ وَالتَّصْرِيْحِ بِاسْمِهٖ۔ (مقدمہ ابن خلدون) یعنی کیونکہ دعا سابق میں بالاجمال خلفائے عباسی ہی کے حق میں کی جاتی تھی اور بلا تخصیص و تعیین نام خطبوں میں انہیں کی خیر طلبی کی جاتی تھی اور یہ سب سلف کی تقلید میں ہوتا تھا۔ خلفائے اربعہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ اور حمزہؓ و عباسؓ ان چھ اصحاب کے سوائے نہ کسی اور کا ذکر کیا جاتا تھا اور نہ نام لیا جاتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت کو جب ضعف لاحق ہوا عبیدیوں کے ارمنی قائد جوہر نے مصر کے عباسی عامل کو شکست دیکر اپنا تسلط کر لیا اور خطبہ عباسیہ کے بجائے عبیدیوں کا خطبہ رائج کیا قطع خطبة بنی العباس وذکر فی خطبته الائمة الاثنی عشر (البدایۃ ج ۱۱ ص ۲۶۷) سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ سے پھر خطبہ عباسیہ مصر میں رائج ہوا۔ شیعہ امراء آل بویہ نے اپنے دست میں کچھ شیعہ خطیب بغداد میں مقرر کئے تھے جو خطبوں میں صرف حضرت علیؓ اور ائمہ شیعہ ہی کا ذکر کرتے اس سے پیشتر ایسا کہیں نہیں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے رافضی مولف کے جواب میں ایک موقع پر لکھا تھا۔

الاقتصار علی علی وحدہ (وذکر الاثنی عشر ہو بدعة المنکرة) لم یفعلها احد لا من الصحابة ولا من التابعین ولا من بنی امیه ولا من بنی العباس۔
(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۳۵)

تنہا حضرت علیؓ اور دوازدہ کے ذکر پر (خطبوں میں) اقتصار کرنا تو مکروہ بدعت ہے جس کا ارتکاب کسی نے بھی نہیں کیا نہ صحابہ میں سے کسی نے نہ تابعین نہ بنی امیہ و بنی عباس میں سے کسی نے۔

بغداد میں تو اس بدعت کا جلدی خاتمہ ہو گیا۔ امیر المومنین قادر باللہؒ نے جو بڑے عالم اور دیندار خلیفہ تھے علماء و فضلاء و قضاۃ کا اجتماع کیا اور کل شیعی بیان کئے اہل بدعت سے توبہ کرائی شیعہ خطیبوں کو برطرف کر کے سنی خطیب مقرر کئے۔

وعزل خطباء الشیعة وولی خطباء السنة (البدایۃ ج ۱۲ ص ۲)

شیعہ خطیبوں کو معزول کر دیا اور سنی خطیبوں کا تقرر کیا۔

معز الدولہ و عضد الدولہ دیلمی امیر الامراء نے فروغ شیعیت کے جو کام اپنے زمانہ اقتدار میں کئے تھے ان کا ذکر پچھلے اوراق میں آ چکا ہے۔ مصباح الظلم کے مولف نے معز الدولہ کو غلط فہمی سے یا تقیہ کی بنا پر عباسی خلیفہ قرار دیکر لکھا ہے کہ ماتم حسین و عید غدیر کی ابتداء اسی نے کرائی تھی اور یہ کہ۔

مساجد بغداد کے دروں پر معاویہ و غاصب فدک و مانع
دفن امام حسنؓ اور خارج کنندہ ابوذر کے ناموں سے سب

> ولعن لکھدے رات کو کسی شخص نے ایسے لکھے ہوئے کو مٹا
> دیا خلیفہ وقت معز الدولہ (؟) نے چاہا کہ پھر ان کلمات کو
> لکھوا دیں مگر وزیر خلیفہ نے صلاح نہ دی (ص۳۳)

لیکن معز الدولہ تو کسی عباسی کا لقب نہ تھا۔ یہ لقب تو خود عباسی خلیفہ نے احمد بن بویہ کو امیر الامرا مقرر کرتے وقت عطا کیا تھا۔ مولف مذکور نے مزید لکھا ہے کہ :-

> اپنے عہد میں بڑے تزک اور تجمل کے ساتھ معز باللہ
> عباسی (؟) نے خطیب کو حکم دیا کہ خطبوں میں درود حضرت
> محمدؐ و علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ اور اس کے آبا پر پڑھیں (ایضاً)

معز باللہ بھی کسی عباسی خلیفہ کا لقب نہ تھا المعتضد باللہ عباسیؒ البتہ خلیفہ تھے مگر ان کا زمانہ معز الدولہ کے زمانہ امیر الامرائی سے تقریباً ایک صدی پہلے کا تھا خلیفہ المعتضد باللہ کا عہد بھی معز الدولہ کے وقت سے کوئی ستر برس قبل کا تھا انھوں نے اکابرین بنی امیہ پر سب ولعن کا فرمان جاری کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر قاضی یوسف بن یعقوب کے منع کرنے اور سمجھانے سے ترک کر دیا تھا مورخ طبری نے اس فرمان کی پوری نقل درج کی ہے اس میں دو جگہ اس بات کا اظہار ہے کہ ہم ہی تو وارث رسول اللہ صلعم ہیں فنحن ورثۃ رسول اللہ و انا نسون بدین اللہ نیز لکھا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر جس نے امیر المومنین اور ان کے اسلاف کو جو

> "ائمۃ الراشدین المھتدین ورثۃ خاتم النبیین و
> سید المرسلین والقائمین بالدین والمقومین و
> لعبادہ المومنین والمستحفظین ودائع الحکومۃ
> مواریث النبوۃ المستخلفین فی الامۃ"

ہیں فائز المرام کیا حضرت حسینؓ کو جن کی اولاد کے لوگ اس زمانہ میں مسلسل خروج اور بغاوتیں ان کے خلاف کر رہے تھے خطبات کے درود میں کیوں شامل کیا جاتا۔ آل محمدؐ کے الفاظ تو اسی عباسی عہد سے درود میں شامل ہوئے تھے اور آل محمدؐ میں بلا استثنا سب ہی بنی ہاشم داخل ہیں۔ سر سید احمد خانؒ جو نسباً بنی فاطمہ تھے ایک مضمون میں لکھتے ہیں :-

جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس
بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے کیونکہ وہ بھی ہاشمی تھے اور تمام
بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمدؐ یعنی آنحضرت صلعم کا کنبہ سمجھتے تھے.....
ابو مسلم (عباسیوں کے ایجنٹ) نے "نقیب آل محمدؐ" اپنا لقب
اختیار کیا کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے (تہذیب الاخلاق)

عربی زبان کا لفظ آل۔ اہل و عیال و کنبہ و رفقا نیز متبعین اور پیروؤں سب ہی
معنی میں مستعمل ہے۔ کسی شخص کے خاندانی اور خانگی امور کی جہاں بات ہو آل سے مراد اہل و
عیال و کنبہ سے ہوگی اور جہاں دین و مذہب کی گفتگو ہو متبع اور پیرو مراد ہوں گے۔
آل ابراہیم و آل عمران کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے
وضاحت سے بتایا ہے کہ مراد ان کے متبعین اور پیروؤں سے ہے جیسے آل محمد سے
مراد پیروان اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے (جامع البیان والدر منثور فی تفسیر
بالماثور نیز تیسیر الوصول ابن الدیبع) مگر حصول اقتدار کے لئے ہاشمیوں کی ان دونوں
شاخوں یعنی بنی عباس اور بنی فاطمہ کے طرفداروں نے اپنے اپنے قرابت کی قرابت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار میں آل محمدؐ کی اصطلاح استعمال کی تھی بنی عباس
کے یہ سب ایجنٹ جن کی تعداد ستر بیان کی گئی ہے نقیب آل محمد ہی کہلاتے تھے اس لئے
عباسی خلافت قائم ہونے کے بعد ہی سے درود و خطبات میں آل محمدؐ کا شمول کیا گیا۔ مسلم
شریف کی شرح میں النووی نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ
کی یہ حدیث درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا تھا کہ صلوٰۃ
آپ پر ہم کیسے کہیں آپ نے فرمایا کہو اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ اس میں آل محمد کا شمول
نہیں تھا چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود واجب اسی قدر ہے
اور آل محمدؐ کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشیٔ اور ظاہر ہے کہ قرآن النبی صلوا
علیہ وسلموا کے اعتبار سے بھی سلام علیہ پر صلوٰۃ والسلام کہتے وقت اور کسی کا نام کیونکر
لیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کا یہی معمول رہا۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے خطبے کے الفاظ
صلوٰۃ والسلام میں جو دوسری جگہ درج ہیں آل محمدؐ کا ذکر نہیں اور نہ تشہد (التحیات)
کے درود میں صحابہ کرام آل محمدؐ کو شامل کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ

کا تشہد درج ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا اور عام طور سے مروج ہے اموطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ ابن عمرؓ و ام المومنین عائشہؓ کے تشہد میں امام شافعی کی کتاب الام میں حضرت ابن عباسؓ کا نیز کتب حدیث میں دیگر صحابہ ابو ہریرہؓ و ابو موسیٰؓ و ابن زبیرؓ وغیرہم کے تشہد میں تھوڑی الفاظ میں قدرے فرق ہے ورنہ سب عبارت یکساں ہے مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباسؓ یہ تشہد پڑھتے تھے۔

اَلتَّحِیَّاتُ الْمُبَارَکَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰہِ سَلَامٌ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سَلَامٌ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

حضرت ابن عباسؓ تو اہل البیت وآل محمدی کے ایک ممتاز فرد تھے مگر تشہد کے درود میں آل محمد کو انھوں نے شامل نہیں کیا۔ زمخشری نے الکشاف میں نیز ابن الحدید شارح نہج البلاغہ نے ابراہیم النخعی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام تشہد کے درود میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہی پڑھنے پر اکتفا کرتے تھے تشہد پڑھنے کے بعد چاہتے تو کوئی دعا پڑھ لیتے مروجہ درود کہ جس میں آل محمد کا شمول ہے اس وقت رواج نہ تھا۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری باب تشہد فی الآخرہ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ مطبع انصاری میں ابن حجر نے سلام علی النبی کی روایتیں درج کرنے کے بعد باسناد صحیح یہ روایت درج کی ہے کہ۔

إن الصحابة كانوا يقولون والنبي صلى الله عليه وسلم حيٌّ السلام عليك أيها النبي فلما مات قالوا السلام على النبيّ ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حیات تھے صحابہ (التحیات پڑھتے وقت) السلام علیک ایہا النبی (اے نبی آپ پر سلام ہو) کہتے تھے جب آپ کی وفات ہو گئی تو کہتے تھے السلام علی النبی (نبی پر سلام ہو)

لہ سب جانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس دن وفات ہوئی آپ ہی کے رفیق غار و جان نثار حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور جو علم و فضل میں سب ہی صحابہ سے بلند و برتر تھے ہمیشہ زندہ رہنے والے جملے آپ کی وفات کے بارے میں کہے تھے۔ (بقایا نوٹ صفحہ ۲۸۲ پر دیکھئے)

غرضیکہ درود میں خواہ تشہد کا ہو یا عام درود آل محمدؐ کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں مزید تفصیل کتاب "اہل بیت و آل محمدؐ" میں ملاحظہ ہو۔ یہاں تو بیان اس بات کا مقصود ہے کہ خصوصاً عباسیوں میں آل محمدؐ کے شمول سے یہ درود پڑھا جاتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّم

(بقایا نوٹ صفحہ ۲۸۱ کا) "جو شخص محمدؐ کی پوجا کرتا تھا وہ سن لے کہ بے شبہ محمد (صلعم) کی موت واقع ہو گئی مگر ہاں جو شخص اللہ کی بندگی کرتا ہے تو بیشک اللہ زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں"

یہ کہکر قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کیں ہے (۱) اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۔ اے محمد تم کو بھی موت آنی ہے اور بیشک وہ بھی مرنے والے ہیں (۲) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (الی آخرہ) یعنی اور محمدؐ نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے بھی اور رسول گزر چکے ہیں پس اگر ان کی موت آجائے یا وہ قتل کر دیے جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پیچھے لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا" غرضیکہ صحابہ جو آپ کی وفات کے بعد التحیات پڑھتے وقت اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہتے تھے اور شرک کے ادنیٰ ادنیٰ شائبہ سے بھی اپنے کو بچاتے انھوں نے اپنے کانوں سے خود آپ ہی کا یہ ارشاد سنا تھا جو امام بخاری نے درج کیا ہے آپ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ بن مریم فانما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسولہٗ

مجھے اس طرح نہ بڑھانا چڑھانا جس طرح عیسیٰ بن مریم کو عیسائیوں نے بڑھایا چڑھایا ہے میں تو صرف ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کتاب الوسیلہ میں لکھا ہے کہ ایک بدو نے جب نبی صلعم سے کہا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ (جو اللہ چاہے اور تم چاہو) آپ نے یہ سنکر فرمایا اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا؟ بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ (کیا تو مجھے اللہ کا برابری بناتا ہے بلکہ یہ کہہ جو تنہا خدا چاہے) یا اللہ کے ساتھ یا محمد کہنا اور طغروں میں لکھا لکھا ہوا شرک ہے اور شرک وہ گناہ ہے جو کبھی معاف نہ ہوگا اللہ تبارک تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ (خدا نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

عَلٰی نَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ پھر آل کے ساتھ اصحاب ملا کر آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ پڑھا جانے لگا اور خطیب خطبہ ختم کرنے سے پہلے خلیفۂ وقت کے لئے دعائے خیر کرتے مدح وثنا کے الفاظ کہتے غرضیکہ خطبہ عباسیہ میں چاروں خلفائے راشدین ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ دونوں عمین مکرمین حمزہؓ و عباسؓ کا ذکر ہوتا اور حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی دعائے مغفرت کی جاتی صلوٰۃ علی النبی میں آل محمدؐ و اصحاب محمدؐ کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں ہوتا تھا نہ حسینؑ کا نہ ان کی والدہ ماجدہ کا۔

تصانیف خطبات

ابتدائی دو ڈھائی صدیوں تک عالم اسلامی میں لکھے ہوئے خطبے پڑھنے کا رواج نہیں ہوا تھا بنی امیہ کی خلافت میں اور بنی عباس کے ابتدائی دور حکمرانی میں خلیفۂ وقت نماز میں خود امامت کرتے برجستہ خطبہ دیتے صاحب العقد الفرید نے خلفائے عباسیؔ[1] کے متعدد خطبات جمعہ درج کئے ہیں بعد میں خلافت کی

---

[1] صاحب العقد الفرید نے امیر المومنین ابو جعفر المنصورؔ کے ایک خطبہ جمعہ کے بارے میں جو کہ منظر میں دیا تھا یہ واقعہ لکھا ہے کہ حمد و ثنا کے بعد خطبہ شروع کرتے ہی جب یہ الفاظ کہے اَیُّھَا النَّاس! اِتَّقُوا اللّٰہ (اے لوگو! خدا سے ڈرو) سامعین میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اُذکرک من ذکرتنا بہ یا امیر المومنین! (اے امیر المومنین! میں بھی تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں) خلیفہ ابو جعفر المنصور نے فرمایا۔

سمعا سمعا لمن فھم عن اللہ وذکر بہ واعوذ باللہ ان اذکر بہ وتنسا ہ فتاخذنی العزۃ بالاثم لقد ضللت اذاً وما انا من المھتدین۔	بہت اچھا ہم سنتے ہیں اس کی بات جو اللہ کی بات سمجھے اور یاد دلائے میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ دوسروں کو اللہ کی یاد دلاؤں اور خود بھول جاؤں جو مجھے گناہ پر گھمنڈ لاحق ہو تو گمراہ ہو گیا اور راہ راست سے بھٹک گیا۔

یہ کہہ کر اس شخص سے مخاطب ہوئے اور پوچھا تم کون ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو جب وہ کچھ نہ کہہ سکا تو فرمایا شاید اس بات سے مقصد تمہارا یہ تھا کہ دنیا میں چرچا ہو کہ فلاں شخص کھڑا ہوا اور بولا اور سزا ملی مگر سزا تو اس بات سے بچتے رہے لوگو تمہیں اس قسم کی بہتان سے (غالباً نصیحت) سے ڈراتا ہوں۔ موعظت ہم پر نازل ہوئی ہم سے جاری ہوئی ہے۔ اس گفتگو کے بعد مضمون خطبہ پھر شروع کیا۔ یہ واقعہ خطبہ جمعہ کا اور دوسری صدی ہجری کے شروع کا تھا اور یہ خلیفہ کا تھا جن کا مرتبہ بقول ابن خلدون علم میں اور فضیلت میں اپنے زمانے میں سب سے بلند تھا انہوں نے خطبہ روک کر سائل کو جواب دیا پھر خطبہ دیا۔

ہیں بعد میں خلافت کی جانب سے اس منصب پر مستند اور فصیح البیان عالم ہر ہر مقام پر مقرر کیے جاتے تھے جن کو یہ قدرت اور قابلیت حاصل ہوتی کہ فی البدیہہ اور برجستہ خطبہ دے سکیں رفتہ رفتہ ہوتے خطبہ کا مضمون تصنیف کرنے لگے قدیم ترین شخص جن کا ذکر خطبات کے مصنف کی حیثیت سے ملتا ہے ابن نباتہ تھے یعنی خطیب ابی یحییٰ عبدالرحیم بن محمد بن اسمٰعیل بن نباتہ القرشی الاموی الفارقی متوفی ۳۷۴ھ[1] نسباً یہ اموی تھے اور علاقہ حلب کے مقام میافارقین کے باشندے ہونے کی وجہ سے الفارقی کہلاتے تھے۔ ابتدائی زمانے میں قیام بغداد میں رہا۔ بڑے ادیب تھے فصحاء و البلغا میں ان کا شمار ہے۔ مشہور شیعہ برادران شریف الرضی و شریف المرتضیٰ دونوں اپنے ابتدائے عمر میں ان کے شاگرد تھے۔ آخر میں اپنے وطن میں قیام رہا جہاں بنو حمدان کی حکومت تھی جو بقول علامہ ابن کثیرؒ رافضی تھے وکان هولاء الملوك بنو حمدان رفضة (البدایۃ) ان میں سیف الدولہ بن حمدان جیسا معزز دریا دل حکمران تھا۔ ابن نباتہ اس کے متوسلین میں شامل ہوئے سیف الدولہ کو عیسائی طاقتوں سے برسرپیکار ہونا پڑتا تھا۔ خطیب مذکور نے بہت سے خطبے تحریص و ترغیب جہاد کے لیے تصنیف کیے جو ان کے مجموعہ خطب کا معتدبہ حصہ ہے اس کے علاوہ ہوا زوماہی خطبے جمعہ بھی تصنیف کئے اور ادبی قابلیت کے جوہر دکھائے سامعین کو مخاطب کرنے کے لیے معاشر الحاضرین (اے جماعت حاضرین) وغیرہ الفاظ درج کیے ہیں خطبۂ ثانیہ میں حضرت حسنینؓ اور ان کی والدہ معظمہ کے ذکر میں جس کی ابتدا انھوں نے کی تھی باوجود شیعہ ماحول کے صرف ان الفاظ پر اکتفا کیا ہے :-

اَلسَّیِّدَیْنِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ وَعَلٰی اُمِّہِمَا فَاطِمَۃَ الزَّہْرَآءِ

خطبہ عباسیہ میں حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی مغفرت کی جو دعا پڑھی جاتی تھی وہ حذف کر کے شیخین مکرمین کے ذکر میں یہ الفاظ درج کئے جو حرت ملانی کے خطبے سے متاخرین نے بھی اخذ کر لیے۔

---

[1] ابن نباتہ کے خطبات کی چھٹی صدی ہجری میں متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں ان کے مجموعہ خطب کا ایک پرانا نسخہ بھی علامہ عبدالعزیز میمن (کراچی) کے ذاتی نادر کتب خانہ میں موجود ہے جسے دیکھنے کا راقم الحروف کو علامہ موصوف کی مہربانی سے موقع ملا تھا۔

عَمَّيْهِ الْمُعَظَّمِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَالنَّاسِ الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الدَّنَسِ وَالْاَرْجَاسِ اَبِيْ عُمَارَةَ الْحَمْزَةِ وَاَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ

خلافت عباسیہ کے دم توڑنے کے زمانہ ہی سے ابن نباتہ کے مصنفہ خطبات ملک شام کے حدود مجاز میں بھی مروج ہوئے حجاز میں حسنی شرفا کی بڑی حکومت تھی۔ ابن بطوطہ نے سفرنامے حالات کے ضمن میں نماز جمعہ کی کیفیت بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ خطیب سیاہ عمامہ اور سیاہ لباس زیب تن کئے اس طرح آتے کہ دو موذن ان کے ساتھ ہوتے سیاہ جھنڈے لئے ہر دو جانب کھڑے رہتے خطبے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے جس میں آل محمد کا قول ہوتا پھر چاروں خلفا کے اور جملہ صحابہ کے اور رسول اللہ صلعم کے دونوں چچا کے دونوں نواسے اور ایک صاحبزادی فاطمہ اور ان کی والدہ حضرت خدیجہ کے نام لیتے اور رضائے الہٰی کی دعا کرتے ان بزرگوں کے اسماء کے ساتھ مبالغہ آمیز مدح سرائی کا تصور بھی اس زمانے کے لوگوں کو نہ تھا۔

ہندوستان میں بھی اسی کی تقلید کی گئی۔ لکھنؤ (فرنگی محل) کے مولانا عبدالحی کے مجموعہ خطب میں تو ایسے خطبے بھی شامل ہیں جن میں واقعہ کربلا ہی کا مجملاً بیان ہے کربلا نام کو شیعی لٹریچر کے انداز پر "کرب وبلا" لکھ کر شیعہ ذاکر کی طرح گویا فرما رہا ہے کہ جو روئے یا رولائے یا رونے کی صورت بنائے تو ثواب عظمیٰ پائے چنانچہ لکھا ہے۔ فَمَنْ ذَكَرَ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةَ الْعُظْمٰى وَاسْتَرْجَعَ فَازَا مَا لِمَرْتَبَةِ الْحُظْلٰى وَعُدَّ مِنَ الصَّابِرِيْنَ۔

مولانا موصوف کے علاوہ اور بہت سے علماء نے خطبے تصنیف کئے جن کے خطبہ ثانیہ میں مناقب کی بیشتر وضعی حدیثوں کے الفاظ بالعموم بیان ہوئے ہیں چنانچہ متاخرین میں مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے دوازدہ ماہی خطبوں میں حضرت حسنینؓ اور ان کی والدہ ماجدہ کی سرداری اہل الجنۃ کی حدیثیں اور حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کی دعائے مغفرت ترمذی کے حوالے سے نقل کر دی گئی ہیں۔ اشخاص بنی ہاشم کے ذکر مدح میں شاید سب سے معتدل یہی خطبات ہیں یہ توقع تو نہیں ہو سکتی تھی کہ مناقب کی حدیثوں پر رد لکھنا کجا نظر ڈال سکیں جو بنی ہاشم کی خاندانی تقدیس ونسبی برتری وسیادت کی روایتیں اور حدیثیں جن سے غیر طبقاتی ملت میں طبقے قائم ہوئے ہاشمیوں کے سیاسی اقتدار شیعیت کے فروغ اور تفضیلیت کے بعض ہاشمی افراد کی حد درجہ غلو کے ساتھ مدح سرائی کرنے سے اور بھی

نئے القاب وضع ہوتے رہے مثلاً تفضیلیہ کے یہاں ان کے اماموں میں امامین ھمامین کے لئے یہ دس بارہ لقب رکیک قافیہ بندی سے خطبہ میں پڑھے جاتے ہیں "الکریمین السعیدین الشہیدین القمرین المنیرین النیرین الزاہرین الطیبین الطاہرین" یہ دونوں حضرات عہد رسالت میں سن شعور کو بھی نہیں پہنچے تھے چہ جائیکہ دین و ملت کی کوئی خدمت کر سکتے خطبہ میں ان مبالغہ آمیز الفاظ سے ان کا ذکر ہوا، اور آپ کے بڑے نواسے حضرت علی بن ابو العاص رضی کا ذکر نہ ہوا جو عہد رسالت میں سن بلوغ کو پہنچ گئے تھے، اور رومی کافروں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے تھے کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ حسنین کا ذکر اور ان کی مدح سرائی بہ حیثیت و مفروضہ سیادت نسبی کی بنا پر ہے اور حضرت علی بن ابو العاص رضی کا ذکر ترک ہونا کیا اس وجہ سے ہے کہ وہ بنی امیہ کے خاندانی فرد تھے۔ علاوہ بریں ہاشمی بزرگوں میں سے حضرت جعفر طیار، حضرت عقیل رضی، حضرت ابو سفیان ہاشمی وغیرہ قرابتداران رسول خدا کے خاص کر حضرت جعفر طیار رضی کے نام نامی خطبہ میں نہ لینے سے جو اپنے چھوٹے بھائی حضرت علی رضی پر اس اعتبار سے فوقیت رکھتے تھے کہ عہد رسالت میں عرب سے باہر ملک حبش میں دین کی تبلیغ کی تھی صاف ظاہر ہے کہ ان حضرت کی مدح و ثنا کی ابتدا خطبہ جمعہ میں کسی اصول کے تحت نہیں کی گئی نہ خاندانی اعتبار سے سب کے نام لئے گئے اور نہ امتیاز خدمات کے لحاظ سے غالباً سیاسی مقاصد پیش نظر رہے کیونکہ سیاسی اقتدار کے حصول میں عباسی اور علوی ہی پیش پیش رہے تھے۔ بہرکیف یہ گفتگو خاندانی و نسلی امتیاز کے سلسلے میں آگئی ورنہ احترام تو سب ہی حضرات کا ملحوظ خاطر ہے اور حضرت عباس رضی کا خون پاک تو خود میرے رگ و پے میں دوڑ رہا ہے صرف حق بیانی کے تقاضے سے ان حقائق تاریخی کا بیان اس سلسلے میں ناگزیر ہوا۔

السید والشریف کا تفصیلی جائزہ تو لیا جا چکا اب الفاظ مختصر "آل محمد" کی تاویلات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ نسلی امتیاز اور سیاسی مقاصد کے حصول کی غرض سے قرابتداران رسول خدا کے معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے۔

التحیات اور درود

علامہ المشرقی محمد عنایت اللہ خاں نے اپنی مشہور تالیف "تذکرہ" میں ایک موقع پر استعجاباً لکھا ہے:-

"التحیات کے بعد اللھم صلی علی محمد کیا ردیف علی محمد

کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خداؐ اپنے
عین حیات امامت کے وقت خود نہ پڑھے ہوں گے نہ معلوم یہ درود
شریف کب سے پڑھے جانے شروع ہوئے کس کے حکم سے ہوئے
اور خود رسول خدا ان کی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے (صفحہ ۲۶۷)

علامہ علیہ الرحمۃ کتب احادیث الموطا و بخاری و مسلم ہی میں ابواب التشہد مطالعہ کر لیتے سوال کا جواب بآسانی مل جاتا۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں اور کتاب الاستیذان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی چار حدیثیں ہیں۔ تشہدات (التحیات) کی درج کی ہیں جن میں بتایا ہے کہ نبی صلعم کے ساتھ نماز میں پہلے ہم یہ الفاظ (التحیات کی جگہ) پڑھا کرتے تھے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ قَبْلَ عِبَادِہٖ — سلام اللہ پر ہو اللہ کے بندوں سے
اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی — پہلے اور سلام ہو جبرائیل پر سلام ہو میکائیل
مِیْکَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَّفُلَانٍ۔ — پر اور سلام ہو فلاں اور فلاں پر۔

(صحیح بخاری)

پھر فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی صلعم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ تو خود سلام ہے یعنی سلام اس کا نام ہے اس پر سلام کہنے کے کوئی معنی نہیں لہٰذا اب سے تم لوگ نماز میں پڑھا کرو:۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

یہ وہ التحیات (تشہد) ہے جو رسول خدا نے صحابہ کو بعد میں سکھلائی تھی اور صحابہ جو نمازوں میں پڑھتے تھے اسی قدر تھی اور مروجہ درود شامل نہ تھا حضرت ابن مسعودؓ نیز فرماتے ہیں کہ التحیات کے بعد جس کو جو دعا پسند ہوتی تھی پڑھ لیتا تھا۔ ثُمَّ یَتَخَیَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَہٗ فَیَدْعُوْا (صحیح البخاری) مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وغیرہ۔

تقریباً بارہ اکابر صحابہ کے تشہدات (التحیات) مختلف کتب حدیث میں منقول ہیں جداگا

کے ابتدائی الفاظ میں خفیف سا فرق ہے باقی عبارت یکساں ہے۔ ابن مسعودؓ کی مندرجہ بالا التحیات کو امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا حنفیوں میں اسی کا رواج ہے امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ کے تشہد کو اور امام شافعیؒ نے ابن عباسؓ کے تشہد کو جو پہلے نقل ہو چکا اختیار کیا حضرت عمرؓ پہلا جز التحیات میں یوں پڑھتے تھے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ (الموطا) السرخسی نے "التاصیات الزاکیات المبارکات" الفاظ بھی لکھے ہیں باقی سب عبارت ابن مسعودؓ کی عبارت کی طرح پڑھتے تھے۔ اسی طرح دیگر صحابہ ابو ہریرہؓ ابو موسیٰ اشعریؓ ابن زبیرؓ نیز ام المومنین عائشہؓ کے تشہدات بھی کتب احادیث میں درج ہیں مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں کیونکہ عملی درود تو خود التحیات ہی کی عبارت میں شامل ہے زمخشری نے الکشاف میں اور شمس الدین السرخسی نے المبسوط میں امام ابو حنیفہؒ کے دادا استاد ابراہیم النخعی متوفی ۹۵ھ کا جو بیک واسطہ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے یہ قول نقل کیا ہے۔

کانوا یکتفون عن ذلک — یعنی الصحابۃ — بالتشہد وھو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

تشہد (التحیات) پڑھنے میں صحابہ اسی صلوٰۃ و السلام (درود) پر اکتفا کرتے تھے یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

التحیات کا یہ درود صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا کی صحیح صحیح تعمیل ہے صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب آپ کی وفات ہو گئی ضمیر خطاب ترک کر کے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ پڑھنے لگے۔ سرخسی کہتے ہیں کہ تشہد کے پہلے یا بعد میں کچھ اضافہ کرنا مکروہ ہے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ آنحضرتؐ قعدہ اولیٰ میں اس سرعت سے اٹھ جاتے تھے گویا سنگریزوں پر چل رہے ہوں (کانہ علی الرضف) سرخسی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تشہد میں کچھ بڑھایا نہ جاتا تھا انہ کان لا یزید علی التشہد (المبسوط)

شرح مسلم میں ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ اس میں آلِ محمد کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی

بھی خلاف ہے اس کی دوسری حدیث الہیثمی نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں بھی ہے۔ ابو حاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں احادیثہ کلہا موضوعۃ (میزان الاعتدال ج صفحہ) دیگر ائمہ نے بھی اس کی کذب بیانی کا اظہار کیا ہے زمانہ بھی اس کا عباسی خلافت کا ابتدائی عہد تھا۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیہقی کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے جو یحیٰ بن حارث کے مجہول الاسم راوی سے منسوب ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ درود میں وعلیٰ آل محمد پڑھا کرو لکھا ہے نبی صلعم کے سلام و صلوات میں غیرنبی کو شریک کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آیت صلوٰۃ وسلام میں صاف وصریح حکم جب یہ ہے کہ صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام وصلوٰۃ بھیجو یہ تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ حکم خدا کے خلاف آپ نے اپنی اُمت کو اس کا مکلف کیا ہو کہ ذات اقدس پر صلاۃ وسلام بھیجتے ہیں آپ کے قرابت داروں آل وازواج وعترت وذریت کو بھی شامل کریں۔ آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ من صلی صلاۃ لم یصل علیّ فیہا وعلیٰ اھل بیتی لم تقبل منہ (نماز پڑھنے میں جس نے میرے اور میرے اہل بیت پر درود نہ کہا نماز اس کی قبول نہ ہوگی) اس کا راوی جابر بن یزید بن الحارث الجعفی الکوفی ہے ذہبی نے میزان الاعتدال (ج صفحہ) میں بتایا ہے کہ وہ علمائے شیعہ میں سے تھا ابن حبان کہتے ہیں سبائی تھا ائمہ نے اسے رافضی اور صحابہ کا بدگو بتایا ہے دیگر ائمہ حدیث نے بھی دروغ گو لکھا ہے۔

آلِ محمدؐ آل محمدؐ سے مراد جیسا پہلے ضمناً ذکر ہوا اہل وعیال اور کنبہ والوں سے بھی ہے اور متبعین وپیروؤں سے بھی جہاں خدائی امور مثلاً تقسیم ترکہ یا حرمت زکاۃ وصدقہ وغیرہ کی بات ہو اہل وعیال اور کنبے والے مراد ہوں گے یعنی آل عباس وآل علی وآل جعفر وآل عقیل اور جب دین ومذہب وشریعت کا مسئلہ ہو متبعین وپیرو اور امت کے لوگ مراد ہوں گے رسول خدا کی مشہور حدیث ہے۔ من سلک علیٰ طریقتی فھو آلی (جس نے میرے طریقے کی پیروی کی وہ میری آل ہے) نیز

ان آل کل مسلمین التابعین لہ الی یوم القیامۃ (المجموعہ شرح المہذب) | نبی کریم کے کل مسلمان متبعین یوم قیامت تک آپ کی آل ہیں۔

آل النبی من جهة الدین کل مؤمن تقی کذا اجاب رسول اللہ حین سئل عن الآل (کلیات ابی البقا)	دینی حیثیت سے کل متقی مسلمان آل نبی ہیں جیسا رسول اللہ نے فرمایا تھا جب ان کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تھا۔

آیہ کریمہ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ میں آلِ فرعون سے اس کے پیرو اور متبعین ہی مراد ہیں۔ سورۂ قمر کی آیت میں آل لوطؑ سے مراد پیروان لوطؑ سے ہے اسی طرح قرآن شریف کی دوسری متعدد آیتوں میں آل سے متبعین و پیرو اور اُمت کے لوگ مراد ہیں۔

بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں یعنی نقیب آل محمد نے سیاسی اقتدار کے حصول کی خاطر ملک در ملک جو پروپگنڈا کیا تھا آل محمد سے مراد قرابتداران رسول خدا سے لی تھی۔ جمہور علماء و ائمہ کے خلاف امام شافعیؒ[1] نے اور ان کے اتباع میں امام فخرالدین رازی[2] نے آل محمد سے مراد قرابتداران رسول سے لی چنانچہ مفاتیح الرازی

---

[1] امام شافعیؒ نسباً ہاشمی تو نہ تھے آنحضرت صلعم کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کے بھائی مطلب بن عبد مناف کی نسل سے تھے المطلب نے اپنے یتیم بھتیجے اور آنحضرت صلعم کے دادا عبد المطلب کی پرورش کی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کے نام پر المطلب نے اپنے ایک بیٹے کا نام ہاشم رکھا تھا ابن ہاشم بن المطلب کی زوجہ آنحضرتؐ کے دادا عبد المطلب کی سوتیلی بہن الشفا بنت ہاشم بن عبد مناف تھیں جن کے بطن سے عبد یزید بیٹا ہوا پھر ابن عبد یزید کی بیوی عبد المطلب کے ایک بھتیجے الارقم بن نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کی دختر تھی جس کا نام بھی الشفا تھا اس سے عبد یزید کا ایک بیٹا السائب تھا جو اسیران بدر میں سے تھا ابن السائب کے فرزند شافع کے پرپوتے ہونے کی بنا پر وہ شافعی کہلائے یعنی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع مذکور عباسی خلافت قائم ہونے کے اٹھارہ برس بعد ۱۵۰ھ میں بزمانہ خلافت امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں بہ زمانہ خلیفہ مامون الرشید انتقال ہوا۔ عصبیت خاندانی کا مادہ طبیعت میں تھا۔ رحمہ اللہ۔

[2] امام فخرالدین رازی عجمی نژاد شہر رے کے باشندے ہونے کی وجہ سے رازی کہلائے ولادت ۵۴۴ھ میں ہوئی ان کا زمانہ امام شافعیؒ سے تین سو برس بعد کا ہے ساتویں صدی کے ممتاز مصنفین میں سے تھے مختلف علوم میں تصانیف کیں قرآن شریف کی تفسیر بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔

میں ہے کہ :۔

إن الدعاء للآل منصب عظیم ولذلك جعل هذا الدعاء خاتمة التشهد فی الصلاة وهو قوله اللّٰهم صلّ علی محمد وعلی آل محمد وارحم محمداً وآل محمد وهذا التعظیم لم یوجد فی حق غیر الآل فکل ذلك یدل علی إن حب آل محمد واجب۔

آل محمدؐ کے واسطے یہ دعاء منصب عظیم ہے اور اسی لئے تشہد (التحیات) کے خاتمہ پر اس دعاء کو (نماز میں) رکھا گیا۔ دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ یہی تعظیم آل محمدؐ کے سوائے کسی اور کے حق میں نہیں ہے لہٰذا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آل محمدؐ کی محبت واجب ہے۔

جناب رازی نے یہ دو بیتیں بھی لکھی ہیں جو امام شافعیؒ سے منسوب ہیں ان میں رسول اللہ کے اہل بیت (گھر والوں) سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ تمہاری محبت کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کیا ہے اور تمہاری عظیم قدر و منزلت کے لئے تو یہی بات کافی ہے کہ نماز میں جو کوئی تم پر صلوات (درود) نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔

یا اهل بیت رسول الله حبکم — فرض من الله فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم — من لم یصل علیکم لا صلاة له

مگر قرآن شریف کے کسی پارے کسی رکوع کی کسی آیت میں رسول خدا کے اہل بیت حقیقی یعنی ازواج مطہرات اور اہل بیت مدنی[1] یعنی آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے محبت کرنے کا کوئی حکم اشارۃً بھی کہیں نہیں۔ یہ بات اگر سورۃ الشوریٰ کی مندرجہ ذیل آیت کے سلسلہ میں کہی گئی ہے تو محض غلط ہے :۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔

کہہ دیجئے (اے محمدؐ) میں تم سے (اے مشرکین قریش) اس (تبلیغ) پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ اس رشتہ داری کی (وجہ سے) جو میں

[1] بعض حدیثوں میں حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو آیت تطہیر کے سلسلہ میں اہل بیت کہا گیا اس لئے انہیں اہل بیت مدنی لکھا گیا۔

اور تم میں ہے (محبت تو بدستور ہے۔

قربیٰ کے معنی رشتہ دار کے نہیں رشتہ داری کے ہیں ذوی القربیٰ ہوتا تو معنی البتہ رشتہ دار کے ہوتے مگر اس سے پھر بھی میرے رشتہ دار کا مفہوم نہ نکلتا آنحضرتؐ کے دادھیالی و ننھیالی رشتے قریش کے سب ہی گھرانوں سے تھے۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ جو اہلبیت نبوی کے ممتاز عالم تھے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

نزلت هذه الآية بمكة وكان المشركون يؤذون رسول الله فانزل الله تعالى: قل لهم يا محمد لا أسألكم عليه (أي على ما أدعوكم إليه) أجراً من الدنيا إلا المودة في القربى إلا الحفظ في قرابتي فيكم (الدر المنثور في التفسير بالمأثور للسيوطي)

یہ آیت مکہ میں (اس زمانہ میں) نازل ہوئی تھی جب مشرکین (قریش) رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اے محمد کہہ دیجئے ان سے (مشرکین سے) کہ میں تم سے اس پر (یعنی جس بات کی میں تم کو دعوت دیتا ہوں) کوئی معاوضہ دنیاوی طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم اس رشتہ داری کی محبت و مودت تو قایم رکھو جو میری تم سے ہے

اب دیکھئے انہی ابن عباسؓ سے کذابین نے یہ جھوٹی حدیث منسوب کر دی کہ یہ آیت جب نازل ہوئی جس کی تفسیر انہوں نے سطور بالا میں کی ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا؟ آپ نے فرمایا فاطمة وولدها یعنی فاطمہؓ اور اس کی اولاد قسطلانی نے ضوء الساری میں بتایا ہے کہ اس وضعی حدیث کا راوی حسین بن حسن الاشقر ہے جسے ابو زرعہ نے منکر الحدیث جوزجانی نے غالی رافضی اور شتام (نہایت بدگو) اور ابو معمر الہذلی نے کذاب کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۴۲) علاوہ ازیں سورۃ الشوریٰ کی یہ آیت تو مکہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب حضرت فاطمہؓ کی شادی کو بھی دس گیارہ برس کی طویل مدت باقی تھی چہ جائیکہ ان کے اولاد ہونا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس قسم کے اقوال کے بارے میں یہ ریمارک کیا ہے:۔

فکون هذه الآیة قد نزلت قبل وجود الحسن والحسین بسنین متعددة فکیف یفسر النبی صلی الله علیه وسلم الآیة بوجوب مودة قرابة لا تعرف ولم تخلق۔

(منہاج السنۃ)

پس یہ آیت جب حسن وحسین کے عالم وجود میں آنے سے متعدد سالوں قبل نازل ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر میں کیونکر اس قرابت کی محبت و مودت کو واجب کر سکتے تھے جس کو وہ نہ جانتے پہچانتے تھے اور نہ اس کی تخلیق ہی ہوئی تھی۔

یہ کذاب راوی حسین اشقر ۲۰۸ھ میں مرگیا تھا اس سے سوا سو برس پہلے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پروتے امیر المومنین عبداللہ (سفاح) بن محمد الامام کی ۱۳۲ھ میں بیعت خلافت کوفہ میں ہوئی تھی۔ اس وقت جو خطبہ انھوں نے دیا تھا علامہ ابن کثیرؒ نے چند فقرات اس کے درج کئے ہیں (البدایۃ ج۱۰) راوی نے غلط منسوب نہیں کئے تو ان فقرات میں کہا گیا ہے کہ ان پہلے عباسی خلیفہ نے رسول اللہ صلعم سے اپنی قرابت کے شرف و منزلت کے اظہار میں اسی آیت المودۃ فی القربیٰ کا مصداق اپنے دادا کی تفسیر کے قطعاً خلاف ابن عم رسول اللہ ہونے کی بنا پر اپنے ہی کو بتایا تھا پھر شیعہ راویوں نے اس آیت اور دوسری آیتوں سے حضرت علیؓ و اولاد حسینؓ کے وصایت و وراثت کی جو تاویلات کیں معلوم و مشہور ہیں۔ نہج البلاغۃ کے مصنف نے بعض خطبات میں یہ الفاظ حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں کہ آل محمدؐ سے ہی امت میں کسی کو بھی نسبت نہیں دی جا سکتی آل محمدؐ دین کی بنیادیں ہیں، صدق و یقین کے ستون ہیں وصیت و وراثت انہی کے لئے مختص ہے یہی اسرار پیغمبر کے خزانے اور علم کے دروازے ہیں ونحن الاعلون نسبا والاشدون برسول الله نوطاً (اور ہم بلحاظ نسب سے بلند ہیں اور ہمارا رشتہ رسول اللہ سے قوی ہے) خطبہ ۱۶۲ میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں۔

" ان رفعنا الله ووضعهم (الی آخرہ) یعنی اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے دوسروں کو پست کیا ہے ہم کو قیادت عطا فرمائی ہے ان کو محروم کر دیا ہے ہم ہی وہ ہیں جن سے ہدایت طلب

کی جاتی ہے اور جن سے گمراہی دور کر کے نیکو نور میں لایا جاتا ہے بیشک
ائمہ سب قریش سے ہوں گے۔ وروہ ہاشمی خاندان میں نصب کر دیئے
گئے ہیں۔ قیادت ہاشمیوں کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے درست
نہیں دوسرے حاکم (والی) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔
(نہج البلاغۃ)

ابن ابی الحدید نے نسبی تعلق کے ایسے ایک قول کی شرح میں صاف لکھدیا ہے
کہ بنی ہاشم تو بندے خدا کے ہیں اور دوسرے لوگ ان (بنی ہاشم) کے بندے ہیں انھم
عبید اللہ وان الناس عبید ھم۔

یہ اور اس قسم کے دیگر اقوال اور نسبی تعلیاں آل محمد کے معنی و مطلب کو محدود
کر کے محض سیاسی مقاصد سے مشتہر ہوتی رہیں حالانکہ دین ومذہب و شریعت کے
معاملات میں جیسا ذکر ہوچکا ہے آل محمد سے مراد کل امت محمدیہ ہے۔ نبی آخر الزماں کا
لایا ہوا دین تا قیام قیامت قائم رہے گا اللہ تعالیٰ کی وسیع اور غیر محدود رحمت کو
ہاشمی خاندان کے افراد سے محدود کر دینے کا اسلام جیسے دین عدل وانصاف و مساوات
و اخوت میں کسی کو حق ہی کیا ہے۔

صلوٰۃ علی النبی

درود اور دعا یہ دونوں لفظ تو فارسی زبان کے ہیں جو بھی اسلام کے طفیل رائج ہوئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے
فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (صلوٰۃ قائم
کرو بلاشبہ صلوٰۃ یعنی نماز تمام مومنوں پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے) یہی صلوٰۃ
موقت تو نماز ہے اس صلوٰۃ کے علاوہ اللہ کی جانب سے مومنوں پر صلوٰۃ نزول رحمت
خداوندی ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِنَ اللّٰہِ رَحْمَۃٌ (لسان العرب) چنانچہ فرمایا گیا۔
اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ مومنوں پر نبی کی صلوٰۃ کا مطلب ہے
ان کی تحسین اور حوصلہ افزائی سورۃ توبہ میں مومنوں کے مال سے صدقہ
وصول کرنے کے سلسلے میں جو ان کے تطہیر و تزکیہ کا موجب ہے رسول خدا سے فرمایا گیا
وَصَلِّ عَلَیْہِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمْ (ان کو دعائے خیر دو کیونکہ تمہاری تحسین
و شاباش ان کے لئے تسکین و اطمینان کا موجب ہے) اسی طرح دیگر آیات میں جو لفظ

صلوٰۃ آیا ہے محل و موقع کے اعتبار سے مفہوم کہیں تحسین و آفرین ہے کہیں نزول رحمت بنی ہے کہیں فرض منصبی کی ادائیگی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورۃ البراءۃ میں فرمایا ہے :-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غلبہ دے اگرچہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔

تبلیغ دین حق کے ابتدائی ایام میں عرب جاہلیہ جیسی اجڈ اور جھگڑالو قوم قوماً آئی دشمنی اور ایذا رسانی پر تل گئی قلیل تعداد و قریشیوں نے دین حق قبول کیا عزیز دین و ہموطنوں کے ظلم و جور سے انھیں وطن چھوڑنا پڑا۔ سب سے پہلے مہاجر رسول خدا کے منجھلے داماد حضرت عثمان اموی رض اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول خدا تھیں پھر نبی کریم صلعم نے بھی ہجرت فرمائی اور ہجرت کے چوتھے ہی سال جب دس ہزار مشرکین کے لشکر احزاب نے یہودیان مدینہ سے ساز باز کرکے شہر پر چڑھائی کی تو غازیان اسلام کی تعداد صرف ایک ہزار تھی دفاع کے لئے خندق کھودی جا رہی تھی پتھر کی ایک چٹان ایسی سخت آئی کسی طرح نہ ٹوٹتی تھی آنحضرت نے دست مبارک سے ضرب لگائی پاش پاش ہو گئی ساتھ ہی شعلہ کی چمک میں قدرت خدا سے دین حق کے غلبہ کی نشانی دیکھ کر آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ اب مسلمانوں کو سب ہی دشمنوں پر فتح ہو گی احزابی لشکر کو ہزیمت اٹھا کر بھاگنا پڑا پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہودیوں کو غداری کی سزا ملی کچھ جلا وطن ہوئے اور کچھ جان سے مارے گئے دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ -

؎ واقعہ ماہ شوال سنہ ۵ھ کا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں جس کا نزول ۵ھ میں ہوا یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا۔

(الاحزاب ۴۳)

(اے ایمان والو) وہ اللہ ہی ہے جو اپنے ملائکہ (ایمانی قوتوں) سمیت تم پر صلوٰۃ کرتا ہے تاکہ تمہیں (جہالت و غفلت) کی ظلمتوں سے نکال کر (علم و حکمت کی) روشنی کی طرف

لائے اور وہ اللہ مومنوں پر رحمت کرنے والا ہے۔

پھر ساتویں رکوع میں صلوٰۃ علی النبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ۵۶)

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے (بالاتفاق) تو تمام) نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی (نبی کے لائے ہوئے قانون الٰہی کو عملاً تسلیم کرتے ہوئے) اس (نبی) پر صلوٰۃ وسلام کرو۔

دونوں آیتوں میں لفظ صلوٰۃ ہے مومنوں پر اللہ کی صلوٰۃ نزول رحمت الٰہی ہے اور نبی کریم پر اللہ کی صلوٰۃ تحسین و آفرین ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے محیرالعقول کارنامے پر کہ آپ نے اپنی مقلب القلوب روحانیت، حیرت انگیز قوت عمل و لاثانی ثبات و استقلال سے چند ہی سالوں میں عرب جیسے اکھڑ قوم کی کایا پلٹ دی اور قرآنی نظام ربوبیت کی بنیاد ڈالی مومنین صادقین مہاجرین و انصار نے محیرالعقول مصائب برداشت کرکے دین حق کو ادیان باطلہ پر غلبہ دینے میں رسول خدا کا ساتھ دیا اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ جنھوں نے اپنی جانیں قربان کیں انھیں حیات جاودانی ملی[1] دین حق کو غلبہ ہوا لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا مقصد عملاً پورا ہوا قانون مساوات و اخوت کی بنا پر حکومت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوئی۔ اللہ

---

[1] سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۴ میں مسلمانوں کو دین حق کی مدافعت میں جان کی قربانی دینے کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں فی سبیل اللہ قتل ہو گیا اس کو مرا ہوا نہ کہو وہ تو اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۹ میں مزید فرمایا گیا کہ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو گئے ان کو مردہ نہ شمار کرو وہ تو زندہ ہیں اور اپنے خدا کے پاس اس کی نعمتوں و رحمتوں سے مالا مال ہیں بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ یعنی انھوں نے اپنی جانیں دین کے اعلیٰ مقصد پر قربان کرکے حیات جاودانی پائی اور بہشت میں اللہ کی جنتوں سے مالا مال ہیں رزق کے معنی محض کھانے پینے کے نہیں نعمتوں اور برکتوں سے متمتع ہونے کے بھی ہیں اور اسی آیت میں يُرْزَقُونَ کا یہی مطلب ہے شہید اجنت کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ سمیت اپنے آخری نبی کے جلیل و عظیم کارنامے پر صلوٰۃ و تحسین (آفرین)
کی اور مومنوں کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ و سلام کرو صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ مومنوں کو
صلوٰۃ و سلام کا یہ حکم بقید تسلیماً ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قانون و ضابطہ
حیات کو عملاً تسلیم کرتے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قانون مساوات و اخوت لانے والے اور
اس کا نفاذ کرنے والے رہنمائے جلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام کہنا اس سے
غرض و مقصد بقول ابن اثیر دنیا میں دعوت اسلامی کی تبلیغ اور اظہار اور بقائے شریعت کے
عظمه فی الدنیا باعلاء ذکره واظهار دعوته وابقاء شریعته (النهایة فی غریب
الحدیث والاثر ابن الاثیر) ہے امتیوں کی جو صرف زبانی سلام و صلوٰۃ سے یا بعد والے
نماز حلقہ باندھ کر ترنم کے ساتھ سلام گانے سے پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ کے لائے ہوئے دین
اور ضابطہ حیات کی قولی و فعلی تبلیغ تو اسلامی قومی زندگی کی روح ہے جسے اکثر ائمہ مساجد صرف اپنے
مذہبی و مسلکی رسموں کی ادائیگی کے انہماک میں صدیوں سے ترک کئے ہوئے ہیں بلکہ اس اہم فریضہ
کی ادائیگی کا انہیں احساس ہی جاتا رہا ہے بقول علامہ اقبالؒ ؎

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

نبی کریمؐ کے اس صلوٰۃ و سلام میں جو حکم الٰہی کے بموجب صرف ذات اقدس کے ابدالآباد
تک قائم رہنے والے تبلیغ و اقامت دین کے عظیم کارنامے کی یاد تازہ کرنے اور مومنوں کو آپ کی
پیروی کرنے کے لئے ہے قرابتداران رسول اکرم و آل محمد کے شامل کئے جانے کا جواز کیسے ہو سکتا
ہے۔ یوں ہر مسلمان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے صلوٰۃ علی النبی

لے ایک صاحب جن کے نام کے ساتھ "راس المفسرین" تحریر ہے سَلِّمُوا تَسْلِيمًا کا ترجمہ کرتے
ہیں "سلام بھیجو سلام کہہ کے" حالانکہ اسی سورہ کی دوسری آیت جہاں لفظ تَسْلِيمًا آیا ہے کا ترجمہ اطاعت
گزاری کیا ہے۔

ملے ایک مترجم قرآن کے حاشیہ پر آیت صلوٰۃ و سلام کے بارے میں دیوبندی عالم فرماتے ہیں "اللہ
سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے ان پر ان کے
لائق رحمت اترتی ہے" مگر قرآن کی اس آیت میں اور کسی دوسری آیت میں پیغمبر صاحب کے گھرانے
پر صلوٰۃ و سلام کہنے کا اشارۃً بھی کوئی ذکر نہیں۔

میں جو معنی تعظیم و تکریم کے ہیں غیر نبی کا بقول مشمول خطابی نہیں ہو سکتا اور صلوٰۃ بمعنی دعائے رحمت و برکت تو ہر مسلمان کے لئے ہر وقت کی جا سکتی ہے مومنین صادقین پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے صلوٰۃ بمعنی رحمت و برکت فرمائی ہے۔ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ اور آنحضورؐ نے آل ابی اوفیٰ پر رحمت کی دعا کی اور فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ اَبِي اَوْفٰى۔ پھر ہر وقت نمازوں کے تشہدات (التحیات) میں تو سب ہی صالح بندوں پر سلام کیا جاتا ہے نمازگذار یہ سمجھتے ہوئے کہ دربار خداوندی میں حاضر ہے رکعات نماز ادا کرتا ہے رکوع اور سجدے سے اپنی عبودیت و اطاعت کا اظہار کرتا ہے اور دربار خداوندی سے رخصت ہونے سے قبل التحیات پڑھنے میں پہلے رب ذوالمنن کی نعمتوں کا معترف ہوتا ہے پھر فوراً رسولؐ پر اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ کے الفاظ میں درود بھیجتا ہے جو حکم صلوٰۃ و سلام کی صحیح صحیح تعمیل ہے چنانچہ نماز باجماعت و نماز جمعہ میں امتیوں کے صلوٰۃ و سلام کی تعداد تو ہزاروں سے تجاوز ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد پھر تحت صلوٰۃ و سلام کہنا نئی بات ہے درود بھیجنے کے بعد نمازگذار نبی کریمؐ کے امتی اور جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے سب نمازگذاروں اور صالح بندوں پر سلام کہتا ہے آخر میں جب کلمہ طیبہ پڑھ کر خدائے ذوالجلال کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کا زبان اور قلب سے اقرار کرتے ہوئے دربار خداوندی سے رخصت ہونے لگتا ہے جہاں کی حاضری میں علائق دنیوی سے چند لمحات کے لئے قطع تعلق کر لیا تھا تو داہنے بائیں طرف منہ پھیر کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اہل دنیا میں ہاشمی و غیر ہاشمی سب ہی شامل ہیں صحابہ کرام جو التحیات پڑھتے تھے جن کا ذکر سطور بالا میں تفصیلاً آیا ہے آل محمدؐ پر صلوٰۃ و سلام کا خواہ آپ کے کنبے والوں سے مراد ہو یا امت محمدیہ سے کوئی ذکر نہیں" عہد راشدین میں و عہد بنی امیہ میں مروجہ درود کا ثبوت نہیں ملتا۔

سورۂ الاحزاب کی اس آیت کریمہ صلوٰۃ و سلام کے دو ٹکڑے ہیں پہلا ٹکڑا اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (بلا شبہ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں) تو خبر ہے اور دوسرے ٹکڑے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (اے ایمان والو تم بھی نبی پر اس سکھلائے ہوئے قانون کو عمل تسلیم کرتے ہوئے صلوٰۃ و سلام کرو) میں مومنوں کو صرف نبی پر صلوٰۃ و سلام کا حکم ہے مروجہ درود اَللّٰهُمَّ صَلِّ

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ (اے اللہ تو محمد اور آل محمد پر صلوٰۃ کر اور ان پر برکت وسلامتی کر) صلوٰۃ وسلام نبی کے حکم خداوندی کی اس نحو کے نمونوں سے سوچئے کیا تعمیل ہوئی اس طرح تو خدا کا حکم اسی کی طرف لوٹا دیا گیا کہ اے اللہ تو ہی محمد و آل محمد پر درود بھیج۔ مگر نبی صلعم کے ساتھ آل محمد پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا ذکر تو اللہ کے حکم میں نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے علاوہ جو پہلے درج ہوئی فتح الباری شرح صحیح البخاری (باب التشہد فی الآخرہ صفحہ ۲۵۳ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی) میں بتایا گیا ہے کہ

اِنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِيُّ حَيٌّ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔

نبی صلعم جب حیات تھے تو صحابہ (التحیات) میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ پڑھتے تھے لیکن آپ کی جب وفات ہو گئی (تو ضمیر خطاب ترک کر کے) اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھنے لگے۔

رسول اللہ کے فدائی شاگردوں اور مشکوٰۃ نبوت سے بلاواسطہ نور اخذ کرنے والے صحابہ کا عقیدہ واضح تھا کہ بعد وفات آپ ہماری آواز و پکار نہیں سنتے۔ سننے والی ذات واحد تو صرف خدائے لایزال ہی کی ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (فرقان) اس زندہ پر بھروسہ کر جو کبھی نہیں مرے گا اس کے سوا کسی بشر کو موت سے مفر نہیں كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (عمران) بلکہ افضل البشر علیہ الصلوٰۃ کو بھی نہیں اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر) بے شک (اے نبی) تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ میرے بندے میرے متعلق تجھ سے پوچھتے ہیں تو میں یقیناً نزدیک

۱؎ سورہ ہود میں ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی بیوی محترمہ حضرت سارہ کو جو بہت بوڑھی ہو کر اولاد کی طرف سے مایوس ہو چکی تھیں بیٹا ہونے کی بشارت دی تو انہوں نے تعجب کیا تو آیت نازل ہوئی اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ مترجم قرآن کے حاشیہ پر مولانا نعمانی مرحوم لکھتے ہیں کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے (صفحہ ۲۹۱)۔ اقتباس کس نے کیا اور کب کیا اس کی صراحت نہیں کی۔ صحابہ کے وقت میں تو یہ درود نہیں پڑھا جاتا تھا جیسا تشہد کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز کے علاوہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہہ کر جتنی مرتبہ درود بھیجیں اور نام مبارک زبان سے ادا کریں اور کانوں سے سنیں آپ پر صلوٰۃ بھیجنا موجب سعادت ہے۔

ہوتا ہوں اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے) پکار تو اسے ہی جاتا ہے جو موجود ہو اور آواز سن سکے خدا ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اس کے سوا کوئی دوسرا ہر وقت ہر جگہ موجود نہیں وہ تو رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ - اور وہی تو ہے جو بندوں کے جی کے اندر والی باتوں کو جانتا ہے ؎

جان نہاں در جسم و او در جاں نہاں ۔۔۔ اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

اللہ کے سوا کون ہے جو اس مقام تک پہنچ سکے نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور مخلوق پھر ہم کیوں اللہ کے سوا غیر اللہ کو "یا" کہہ کر پکاریں اور اس طرح مبتلائے شرک ہوں، شرک تو وہ گناہ ہے جو کبھی معاف نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ۔

(النساء)

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور اس سے نیچے کے گناہ کو جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے شریک ٹھیرایا اللہ کا اس نے یقیناً عظیم گناہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر اللہ کی قسم کھانے کو بھی منع کیا ہے مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا) (ترمذی)

سیاسی اغراض و مقاصد سے جب آلِ محمدؐ کے معنی محدود کر کے قرابتداران نبی اکرم سے مراد لی گئی اور بمرورِ زمانہ "یا علی" "یا حسین" "یا غوث اعظم" کے نعرے لگنے شروع ہوئے، مغالاۃ فی البشر کی صدہا داستانیں اور حدیثیں وضع ہوئیں نسلی امتیاز اور نسبی برتری اور سیادت کے غیر اسلامی رجحان کو بھی فروغ ہوا۔

خاتمۂ سخن

اسلام جیسے دین عدل و مساوات، اخوت و انصاف کے پیروؤں میں نسلی تفاخر اور خاندانی برتری کا غیر اسلامی رجحان اور سید غیر سید، شریف و غیر شریف کا فرق و امتیاز کب سے اور کن واقعات و حالات میں شروع ہوا اس کا تفصیلی جائزہ گزشتہ ابواب میں لیا جا چکا ہے قارئین کو قرآن شریف و احادیث و کتب و تاریخ و انساب کی تصریحات

سے بخوبی واضح ہے کہ عربی زبان کے الفاظ سید و سادات، شریف و اشراف نہ کبھی اہل زبان نے نسل و نسب و قومیت کے اظہار میں استعمال کئے نہ آج کرتے ہیں اور نہ معنوی اعتبار سے نسب و قومیت کے اظہار میں یہ الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں شیعہ امیر الامراء ابن بویہ نے علی و محمد فرزندان ابو احمد موسوی کو جو اپنے وقت کے ممتاز ادیب و فاضل تھے اور نسباً جناب موسیٰؑ کے جنھیں امامیہ اپنا ساتواں امام کہتے ہیں ہر دونوں میں سے تھے شیعی مسلک کی خدمات اور نہج البلاغہ کی تصنیف کے صلے میں ان دونوں بھائیوں کو شریف المرتضیٰ و شریف الرضی کے خطابات دیئے تھے چنانچہ اس کے بعد سے لقب الشریف ان کے اہل خاندان اور دوسرے ہاشمی افراد کے لئے بالعموم مستعمل ہونے لگا تھا چنانچہ حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے چند صدیوں بعد جو لوگ حرمین شریفین (مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ) کے والی ہوئے لقب الشریف سے ملقب رہے ان میں کے آخری شخص شریف حسین تھے جنھوں نے ترکی خلافت سے غداری کی تھی ان لوگوں نے اپنے کو نہ سید کہا اور نہ کبھی سید کہلائے حالانکہ یہ سب صحیح النسب حسنی تھے۔ خود شریف المرتضیٰ و شریف الرضی یا ان کے اہل خاندان نے باوجود غالی شیعہ ہونے کے نہ اپنے کو کبھی سید کہا اور نہ اس لفظ سے نسب کا اظہار کیا بلکہ نہج البلاغہ کے مشمولہ بعض خطبوں میں لفظ سید کو آقا و مالک و سرداری کے معنی میں استعمال کیا ہے مثلاً خطبہ ملئے میں حضرت علیؓ کی زبانی یہ الفاظ درج کئے ہیں کَنُصْرَةِ الْعَبْدِ مِنْ سَيِّدِهٖ (جیسی غلام کی نصرت اس کے آقا کی جانب سے ہو) اسی طرح حضرت علیؓ کے والد ماجد ابو طالب نے جنھیں شعر گوئی میں اچھا ملکہ تھا اپنے کلام منظوم میں لفظ سید و سادات سرداری کے معنی میں استعمال کئے ہیں ان کے سگے بڑے بھائی زبیر بن عبد المطلب[1] اپنے زمانہ میں بنی ہاشم

---

[1] زبیر بن عبد المطلب اپنے والد کے وفات پر ان کے جانشین ہوئے تقریباً چودہ پندرہ برس بنی ہاشم کی خاندان کے سربراہ رہے آنحضرت صلعم کی بڑی محبت سے پرورش کی تھی نہ کہ ابو طالب نے جو محض غلط مشہور ہے۔ زبیر کی وفات کے وقت آنحضور کا سن شریف تقریباً اکیس بائیس برس کا تھا شفیق تایا کی وفات کے بعد متاہل زندگی شروع کرنے کے خیال سے اپنے دوسرے چچا ابو طالب کی بیٹی کو جو بعد میں ام ہانی کی کنیت سے مشہور ہوئیں نکاح کا پیغام دیا تھا ابو طالب نے ہاشمی مصلحت سے قبول نہ کیا اور مخزومی خاندان کے ہبیرہ سے جو شاعر اور شہسوار تھا بیٹی کی

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۵ پر)

سردار تھے اور قبیلہ قریش کی ممتاز شخصیت تھے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ :-

كان الزبير عبد المطلب شجاعاً ابياً	زبیر بن عبد المطلب بہادر و بے ڈر تھے۔
وجميلاً بهياً وكان خطيباً شاعراً	حسین و جمیل تھے شاعر و خطیب تھے۔
وسيداً جواداً (ج ص ۳۵۵)	سردار و سخی تھے۔

ایسے عالی منزلت بڑے بھائی کی وفات پر ابو طالب نے جو مرثیہ کہا تھا اس کی ابتدائی چند بیتیں سُنئے کہتے ہیں :-

اسبلت عبرة على الوجنات	قد مرتها عظيمة الحسرات
ٹپک آتے ہیں آنسو رخساروں پر	کھینچ لائے ہیں بڑی بڑی حسرتیں
لأخ سيد نجيب بقوم	سيد في الذرى من السادات
اس بھائی کے مرنے پر جو سردار شریف تھا عالی منزلت تھا	جو اونچے خاندان کے سرداروں کا سردار تھا۔
سيدوا بين سادة اجزوا المجد	قديماً وشيدوا المكرمات
سردار در سرداروں کی اولاد جنہوں نے ہمیشہ سے پایا تھا قدیم بزرگی	اور مکرمات کی بنیادیں مضبوط کر دی تھیں

ابو طالب نے ان تین بیتوں میں پانچ جگہ سید و سادت سردار و سرداری کے معنوں میں استعمال کئے ہیں اور اپنے جن بزرگوں کی سرداری کا ذکر کیا ہے وہ بلا شبہ اپنے معاصرین میں با عزت و ذی وجاہت تھے تولیت کعبہ کی وجہ سے صاحب اقتدار و رسوخ بھی تھے لیکن دوسرے خاندانوں کے سردار جو ہاشمیوں ہی کے ہمیشہ بغض حسد

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۴ کا) تیاری کر دی۔ آپ نے جناب سے اس کی شکایت بھی کی تھی (الاصابہ و طبقات ابن سعد و کتاب المحبر و طبری وغیرہ) یہ شخص عہد نبوت میں اسلام کا شدید دشمن ہو گیا ہر غزوہ میں مقابل آیا فتح مکہ کے وقت جان بچانے کو وطن چھوڑ نجران بھاگ گیا وہیں ہلاک ہوا ہجویہ اشعار بھی کہا کرتا تھا جس کا جواب حضرت حسان بن ثابت انصاری دیتے تھے جو ان کے دیوان میں صراحت سے درج ہیں کہ یہ ہجو کے جواب میں کہے گئے تھے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب اہل بیت و آل محمد)

میں ان سے بھی فائق تھے عبدالمطلب ہی کے حقیقی چچیرے بھائی امیہ اور ان کے بیٹے پوتے حرب بن امیہ و ابوسفیان بن حرب اپنے خاندان کے علاوہ کل قبائل کے قریش کے سردار سید السادات تھے اور جیسا ابتدائی صفحات میں بیان ہوا باعتبار نسل و نسب یہ سب قریشی خاندان یکساں حیثیت رکھتے تھے مصاہرت و مناکحت کے بیشتر رشتے قریشی خاندانوں میں آپس ہی میں ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریشی خاندانوں سے رشتہ داری کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ آپؐ واسطۃ النسب تھے یعنی آپ کی دادی پردادی اور نانی پرنانی چہار خواتین کی مائیں اور دادی اور نانی پرنانی جن کے نام و نسب بعض نسابین درج کئے ہیں ان ہی سب قبیلوں سے تھیں غرضیکہ نسل و نسب کے اعتبار سے بنی ہاشم بنی امیہ اور دوسرے قریشی قبیلے کوئی فرق و امتیاز باہمی نہیں رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے بنی ہاشم ہی کو نہیں سب قریشی خاندانوں کل عرب بلکہ کل نوع بشر کو عز و شرف حاصل ہوا بقول کسے

وکم اب قد علا بابن ذری شرف	کما علا برسول اللہ عدنان
بہت سے باپ تو بیٹے کی وجہ سے عزت و بزرگی کے اونچے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں	جس طرح رسول اللہ کی وجہ سے عدنان مرتبہ علیہ کو پہنچے۔

یہ عدنان بن اُدد جن کا ذکر مندرجہ بالا شعر میں ہے حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تھے۔

عدنان سے آٹھویں پشت میں کنانہ اور کنانہ کی چوتھی پشت میں فہر ملقب بہ قریش ہوئے۔

قریش سے دسویں پشت میں آنحضرت صلعم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب تھے۔ بنی ہاشم کے نسلی امتیاز کے بارے میں رسول خدا سے جو یہ قول منسوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل میں سے کنانہ کو کنانہ میں سے قریش کو قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا تو صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی ہاشم پیدا کیا جیسا حضرت موسیٰ کو بنی لاوی میں پیدا کیا اور بنی لاوی کو بنی اسحٰق میں پیدا کیا یعنی ہر نبی کا اسی خاندان میں پیدا ہونا پسند کیا جس میں وہ پیدا ہوا اس کے سوا کچھ نہیں ابن حزم کہتے ہیں جو کوئی اس قول کو دوسرے معنی پر محمول کرے وہ بتلائے کہ بنی ہاشم میں بھی جب کافر اور مشرک اشخاص تھے جو دوزخی ہوں گے تو ان میں اور دوسرے قریشی غیر قریشی خاندانوں میں پھر کیا فرق و امتیاز باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول تو سب سے

واضح ہے کہ اے انسانوں۔ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف شاخوں اور قبیلوں میں کر دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تمھاری قرابتیں اور تمھاری اولاد قیامت کے دن ہرگز تمھیں کوئی نفع نہ دیں گی نیز فرمایا اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اولاد کے کام آسکے گا نہ کوئی بیٹا باپ کے گویا مدار فضیلت کا شرف نسب نہیں حسن عمل و کردار ہے ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ قریشی خاندانوں میں بنی اُمیّہ، رسول خدا کے کنبہ دار آپ کے دادا کے حقیقی چچیرے بھائی امیّہ بن عبد شمس کی اولاد سے تھے صدر اوّل میں ملّت اسلامیہ کی تعمیری خدمات ہاشمیوں کی بہ نسبت امویوں نے بدرجہا زیادہ انجام دیں۔ رسوّل خدا کے عمال میں غالب اکثریت ان ہی امویوں کی تھی حضرت ابوسفیانؓ کو نجران جیسے اہم سرحدی صوبہ کا عامل مقرر فرمایا تھا خلافت راشدہ میں حضرت ابوسفیانؓ کے دونوں فرزندوں حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ نے فتوحات و انتظامات ملک شام میں جو خدمات جلیلہ انجام دیں صفحات دہر پر منقوش ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے پیشرو حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام میں اسلامی بیڑا اندوھناک خانہ جنگیوں اور خوفناک خون ریزیوں کے بھنور میں جا پھنسا تھا قریب تھا کہ قبائلی دشمنیوں کے تھپیڑوں سے پاش پاش ہو جائے حضرت معاویہؓ نے بے نظیر تدبر، علم و کرم، جود و سخا اور غیر معمولی فراست و انتظامی قابلیت سے سلامتی کے کنارے لگا دیا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کا یہ قول مشہور ہے کہ رسول خدا صلعم کے بعد صفت سیادت (سرداری) میں حضرت معاویہؓ کے مساوی کوئی نہ تھا کان ابوبکر و عمر و عثمان خیر منہ وھو اسود (البدایہ ج) یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (دیگر فضائل میں) معاویہؓ سے برتر تھے مگر سرداری میں معاویہؓ بڑھ کر تھے ان کے باپ دادا سب ہی اپنے وقت میں سادات قوم و قبیلہ رہے اور وہ خود بھی چالیس سال متواتر مسند سیادت و قیادت (سرداری و سربراہی) پر متمکن رہے بیس برس گورنر ملک شام اور بیس برس خلیفہ و امیر المومنین مگر نسبی تعلی و تفاخر بالآباء کا اظہار کبھی نہ کیا حالانکہ نسباً رسول خدا صلعم کے کنبے کے اور آپ کے ہی کے دادا عبد المطلب کے حقیقی چچیرے بھائی اُمیّہ کے پڑپوتے تھے۔ طرز معاشرت سادہ بے تکلف تھا انھوں نے یا ان کے اہل خاندان واموی خلفاء

نے رہنے کو نہ قصر و محلات ہوائے اور نہ مال و دولت، کہا گیا ولا اکنزوا الصیان الاموال ولا بنۃ القصور (جوامع السیر ابن حزم ص۳۵۳) دوسروں کو خصوصاً کابر بنی ہاشم ابن عباسؓ وابن جعفر و حسنؓ و حسینؓ کو بے تحاشا روپیہ دیتے ابن کثیر و دیگر مؤرخین نے وظائف و عطایا کی ان کثیر المقدار رقوم کا ذکر کیا ہے جو حضرت حسنؓ کو دی گئیں جن کی میزان بیس کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے (مزید تفصیل کتاب اہل بیت وآل محمدؐ میں ملاحظہ ہو) اموی خلفاء میں سے کسی کا بھی کوئی لقب نہ تھا اپنے سادہ ناموں سے آج تک مشہور رہیں۔ سرکاری کاغذات فرامین و مکاتیب میں کوئی تعظیمی لفظ امیرالمومنین کے سوا کبھی نہ لکھا جاتا اور نہ اس طرح سے تخاطب کی اجازت دی جاتی ولا استعملوا مع المسلمین ان یخاطبوھم بالتمویل ولا التسوید (ایضاً) عجمیوں کی طرح ان عرب سادات و خلفاء المسلمین نے جو اسلامی اخوت و مساوات کے متبع تھے نہ کبھی تعظیماً کسی سے زمین بوسی کرائی نہ اپنے ہاتھ پیر چھوائے۔ القاب اختیار کرنے کی بدعت تو عباسی خلفاء نے شروع کی ان کی تقلید میں دو صدی بعد اماںیہ نے اپنے ائمہ کے القاب تجویز کئے پھر تو یہ دستور چل پڑا۔ عبیدیوں نے خلفائے اندلس حتیٰ کہ قرامطہ جیسے مدعیان فاطمیت نے بھی شاندار القاب اختیار کئے۔ اموی خلفا کا سرکاری شعار (نشان) سفید رنگ تھا اور یہ رنگ رسول خدا صلعم کے ایک سفید علم کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دو علم (جھنڈے) تھے۔ ظل اور سحاب آخر الذکر سفید تھا اور ظل سیاہ۔ اموی خلفاء نے سفید رنگ بطور شعار اختیار کیا تھی عباسیوں نے ظل کے سیاہ رنگ کو اپنا شعار بنایا[۱]۔ رسول خدا صلعم

---

[۱] علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ولا شک ان بنی العباس کان اسود من شعارھم لعل وا ذلک من دخول رسول اللہ صلعم مکۃ یوم الفتح وعلی رأسہ عمامۃ اسواد فاخذوا منہ ذلک وجعلوا شعارھم (البدایہ ۷ ص۳۵) یعنی بلاشبہ بنی عباس کا شعار (سرکاری نشان) سیاہ تھا جو اس بنا پر اختیار کیا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلعم سیاہ عمامہ زیب سر کئے مکہ میں داخل ہوئے تھے چنانچہ عباسیوں نے اسی سے اپنا نشان سیاہ رکھا تھی خلیفہ مامون رشید نے ولیعہد علی الرضا کے لئے سبز رنگ تجویز کیا تھا جو سیدوں کے معبود بنایا کے پھر یہی کا رنگ تھا زرد جو اسمٰعیلی ہرنگی خاندان کے مورث اسی معبد کے پجاری تھے۔ قرامطہ و عبیدی فاطمیوں اور شیعوں کے لباس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔

اکثر سفید اور سیاہ لباس زیب تن فرماتے تھے کبھی سرخ و سیاہ تاگوں کا بنا کپڑا بھی استعمال فرما لیتے سبز رنگ کبھی استعمال نہیں کیا عمامہ بھی بیشتر سیاہ پہنتے فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ فرق مبارک پر تھا۔ حضرت عباسؓ ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا عمامہ بھی اکثر سیاہ ہوتا تھا سرداران قبائل کو حکومت نبویہ کی جانب سے سیاہ رنگ جھنڈا عطا ہوتا تھا چنانچہ حضرت سعد بن مالک ابو فلکنو دا زدیؓ کو ایسا ہی جھنڈا عطا ہوا تھا جس میں سفید ہلال بنا ہوا تھا (الاصابہ ج) صحیح النسب علویوں کی جو حکومتیں بعض اقطاع میں قائم ہوئیں کسی نے بھی سبز رنگ اختیار نہیں کیا خلیفہ مامون الرشید سے بعد سے مجوسیوں نے ولیعہد علی الرضا کے لئے سبز رنگ مقرر کیا تھا۔ عجمی شیعوں نے سبز رنگ کا رواج دیا جو متصوفہ میں بھی رواج پا گیا اور بمرور زمانہ نسبی سیادت و نسلی امتیاز کی عجمی اثرات سے یہ بھی ایک علامت قرار پائی ورنہ شیعوں یا علویوں کے لباس کا نہ کوئی مخصوص رنگ تھا اور نہ ولیعہدی جناب علی الرضا سے قبل سبز رنگ کا ان کے لباس میں شمول تھا ولم تکن الخضرة قبل المامون من لباس العلویین والمتشیعین بل کانت شعار عبدة النار (الاسلام الصحیح) نیز مورخ المسعودی کا بھی قول ہے کہ سبز رنگ تو آتش پرستوں کی نشانی تھا۔ ولیعہدی کی مدت تو چند سال رہی مگر بقول ابن حجر الہیتمی کچھ عرصہ بعد تک علویوں کے عماموں پر سبز گوٹ باندھنے کا رواج رہا پھر رواج متروک ہو گیا لیکن ۷۷۳ھ میں ممالیک خاندان کے سلطان الاشرف شعبان کے حکم سے پھر رواج ہوا ابن جابر شاعر کہتا ہے کہ "ابناء رسولؐ کی یہ خاص علامت ہے کہ ان کے چہروں کی چمک دمک "نور نبوت" سے ہوتی ہے اور سبز لباس تو "الشریف" کی نشانی ہے (طرفۃ الاصحاب)

نور النبوة فی وسیم وجوههم یغنی الشریف عن الطراز الاخضر

اب دیکھئے سبز رنگ کے مقابلہ میں عباسیوں کے سرکاری سیاہ رنگ کو جو اس بنا پر جیسا ابھی ذکر ہوا بطور شعار اختیار کیا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ زیب سر کئے شہر میں داخل ہوئے تھے نیز اس علم نبویہ یعنی ظلؐ کا رنگ جو غازیان اسلام فتح مکہ میں اٹھائے ہوئے تھے سیاہ تھا اور حضرت عباسؓ و ابن عباسؓ و حضرت علیؓ بھی اکثر سیاہ عمامہ پہنتے تھے مگر شیعہ راویوں نے اپنے ایک امام کی زبانی سیاہ رنگ کے استعمال کو معاذ اللہ کس درجہ قبیح بتلایا ہے، ذرا ملاحظہ کریں۔

"جناب صادق سے کسی نے پوچھا سیاہ کلاہ پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا سیاہ کلاہ پہن کر نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ لباس اہل النار ہے کیونکہ یہ تو دوزخیوں کا لباس ہے نیز امیر المومنین (رضی) نے اپنے اصحاب سے کہہ دیا تھا لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون۔ سیاہ لباس مت پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس تھا۔

کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ص۸

وہ جھنڈے و پھریرے ہوں یا درباری و سرکاری لباس کے رنگ و تراش یہ سب تو لوازمات حکومت ہوتے ہیں غیر حکمران خاندان کا مخصوص رنگ خاندانی و نسلی تفاخر ہی کی خاطر ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اولاد حسین رضی کی نسبی برتری اور ایرانی دعوی اتحاد کی خاطر آخری شہنشاہ ایران یزدگرد کے شہربانو نام ایک بیٹی قرار دے کر اسے حضرت حسین رضی کی زوجہ اور ان کے فرزند جناب علی بن الحسین زین العابدین رضی کی والدہ ماجدہ بتانے کے لئے ایک حکایت وضع کی جس کی پوری تکذیب تاریخ و انساب کے حوالہ جات کے "تحقیق مزید" میں کی گئی ہے اور خود شیعہ مورخ و نساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے صاف کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب علی بن حسین رضی کو جو فرزند نواسہ رسول خدا ہونے کا امتیاز رکھتے تھے "یزدجرد شہریار مجوسی" جیسے شخص کی اولاد دختری میں شامل ہونے کی برائی سے محفوظ رکھا جو ایک کافی عورت کے بطن سے تھا۔ بہرحال سبائی راویوں نے اولاد حسین رضی کے مادری نسب کو ساسانی قرار دے کر سیاسی مقاصد سے خلافت و حکومت کا انہیں جائز وارث اور حقدار ٹھہرایا چنانچہ مولف تجلیات روح ایران فرماتے ہیں "بدیں سبب تنہا ایں خاندان ہی تو انست بطور شرعی صاحب تخت و تاج کیانی بشود" "تخت و تاج کیانی" تو کیا اسلامی حکومت اور خلافت کے لئے اولاد حسین رضی میں سے چوتھی صدی ہجری تک کوئی ۴۰ خروج جو ایرانیوں کی مدد سے مختلف اوقات میں ہوئے چند تو اموی خلفاء کے مقابلے میں تھے باقی سب اپنے ہی ہاشمی گھرانے کے خلفائے بنو العباس کے خلاف ہوئے جو اکثر ناکام رہے سازشیوں کا سارا الزام مفروضہ غاصبین پر عائد کیا گیا حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہے جسے چاہے ملک و حکومت و تمکین فی الارض عطا فرمائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک رافضی مولف کے ایسے ہی استحقاق اولاد علی رضی کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:۔

در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچ گاہ حضرت مرتضیٰ واولاد او تا روز قیامت منصور نہ شوند وہیچ گاہ خلافت ایشان علی وجہہا صورت نگیرد بلکہ از میان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند وسر بقتال بر آرد مخذول بلکہ مقتول گردد۔

(ازالۃ الخفاء ج ۱ صـ۲۸)

یہ امر تو مشیت الٰہی میں مقرر تھا کہ حضرت مرتضیٰ اور ان کی اولاد قیامت کے وقت تک کسی طرح بھی کامیاب نہ ہوسکے اور کسی طرح سے بھی ان کی خلافت کی شکل جیسی کہ چاہیئے نہ بن سکے۔ بلکہ جو کوئی ان میں سے اپنے لئے دعوت اس کی (خلافت کی) دے اور آمادہ جدال وقتال ہو ناکام رہے بلکہ مقتول ہو۔

حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کی نافرمانی اور اپنی بے بسی کا اپنی تقریروں میں بار بار جو اظہار کیا ہے وہ آپ پڑھ چکے ہیں ان کی ذات میں بقول پروفیسر نکلسن ایک حکمراں ہونے کے علاوہ بہت سی عمدہ صفات موجود تھیں مگر اپنے زمانہ کی اندرونی خانہ جنگیوں اور خونریزیوں کے نہ روک سکنے کی وجہ سے ان کی پوزیشن ایسا خراب ہو گیا کہ تقریباً ایک صدی تک خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا ذکر خطبات میں کیا جاتا تھا ان کا نام نہیں لیا جاتا تھا پھر ان کے ساتھ ان کے خاندان بنی ہاشم کو بھی حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں غلط طور سے مطعون و متہم کیا جانے لگا تھا ایک اموی شاعر ولید بن عقبہ نے کہا تھا ؎

بنی ھاشم اِنّا وما کان بیننا — کَصَدعِ الصفا یُرابُ الدھر شاعبہ

اے بنی ہاشم! ہم لوگ اور وہ جھگڑے جو ہم لوگوں کے درمیان ہیں۔ — چٹان کی دراڑ کی طرح ہیں جن کو جوڑنے والا جوڑ نہیں سکتا۔

بنی ھاشم کیف التعدّد عندنا — وعند ابن اروی سیفہ وحوائبہ

اے بنی ہاشم! یہ عہد و معذرت ہمارے ساتھ کیسی؟ — جبکہ ابن اروی (عثمانؓ) کے جسم سے اتارے ہوئے کپڑے اور سامان تمہارے پاس ہیں۔

بنی ھاشم ردّوا سلاح ابن اختکم — ولا تنہبوہ لا تحل مناہبہ

اے بنی ہاشم! اپنے بھانجے (عثمانؓ) کے اسلحہ واپس دو — اور ان کے اسباب نہ لوٹو یہ لوٹ حلال نہیں

فَلَا تَرُدُّوهُ اِلَيْنَا فَاِنَّهُ سَوَاءٌ عَلَيْنَا قَاتِلُهُ وَسَالِبُهُ

اگر تم ان کے اسلحہ وغیرہ کو ہمارے پاس واپس نہیں کرتے تو پھر ہمارے نزدیک ان کے قاتل اور ان کے مال کو ہتھیانے والے دونوں برابر ہیں۔

مگر بنی ہاشم کا نہ قتل کی سازش سے تعلق تھا اور نہ لوٹ اور مال ہتھیانے سے، بدگمانی خانہ جنگیوں کے ان حالات نے پیدا کی جن میں حضرت علیؓ قصاص خون عثمانؓ نہ لے سکے تھے جس کی وجہ سے ان کا پوزیشن خراب ہوتا گیا تھا ان ہی کے ایک فرد خاندان امیر المومنین ابو جعفر المنصورؒ ہی نے جنھوں نے حضرت موصوف کا نام خطبوں میں شامل کرنے اور ان کے فضائل بیان کرنے کی ابتدا کی تھی اپنی ایک تقریر میں بتایا تھا کہ سیاست وقتی پر قابو نہ پا سکنے کی وجہ سے ان کے وقار کو صدمہ پہنچا بالآخر حَکَمین نے متفقہ فیصلہ صادر کر کے منصب خلافت سے معزول کر دیا اور امت اسلامیہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا (طبری) شاہ ولی اللہؒ نے ان کے مناقب کی بہتات کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ایام میں چونکہ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور معاصروں کے دل ان کی جانب سے برگشتہ ہو گئے تھے بقیہ صحابہ نے اس فتنے کے دفعیہ کی غرض سے اپنے ترکش کا ہر تیر بھینکا یعنی تشنیع نہ سراٹھایا اور حدیثیں وضع کیں (ج ۲ ص ۲۴۰) شاہ صاحب نے موضوع احادیث سے اظہار بیزاری کے باوجود بعض صد درجہ مہمل حدیثیں بھی مناقب کی درج کر دی ہیں مثلاً آفتاب غروب ہو جانے سے نماز عصر ان کی قضا ہو گئی تھی مگر آفتاب عالمتاب غروب ہو جانے کے بعد پھر لوٹ آیا دھوپ سارے میں پھیل گئی انھوں نے اپنی نماز عصر پڑھ لی بیسیوں ایسی ہی واہی حکایتیں گھڑی گئیں پھر ان کے فرزند حضرت حسینؓ کے قائم حکومت کے خلاف خروج کی اندوھناک ناکامی کے بعد سے ان کی مظلومیت کی مبالغہ آمیز داستانیں وضع کرنے کے ساتھ خلیفہ وقت اور برسر اقتدار خاندان کو مطعون کرنے کی غرض سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے ہاشمیوں اور امویوں کے حسب و نسب میں باوجود حقیقی بھائیوں کی اولاد میں فرق واقتیاز پیدا کرنے کی ذلیل کوشش کی گئی نہج البلاغہ کے مصنف نے تو یہ الفاظ بھی حضرت علیؓ سے منسوب کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے دادا عبد المطلب کے حقیقی چچا کے بیٹے بیٹے کے پوتے حضرت معاویہؓ کو ایک مکتوب میں لکھے تھے کہ تم لوگوں کو تو ہم نے مناکحت کے رشتوں سے اپنے میں ملا لیا تھا ورنہ تم ہمارے ہم کفو نہیں ہو ان خلطنا کم بانفسنا فنکحنا و انکحنا

لاکفاء ولستم منا۔ سوال ہے کہ حضرت علیؓ اپنے ہم عہد و ہم نسب پر ایسا طعن کر سکتے ہم مفتوح ہونے کے علاوہ دنیاوی شرف و سیادت میں اموی گھرانا اپنے بنو اعمام ہاشمی گھرانے سے سیر تھا باوجود سیاسی اختلاف کے صلہ رحمی کا جو سلوک اپنے عہد حکومت میں امویوں نے اپنے ہاشمی عزیزوں سے کیا اس کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے۔ امیر المومنین ہشام بن عبدالملکؒ کی خلافت کا آغاز ۱۰۵ھ سے ہوا اس زمانہ میں ہاشمی خاندان کے سربراہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور فرزند جناب علی السجادؒ تھے انھوں نے ہی چند سال پیشتر یعنی ۱۰۰ھ سے عباسی خلافت کی تحریک چلائی تھی اس کے کچھ عرصہ بعد جب وہ امیر المومنین موصوف کے پاس گئے ان کے یہ دونوں بیٹے جو بعد میں خلیفہ عبداللہ السفاحؒ و ابو جعفر المنصورؒ کہلائے ساتھ تھے حسب روایت علامہ ابن کثیرؒ امیر المومنین نے ان کا اکرام کیا اور تھیلوں کو روپیہ کا عطیہ مرحمت کیا اثنائے گفتگو میں جناب علی السجاد عباسیؒ نے اموی خلیفہ سے برملا کہہ دیا کہ میرے یہ دونوں بیٹے خلافت پر فائز ہوں گے۔ انہما سیلیان الامر (البدایہ) امیر المومنین کو یہ بات سنکر ہنسی بھی تو ہوا اگر عزیزانہ برتاؤ میں کمی نہ کی۔ انقلاب حکومت کے نصف صدی بعد امیر المومنین ہارون الرشیدؒ کے عہد خلافت میں جب تقسیم وظائف خاندانی امور کی نگرانی کی غرض سے نقابت بنی ہاشم کا ادارہ قایم ہوا جس کا تفصیلی ذکر پچھلے ابواب میں آیا ہے ایک اموی نے خلیفہ کو یاد دلایا تھا کہ ہاشم اور عبد شمس ایک ماں باپ کے بیٹے برابر کی اولاد تھے صلہ رحمی کا پاس و لحاظ رہے کہ عبد شمس تو عبدالمطلب کے چچا ہی تھے کہا تھا۔

یا امین اللہ انی قائل — قول ذی فہم و علم و ادب

عبد شمس کان یتلو ہاشما — وہما بعد لام و لاب

فاحفظ الارحام فینا انما — عبد شمس عم عبد المطلب

ضمناً اس کا بھی ذکر آیا ہے کہ عباسی عہد میں اموی اشخاص عہدہ قضا وغیرہ جیسے اہم مناصب پر برابر فائز رہے۔ سبائی راویوں نے اپنے مقاصد سے تاریخی واقعات کو حسد در جہ مسخ کر کے پیش کیا ہے حضرت مروانؓ کے متہم کرنے میں تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دیکھئے ان کی [illegible] مروانؓ کو حضرت حسینؓ سے ایسی محبت تھی کہ جب ان کے فرزند جناب علی بن الحسینؒ کے بیاہتا بیوی سے دو تین بچوں کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی حضرت مروانؓ نے ان کو کنیزیں

رکھنے کیلئے ایک لاکھ کی رقم دی تاکہ او سودہ بود ورنسل حسینی کی افزائش فاقرضہ مائۃ الف فاشتری لہ السراری فولدت لہ وکثر نسلہ (البدایہ ج۹ صـ۱۰۲) حضرت مروان کی دی ہوئی رقم سے جو لبعد میں وصول نہیں کی کنیزیں حاصل کیں جن کے بطن سے سات آٹھ بیٹے پانچ بیٹیاں ہوئیں ان سے نسل حسینی چلی۔ پھر مروانی گھرانے سے علوی حسینی گھرانے کی متعدد قرابتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت علیؓ کی ایک دختر تو خود امیر المومنین عبدالملک بن حضرت مروانؓ کے عقد میں تھیں (ایضاً صـ۱۰۲) دوسری صاحبزادی رملہ ان کے بھائی معاویہ بن حضرت مروانؓ کے نکاح میں آئیں (کتاب نسب قریش صـ۴۵) حضرت علیؓ کے پوتے زید بن حسنؓ کی دختر نفیسہ امیر المومنین الولید بن عبدالملک کو بیاہی گئیں (عمدۃ الطالب صـ۲۳) حضرت حسنؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ بھی امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں (کتاب نسب قریش صـ۵۲) حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سکینہ بنت حسینؓ کی بیٹی ربیحہ جو ان کے ایک شوہر عبداللہ بن عثمانؓ کے صلب سے تھیں امیر المومنین الولید بن عبدالملک کے فرزند عباس کی زوجہ تھیں (ایضاً صـ۵۹) حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ کی ایک پوتی فاطمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ بھی مروانی گھرانے میں ابوبکر بن عبدالملک بن حضرت مروان کو بیاہی گئیں (ایضاً صـ۳۸) حضرت حسنؓ کی ایک پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے بھتیجے کے فرزند اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب) اور ایک اور پوتی جناب حسنؓ کی خدیجہ بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے انہی اسماعیل اموی کے عقد میں تھیں ان سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے ہوئے (ایضاً) پھر حضرت حسنؓ کی ایک اور پوتی بھی معاویہ بن حضرت مروانؓ کے عقد میں آئیں جن سے حضرت حسنؓ کے مروانی نواسہ ولید بن معاویہ تھے (جمہرۃ الانساب صـ۸۴ و صـ۱۰۸) غرضیکہ علوی حسنی و حسینی گھرانوں کے مناکحت و مصاہرت کے رشتے مروانی گھرانے سے برابر ہوتے رہے جو قطعی ثبوت ہیں ان گھرانوں کے باہمی محبت و مروت کا نہ کہ دشمنی و عناد کا جو کذاب وضعی روایتوں میں بیان کرتے علویوں کی نسبی برتری و سیادت کو جھوٹی حدیثوں سے خوب اچھالتے اور انہی کے ہم کفو و ہمسر اموی سادات کو نسباً کمتر بتاتے اور اموی خلفاء کی منقصت و تضحیک میں بے بنیاد حکایتیں اور قصے تراشتے رہے ہیں یہاں مثالاً ایک شرمناک اور قطعی جھوٹے قصے کا ذکر کرنا ضروری ہوا۔

جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) جیسا آپ بھی جانتے ہوں گے ۹۳ھ میں وفات
پا گئے تھے ان کی وفات سے تیرہ برس بعد اور خلیفہ ہونے کے دوسرے سال یعنی ۱۰۶ھ میں
امیر المومنین ہشام بن عبد الملکؒ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے حجاز آئے اس سے پہلے اپنے والد
یا اپنے کسی بھائی کے عہد خلافت میں انھوں نے کوئی حج نہیں کیا تھا یہی پہلا اور آخری حج کیا اور
امیر حج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرایا وحج بالناس فی هذه السنة امیر المومنین
هشام بن عبد الملك (البدایہ ج ۹ ص ۲۳۳) اب دیکھیے اس اموی خلیفہ کے امیر حج
ہونے کی تضحیک و تحقیر اور جناب علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی رفعت مکانی و نسبی علوئے
مرتبت کے اظہار میں یہ شرمناک اور قطعی بے بنیاد قصہ اختراع کیا گیا کہ یہ امیر المومنین جو
امیر حج تھے لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے تو کرسی بچھا کر بیٹھ گئے
اہل شام ان کے گرد کھڑے ہو گئے وقام اهل الشام حوله اتنے میں جناب علیؓ
زین العابدین آئے لوگوں کی بھیڑ انھیں دیکھتے ہی کائی کی طرح پھٹ گئی حجر اسود کو انھوں نے
بآسانی بوسہ دے لیا امیر المومنین و اہل شام دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے کسی شامی نے پوچھا
کہ یہ کون صاحب ہیں فرزدق شاعر نے جسے وہاں موجود بتایا ہے سوال کے جواب میں
اٹھائیس شعر کا قصیدہ جناب علی زین العابدینؒ کی شان میں ارتجالاً کہہ دیا جس کے پہلے
شعر میں کہا تھا کہ یہی تو ہیں کہ سرزمین بطحا ان کے قدم پہچانتی ہے کعبہ انھیں جانتا ہے اور
حرم کے حصے بھی" دیکھا آپ نے جن بزرگ کی آمد سے لوگوں کا ہجوم کائی کی طرح پھٹ جائے
اور فرزدق شاعر مدحیہ قصیدہ فی البدیہہ کہہ ڈالے وہ بزرگ تو اس دنیا میں اس وقت
موجود بھی نہ تھے۔ اس سے تیرہ برس پہلے ہی وفات پا گئے تھے یہ قصیدہ نہ فرزدق نے کبھی کہا
نہ اس کے اصل دیوان میں شامل ہے ایک ایڈیشن میں بہ منسوب الی الفرزدق لکھ کر الحاقاً شامل
کر دیا ہے وہ تو اپنے زمانے میں شاعر بنی امیہ مشہور تھا کسی ہاشمی کی مدح میں ایک شعر بھی اس
کے دیوان میں نہیں ہے۔ پھر فرزدق سے اس منسوبہ قصیدہ میں اضافے بھی بہت کچھ کئے گئے
ہیں اور دیوان حماسہ میں اس کے ابتدائی اشعار کو حزین لیثی شاعر کا کلام بتایا ہے آمدی
نے اپنی کتاب مختلف و مؤتلف میں حزین کنانی کا کلام کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے
عبداللہ بن عبد الملک اموی کی مدح میں یہ اشعار کہے تھے جو مصر کے گورنر تھے مرزبانی دمشقی
جیسے نقاد نے ابتدائی چاروں شعر کو کلام عرب کے قدیم نقاد دعبل بن علی مؤلف

طبقات الشعرا کے حوالے سے کثیر بن کثیر سہمی کا کلام بتایا ہے غرضیکہ ماہرین فن میں سے کسی نے بھی فرزدق کا کلام نہیں بتایا۔ امام ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں حضرت قثمؓ بن عباس بن عبدالمطلبؓ کے تذکرہ کے تحت چھ شعر اسی بحر میں قصیدے کے نقل کئے ہیں اور کہا ہے کہ داؤد بن مسلم شاعر نے ان کی مدح میں کہے تھے۔ یہ قصیدہ حضرت قثمؓ کے ایک ہمنام بھتیجے کے فرزند کی مدح میں ہے جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس جھوٹے قصے کے گھڑنے والے نے اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ مناسک حج سب امیر حج ہی کی قیادت میں ادا کئے جاتے ہیں وہ عہد فوجی نظم کے ساتھ شکوہ دین کا عہد تھا بدنظمی و ہڑبونگ کا زمانہ نہیں تھا کیسے ممکن تھا کہ امیر المومنین پر جو امیر حج بھی تھے کوئی سبقت کر سکتا۔ مناسک حج میں حجر کا چومنا ضروری نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ناقہ پر سوار ہو کر طواف کیا تھا اور چھڑی سے اشارہ کر دیا کرتے تھے کہ لوگ دیکھ لیں۔ فرزدق ہی کے دیوان میں صراحتاً بیان ہے کہ امیر المومنین ہشامؒ کی معیت میں فرزدق مکہ گیا حج کیا اور مدینہ کی ریتی میں ایک بات پر خوش ہو کر پانسو درہم اسے انعام دیئے تھے۔

لما حج هشام بن عبد الملك صحبه الفرزدق من المدينة حتى حج ودخل الى المدينة فعمر له بخمسمائة درهم۔ اس پر فرزدق نے مدحیہ اشعار کہے اس کے دیوان میں اموی اکابر کی مدح میں آٹھ دس قصیدے اور حضرت مروانؓ کے صاحبزادے بشر اور دوسرے امویوں کے مرثیے بھی ہیں کسی ہاشمی کی تعریف میں کوئی قصیدہ ہے نہ کسی ہاشمی کا کوئی مرثیہ جس کی نسبت یہ قصہ گھڑا گیا ہے نہ اموی عہد کے شعرا کا کچھ حال معلوم تھا نہ اموی خلفا کے نظم خلافت کا علم تھا نہ حضرت حسینؓ کی بیٹی و خواتین کے اموی خلفا اور ان کے بھائیوں بھتیجوں کی زوجیت میں آنے کی کچھ خبر تھی۔ اور نہ آئین و آداب حکومت کی معلومات تھیں مثل مشہور ہے عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے قصہ گو کا ذرا یہ ایک اور جھوٹ بھی جو سراپا جھوٹ ہے ملاحظہ ہو کس ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ فرزدق کے منہ سے فرزند حسینؓ کی مدح میں قصیدہ سنتے ہی امیر المومنین ہشام ایسے آگ بگولہ ہو گئے کہ قید خانہ میں ڈلوا دیا اور قید خانہ تجویز کیا تو عسفان مقام کا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پھر کہتا ہے کہ سزائے قید کا حال سن کر جناب علی زین العابدینؒ نے بارہ ہزار روپیہ بطور انعام فرزدق کو بھجوایا پہلے تو یہ کہہ کر اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا کہ میں نے تو اللہ واسطے نصرت حق اور ذریت رسول اللہ کے حقوق کی پاسداری میں قصیدہ کہا ہے۔ قسم دلائی گئی تو قبول کر لیا ساتھ ہی امیر المومنین ہشامؒ کی ہجو میں کچھ شعر کہہ دیئے گویا کذاب راوی کی

بارہ گوئی کے بموجب علی (زین العابدینؒ) متوفی ۹۴ھ نے اپنی وفات سے ٹھیک تیرہ برس بعد ۱۰۷ھ میں شاعر کے منہ سے اپنی تعریف میں یہ قصیدہ عالم روحانیت میں سنا اور ایسے محظوظ ہوئے کہ صلہ و انعام کی یہ کثیر رقم قصیدہ گو کے لیے خزانہ غیب سے ارسال فرمائی!!

یہ دیکھنا ہے کہ امیر المومنین ہشامؒ ہی کو اس تضحیک و تحقیر کے لئے راوی نے کیوں منتخب کیا کسی اور خلیفہ کا نام کیوں نہیں لیا۔ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ امیر المومنین موصوف جیسے حلیم و عفیف خلیفہ کے عہد میں کوفیوں کے ورغلانے سے حضرت حسینؓ کے پوتے زید بن علی بن حسینؒ اور ان کے فرزند یحییٰؒ نے بغاوت کی تھی اور یہ دونوں اپنے خروج اور فساد و قتال یکے بعد دیگرے ناکام ہو کر ہلاک ہو گئے تھے۔ سبائی راوی بھلا ایسے خلیفہ کو کیوں بخشتے جس کے عہد میں یہ واقعات ہوئے۔ اموی عہد کے بہت بعد اس قسم کے بے بنیاد قصے گھڑ کر مشہور کئے جو روایات پرستی سے غیر شیعہ مؤلفین نے بھی نقل روایت محض کے طور سے نقل کر دیئے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالنے اور حقائق سے پرکھنے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔

آیئے ذرا تاریخی حقائق کی روشنی میں مذکورہ روایت کو پرکھئے۔ کتب انساب و تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ فرزدق[1] و جریر یہ دونوں شاعر چالیس دن کے تفاوت سے ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے تھے نسباً تمیمی موطناً بصری اموی خلفاء کے درباری شاعر تھے اور شاعری ایسی

---

[1] فرزدق تخلص نام ہمام بن غالب التمیمی المتوفی سنہ ۱۱۰ھ اور جریر بن عطیۃ الخطفی بھی ان کا ہم قبیلہ و ہمعصر تھا۔ یہ دونوں شاعر اموی خلفاء کے متوسل تھے۔ ابو مخنف جیسے شیعہ راویوں نے اس سانحہ سے چالیس برس پہلے فرزدق کی موجودگی کوفہ میں اس وقت بتلائی ہے جب حضرت حسینؓ عراق کو تشریف لے جا رہے تھے لکھا ہے کہ فرزدق نے ان سے گفتگو کی تھی وہ تو عراق چلے گئے تھے اور فرزدق اپنے اہل و عیال کے پاس عسقلان مقام پر چلا گیا تھا یعنی اسی مقام پر جہاں چالیس برس بعد اس ہونے قصے میں اسے قید کیا جانا بتایا ہے۔ مورخ طبری نے ابو مخنف کی روایتیں اسی کے منہ سے حضرت معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ جیسے محترم صحابہ کی شان میں قبیح الفاظ میں کہلوائے ہیں (طبری ج ۶ ص ۲۱۸) فرزدق و جریر کے معاصرین میں الاخطل شاعر بھی تھا جو عیسائی اور بد سیرت تھا ان تینوں میں جریر فن شعر میں فائق تھا خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ اموی کو شعراء سے دلچسپی نہ تھی سوائے جریر کے اور کسی شاعر کو باریابی کا موقع ان کے یہاں نہ تھا جریر نے خلیفہ موصوف کی مدح میں چند شعر کہے تھے جن میں پہلا شعر جس میں انہیں امام عادل کہا ہے یہ تھا۔

إن الذی بعث النبی محمداً — جعل الخلافة [illegible]

کہلاتے تھے۔ جریر اور فرزدق بار بار دمشق جاتے، اموی خلفاء کے یہاں حاضر باش رہتے فرزدق کے ترجمے کے علاوہ ابن کثیر جریر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

قدم دمشق مرارا و امتدح یزید بن معاویہ والخلفاء من بعدہ۔ (البدایہ ج ۹ ص ۲۶۰)	بار بار دمشق جاتے رہتے اور یزید بن معاویہ اور ان کے بعد کے خلفاء کے مدحیہ قصائد کہے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی طرح امیر المومنین ہشام کے یہاں بھی جو بڑے کفایت شعار تھے شعراء کو بمشکل باریابی کا موقع ملتا اور ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے سال ۹۷ھ میں اور بہ روایت مورخ طبری ۹۸ھ میں جب حج کیا یہ دونوں شاعر فرزدق اور جریر بھی ساتھ تھے، ان ہی کی امارت حج میں ان شاعروں نے بھی مناسک حج ادا کئے (وحج سلیمان بن عبدالملک وحج الشعراء معہ (طبری ج ۸ ص ۱۲۱) حج سے واپسی پر موکب خلافت جب نواحی مدینہ منورہ میں پہنچا اشراف و عیان مدینہ نے حسب دستور استقبال کیا، دربار منعقد ہوا۔ قریشی اکابر حاضر دربار تھے۔ حضرت حسنؓ کے پوتے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو جو حضرت حسینؓ کے نواسے بھی تھے بوجہ قرابت خلیفہ نے اپنے قریب بٹھایا عبداللہ مذکور کی بہن زینب بنت حسن مثنیٰ یعنی حضرت حسینؓ کی نواسی اور جناب محمد (الباقر) کی سالی خلیفہ موصوف کی بھاوج تھیں نیز دوسری علویہ خواتین بھی جن کا ذکر اوپر آیا ہے اسی مروانی گھرانے میں بیاہی گئی تھیں۔ اس وقت رومی قیدی جن کی تعداد چار سو کے قریب بتائی گئی ہے سزا و حکم کی غرض سے پیش ہوئے سب پہلے عیسائی بطریق پیش کیا گیا امیر المومنین نے اس کی گردن مارنے کا عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو حکم دیا تعمیل حکم میں عبداللہ نے تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ قیدی کی گردن کٹ کر سر دور جا پڑا امیر المومنین نے ان کی تیغ زنی کی تعریف کی پھر اور لوگوں کو حکم ہوتا رہا قیدی قتل ہوتے رہے جریر شاعر نے بھی ایک ہی وار سے ایک قیدی کی گردن اڑا دی فرزدق کی جب باری آئی اس نے کئی ضربیں لگائیں مگر گردن نہ کٹ سکی سب لوگ ہنس پڑے فرزدق نے عذر و معذرت میں فی البدیہہ شعر کہے۔ دیوان فرزدق میں ہے جیسا دوسری جگہ ذکر آیا ہے کہ امیر المومنین نے انعام عطا کیا۔

تَعَجَّبَ النَّاسُ اَنْ اَضْحَکْتُ خَیْرَهُمُ	خَلِیْفَةُ اللّٰهِ یُسْتَسْقٰی بِهِ الْمَطَرُ
کیا لوگ تعجب کرتے ہیں کہ میں نے ان کے بہترین کو ہنسا دیا	جو اللہ کے خلیفہ ہیں جن کے وسیلہ سے بلاشبہ بارش مانگی جاتی ہے۔

فَمَا نَبَا السَّيْفُ عَنْ جُبْنٍ وَلَا دَهَشٍ — عِنْدَ الْإِمَامِ وَلَكِنْ أَخَّرَ الْقَدَرُ

امام کے حضور تلوار جو اچٹ گئی نہ بزدلی تھی نہ دہشت — لیکن تقدیر نے موت کو ٹال دیا

وَلَوْ ضَرَبْتُ عَلَى عَمْرٍو مُقَلَّدَهُ — لَخَرَّ جُثْمَانُهُ مَا فَوْقَهُ شَعَرُ

اگر کسی زندہ شخص کی گردن پر تلوار مارتا — تو اس کا دھڑ اس طرح گر جاتا کہ ایک بال بھی اس پر نہ رہتا

وَمَا يُعَجِّلُ نَفْسًا قَبْلَ مِيتَتِهَا — جَمْعُ الْيَدَيْنِ وَلَا الصَّمْصَامَةُ الذَّكَرُ

موت سے پہلے کسی کی جان لینے میں — زور کا ہاتھ کام آتا ہے نہ تیز دھار کی تلوار

جریر نے بھی ایک شعر میں کہا تھا۔

ضَرَبْتَ بِهِ عِنْدَ الْإِمَامِ فَأُرْعِشَتْ — يَدَاكَ وَقَالُوا مُحْدَثٌ غَيْرُ صَارِمِ

امام کے حضور تم نے تلوار ماری تو تمہارے ہاتھ کانپ گئے — لوگوں نے کہا یہ کوئی نو آموز ہے تلوار کا دھنی نہیں

امیر المومنین سلیمان کے سفر حج کے اس تاریخی واقعہ سے جو شیعہ مورخ طبری ہی نے اسناد سے بیان کیا ہے قصیدہ گوئی کے جھوٹے قصہ کی تکذیب کے سلسلے میں چند امور کی وضاحت ہو جاتی ہے ایک یہ کہ فرزدق و جریر اموی خلفاء کے درباری شاعر سفر و حضر کے حاضر باش تھے اموی خلفاء کو جنھیں شاعروں نے اپنے اشعار میں خلیفہ اور امام کہا ہے حسب رواج زمانہ وہ اپنا امام ہی مانتے اور کہتے تھے دیوان فرزدق میں جیسا ذکر ہوا کسی ہاشمی کی تعریف و مدح میں ایک شعر بھی نہیں چہ جائیکہ فرزند حسین کی شان میں شاعر بنی امیہ فرزدق کے دیوان میں ایسا قصیدہ شامل ہوتا جس کے بعض اشعار میں شیعیت کے جذبات کا اظہار ہو ممکن نہیں۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ موکب خلافت کی آمد کی اطلاع ملنے پر از خود یا نائب مدینہ و مکہ کے اہتمام سے اہل مکہ و مدینہ شہر سے باہر جا کر امیر المومنین کا استقبال کرتے دربار منعقد ہوتا اعیان و اشراف ہاشمی وغیرہ بھی اپنے امام و امیر المومنین سے ملاقاتیں کرتے اور حسب مراتب و تعلقات قرابت مجالست و مکالمت کرتے جیسا مورخ طبری نے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے متعلق بتایا ہے کہ امیر المومنین نے حاضرین دربار میں سے انھیں اپنے پہلو میں جگہ دی واقریہم مسہ مجلسا عبداللہ بن حسن (الطبری ۸/۷۲)

یہ مروانی خلفاء اپنے حسنی و حسینی قرابتداروں سے عزیزانہ برتاؤ کرتے حسن سلوک سے پیش آتے امیر المومنین سلیمان کے بھائی امیر المومنین الولید بتعلق قرابت جناب علی بن الحسین (زین العابدین) کے بھتیجے داماد تھے ان کی دو بھتیجیاں نفیسہ بنت زید حسنی و زینب بنت حسن مثنیٰ ان کے عقد میں تھیں یہ ان کی دو چچیری دختران حضرت علی بن ابی طالب بھی امیر المومنین

عبدالملک اور ان کے بھائی معاویہ بن مروان کو بیاہی گئی تھیں۔ (یعنی اموی مروانیوں) میں جو ایک ہی خاندان بنو عبد مناف سے تھے شادی بیاہ ہونا قدرتی بات تھی پھر ایسے گھرانے میں جو دنیاوی اعزاز و منزلت میں تمام قریشی گھرانوں سے بلند تر تھا ہاشمی اکابر کا اپنی بیٹیاں بیاہنا بھی قدرتی بات تھی اس زمانے میں عقائد کا اختلاف تھا نہ مذہبی فرقے پیدا ہوئے تھے شیعہ وخوارج کی حیثیت تو اس وقت تک محض سیاسی پارٹیوں کی تھی تمام ملت اسلامیہ اپنے ایک ہی قائد کی متبع تھی اسی کا حکم ہر جگہ نافذ تھا ہاشمی وغیر ہاشمی سب اسی کی بیعت میں تھے وہی امام وامیر المومنین تھا۔ کوئی دوسرا نہ امامت کا مدعی تھا اور نہ امام کہلا سکتا تھا اور نہ کسی کو امیر المومنین کی بدگوئی وتنقیص کی مجال ہو سکتی تھی کوئی اجل رسیدہ ایسی جسارت کرتا قید وبند ہی کی نہیں قتل کی سزا پاتا۔

فرزدق سے جو قصیدہ منسوب ہے اس کے بعض اشعار میں شیعیت کے جن جذبات کا اظہار ہے وہ یقیناً عہد عباسیہ کی پیداوار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی شیعہ ادیب وشاعر کو اس قصیدے کا مطلع پسند آگیا جو عہد عباسیہ کے دریا دل گورنر یا مرجاب قثم بن عباس بن عبید اللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب کی مدح میں کسی شاعر نے کہا تھا مطلع پسند آنے پر جولانی طبع دکھائی لسانی اعتبار سے قصیدہ بڑا لذیذ ہے نا ممکن ہے ارتجالاً وفی البدیہہ ایسے پرشکوہ الفاظ میں پہلا شعر کا قصیدہ کوئی کہہ سکتا ہے۔ قصیدہ گو کے جذبات نہایت درجہ عقیدتمندانہ اور شیعیت سے بھرپور ہیں مثلاً

عمّ البريّة بالاحسان فانقلعت — عنه الغيابة والاملاق والعدم

ان کا احسان مخلوق پر عام ہے اور ان سے — بے زری مفلسی اور ناداری جاتی رہی

من معشر حبّهم دين وبغضهم — كفر وقربهم منجى ومعتصم

یہ اس گروہ سے ہیں جن کی محبت دین ہے اور جن سے بغض — کفر ہے جن کی قربت نجات دہندہ اور پناہ ہے

ان عدّ اهل التقى كانوا ائمتهم — او قيل من خير اهل الارض قيل هم

اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ ان کے امام ثابت ہوں گے۔ — اور پوچھا جائے کہ اہل زمین میں سب سے بہتر کون ہیں تو کہا جائیگا یہی ہیں۔

يستدفع الشرّ والبلوى بحبّهم — ويسترادبه الاحسان والنعم

برائی اور آزمائش کی گھڑی ان کی محبت سے ٹالی جاتی — اور احسان و نعمتوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے

شیعیت پرستی کے یہ خیالات اور جذبات صدر اسلام کے اس مبارک عہد میں جب خالص اسلامی عقائد اپنی تابانی سے ضوفشاں تھے نہ تو پیدا ہوئے تھے اور نہ ان کے اظہار کی جسارت کی جا سکتی تھی۔ یہ کلام تو دوسری صدی ہجری کے بعد کے کسی شیعہ ادیب و شاعر کا ہے۔ اب اس قصیدے کے اشعار سنئے جو بروایت مصعب مولف کتاب نسب قریش نیز بروایت ابن سید الناس (سلہ (?)) جناب قثم بن عباس بن عبید اللہ بن العباسؓ کی مدح میں ابن المولیٰ نے کہا تھا۔

ھذا الذی تعرف البطحاء وطأتہ	والبیت یعرفہ والحل والحرم
یہی تو ہیں کہ سرزمین بطحا ان کے قدم پہچانتی ہے	اور کعبہ انھیں جانتا ہے بیرون حرم اور حرم بھی
کم صارخ بک مکروب وصارخۃ	یدعوک یا قثم الخیرات یا قثم
بہت سے آدمی تیرا نام لیکر دہائی دیتے ہیں اور بہت سی عورتیں۔	تجھے پکارتی ہیں کہ اے نیکیاں تقسیم کرنے والے قثم!
عتقت من حلی ومن رحلتی	یا ناق ان ادنیتنی من قثم
میاں کی ردا... تو میرے سفر سے آزاد ہو جائیگی	اے میری اونٹنی تو اگر مجھے قثم تک پہنچا دے
انک ان ادنیت منہ غدا	خالفنی البؤس ومات العدم
تو اگر کل مجھے ان کے (قثم) کے قریب کردے	تو بدحالی مجھ سے دور ہو جائے اور ناداری کا خاتمہ ہو جائے۔
فی کفہ بحر وفی وجہہ	بدر وفی العرنین منہ شمم
ان کے ہاتھ بحر کرم ہیں اور ان کے چہرے میں	چودھویں چاند کی چمک ہے اور ان کی ناک کے بانسے میں بلندی یعنی وہ شریف ہیں۔
اصم عن قیل الخنا سمعہ	وما عن الخیر بہ من صمم
بیہودہ باتیں سننے سے ان کے کان بہرے ہیں	مگر اچھی باتیں سننے سے نہیں کوئی گرانی نہیں
لم یدر ما "لا" و "بلی" قد دری	فعافہا واعتاض منہا "نعم"
وہ جانتے ہی نہیں کہ "نا" کہنا کیا ہوتا ہے "ہاں" کہنا جانتے ہیں۔	اس لئے "نا" کہنا ناپسند کیا ہے اور اس کے بدلے نعم (ہاں) لے لیا ہے۔

سلہ قثم بن عباس سخی اور مشہور تھے اور جود و سخا میں اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن العباسؓ

سلہ ان کے دادا عبید اللہ تھے وہ بھی کرم اور سخاوت کے دلدادہ تھے۔

کی یاد تازہ کرنے والے تھے حاجتمند کوئی بھی خالی ہاتھ نہ جاتا ہمعصر مؤلف لکھتے ہیں کہ ایک سوالی حاضر ہوا قثم الخیر لکھ کر سوال پیش کرنے کی اپنے طرز پر اپنی منظوم الفاظ میں قسم دلائی جو فی الفور پوری کر دی گئی

یا قثم الخیر جزیت الجنۃ اکس بنیاتی وامہنہ

اقسم باللہ لتفعلنہ

مقصود اس طویل گفتگو سے جو سطور بالا میں کی گئی ہے یہ دکھانا ہے کہ جناب علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کی مدح و ثنا میں کسی نے قصیدہ کیوں کہا۔ مدح و ثنا میں اس کی تو خود راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں ایک موقع پر عرض کیا تھا کہ:

"حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) اپنے جذبات وخیالات اور فرائض دینی کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداخلت سے کام نہیں لیا۔ سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے حال میں پھانس لیں لیکن آپ ان کے دھوکے میں نہیں آئے۔ . . . جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہوتا ہے کہ یہ امت علی (زین العابدینؓ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقہ کار کی پیروی میں جتنی سعادت سمجھے درست ہے آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار"

مگر قصیدہ گو نے خلیفہ وقت کی تذلیل و تحقیر اور اپنے امام کے نسلی امتیاز و نسبی سیادت و شخصی برتری کے اظہار کے لئے جو بہانہ تراشا اور جھوٹا قصہ گھڑا ہے بطور نمونہ و مثال آگے یہاں پیش کیا گیا ملت اسلامیہ کی سربراہی سے محرومی کی وجہ سے کہ نظریہ خلافت کے مقابلے میں امامت کا نظریہ قائم کیا گیا، ائمہ کو معصوم اور ان کے منجانب اللہ تقرر کو دنیا پر خدا کے لطف و مہربانی کا مظہر بتایا گیا مگر دنیا جانتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے فلاح و بہبود کے تعمیری کاموں میں یا اعدائے اسلام کے مقابلہ میں جہاد و دعوت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان ائمہ کا کوئی کارنامہ نہیں بلکہ خود شیعہ مؤلفین اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے سارے ائمہ مقہور و مظلوم و عاجز تھے نہ انہیں سیاسی اقتدار اور شوکت و دبدبہ حاصل تھا اور نہ حکومت و سلطنت انہیں مل سکی کہ جس سے وہ مخلوق کو فائدہ پہنچا سکتے۔ یہ سیاسی اقتدار اور قوت و شوکت د

دبدبہ صدر اسلام میں خلفائے راشدین کے بعد اول اموی خلفا کو حاصل تھا پھر عباسی خلفا کو دشمن اسلام قوتوں کا قلع قمع انہی کے ہاتھوں سے میسر ہوا۔ جناب علی (زین العابدین) ہی کے ایک ہمعصر خلیفہ ولید بن عبدالملک تھے جن کی خلافت شانِ خلافت تھی اور دین و ملت کے لئے موجب فوز و فلاح۔ ان کے عہد خلافت میں نہ صرف علاقہ سندھ کے جانب مملکت خداداد پاکستان میں شمال سے متعدد مقامات فتح ہوئے بلکہ چین و ترکستان و بحر روم سے لیکر مغربی افریقہ اور اندلس کے علاقہ جات پر مسلمانوں کا تسلط ہوا ان کے زمانے کے جہادوں کو حضرت عمر الفاروقؓ کے عہد خلافت کے جہادوں سے تشبیہ دی گئی ہے ابن کثیرؒ ایک سال ۹۳ھ کی فتوحات کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

وفیہ فتح اللہ علی الاسلام فتوحات عظیمۃ فی دولۃ الولید بن عبدالملک علی یدی ولدہ واقربائہ وامرائہ حتی عاد شبیہا بایام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

(البدایہ ج ۹ ص ۸۶)

اور اس سنہ (۹۳ھ) میں الولید بن عبدالملک کے بیٹوں عزیزوں اور ان کے امیروں کے ذریعہ اسلام کے لئے عظیم فتوحات بفضل الٰہی ان کی خلافت میں عطا ہوئیں حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ کی فتوحات کے مشابہ ہوئیں۔

جو بیشمار روپے بے حد و حساب دولت غنائم و فتوحات سے حاصل ہوئی ملت ہی کی فلاح و بہبود پر صرف کی۔ دمشق کی جامع اموی کی بے مثال عمارت پر دس کروڑ اشرفیاں صرف کیں۔ اندھوں اپاہجوں اور جذامیوں تک کے لئے بیمارستان و اقامت گاہیں بنوائیں ہر اندھے کے لئے ایک ایک خادم مقرر کیا۔ مکہ و مدینہ میں آب رسانی کے لئے کنویں کھدوائے ۹۱ھ میں جب حج کے بعد مدینہ منورہ آئے مسجد نبوی میں نمازیں ادا کیں اور نماز جمعہ پڑھائی خطبہ دیا علماء و اتقیاء سے ملاقاتیں کی اور اہل مدینہ کو سونا و چاندی بڑی مقدار میں تقسیم کی فصرف علی الناس من اھل المدینۃ ذھبا کثیرا وفضۃ کثیرۃ (ایضاً) اہل حجاز خصوصاً مکہ و مدینہ کے باشندوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک دوسرے خلفاء بھی کرتے رہے بیشمار رقوم خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی توسیع و تزئین کے لئے صرف کرتے تھے۔

ان واقعات تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ بنو امیہ اور بنی عباس کے ابتدائی عہد تک جمہور امت کی متفقہ تائید خلفاء کو حاصل رہی ملت کے وہ تمام عظیم تعمیری کام انجام پائے جو اسلامی تاریخ

کا سہرا باندھیں مگر اسلامی قومیت کی یکجہتی و یک عملی خصوصیت سے انحراف اسی نسلی امتیاز اور نسبی سیادت کے دعوے سے شروع ہوا اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی خانہ جنگیوں سے صدیوں تک ہوتا رہا جس کا مجمل حال آپ نے ملاحظہ کیا۔ حضرت علی کی فاطمی نسل کے استحقاق "اموی خلافت" نے جسے مذہب کا رنگ دیدیا گیا تھا۔ بمرور زمانہ شیعہ سنی کشمکش کی اندوہناک صورت اختیار کرلی تھی اور بالآخر اسی جذبۂ عناد و ۔ صت نے بغداد کی عباسی خلافت کا تاتاری کفار کے ہاتھوں خاتمہ کرادیا۔ مؤلف کتاب "امام تیمیہؒ" صحیح لکھتے ہیں:-

"جب تک عباسی حکومت طاقتور رہی شیعہ سنی کشمکش نمایاں اختلاف کی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکی۔ (خلیفہ معتصم (باللہ) کے بعد عباسی خلفاء کمزور ہو گئے تھے شیعہ سنی بار بار آپس میں جھگڑنے لگے تھے جس کی وجہ سے بسا اوقات بڑی خونریزی ہوتی تھی تاریخ کے صفحات اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ دونوں فریق کے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہو سکی۔ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور تمام لوگ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ بغداد کی عباسی خلافت کی تباہی میں شیعوں کا ہاتھ رہا ہے خود جمال الدین بن المطہر الحلی المتوفی ۷۲۶ھ نے لکھا ہے کہ ہلاکو کے بغداد پر حملہ کرنے سے پہلے ان کے والد اور دوسرے لوگوں نے اس کو فتح و کامیابی کی خوش خبری دی تھی اور یہ درخواست کی تھی کہ حلہ و کوفہ و کربلا و نجف اور دوسرے مقدس مقامات کی بے حرمتی نہ کی جائے" (صـ ۲۲۷)

چنانچہ مؤلف موصوف نے جمال الدین ابن المطہر کی عبارت کا یہ طویل اقتباس بھی نقل کیا ہے کہ شیعوں کے ان مقدس مقامات کی حفاظت کا سبب جہاں تاتاریوں کے حملے سے پہلے شیعوں نے پناہ لی تھی یہ تھا کہ:-

پدرم کہ مصنف این کتابم . . .
بہ ہلاکو پیام نوشتند پیش از گرفتن بغداد
و امان خواستند یعنی چون بغداد را بگرفت
ایشان را بطلبید . . . پس ہلاکو از پدرم

میرے والد کہ اس کتاب کا مصنف ہوں . . .
ہلاکو کو بغداد کے لینے سے پہلے ایک پیغام
لکھ بھیجا اور اس سے امان چاہی پس جب اس
نے بغداد پر قبضہ کیا تو ان کو بلا بھیجا . . . ہلاکو نے

پرسید کہ چون بود مراسلت شما با من پیش از این واقعہ بغداد گرفتن و چہ گونہ بر چنین خبر اعتماد نمودید کہ مرا بغداد خواہد مسخر شد

(ص ۳۴۳)

میرے والد سے پوچھا کہ اس واقعے سے پہلے اور بغداد کے لینے سے قبل تم لوگوں نے کیونکر میرے ساتھ خط و کتابت کی اور تمہیں اس خبر پہ کیسے اعتماد ہو گیا کہ بغداد میرا تابع ہو جائیگا۔

جمال الدین مذکور نے لکھا ہے کہ میرے باپ نے ہلاکو کے اس سوال کے جواب میں کہا تھا۔

پدرم گفت کہ سلطان اولیا امیر المومنین علی علیہ السلام در بارہ شما این خبر فرمودہ اند کہ خواہد آمد ترک بر آخر ملوک عباسی کہ بادشاہ آن ترک از ایشان بود و آن از ابتدا ملک ترک خواہد بود۔

(ایضاً)

بے شک سلطان اولیا امیر المومنین علی علیہ السلام نے تمہارے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ شاہان عباسی کے آخری بادشاہ کے وقت ترک آئیں گے جن میں ان ترکوں کا بادشاہ ہوگا اور اسی سے ترکوں کی سلطنت کی ابتدا ہوگی۔

اس اقتباس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں صاف ظاہر ہے کہ تاتاری کفار کی حمایت میں غالی شیعہ کس طرح پیش پیش رہے تھے مسلمانوں کے مرکزی سیاسی نظام کی تباہی نسلی انتساب کے اس جذبے کے لیے کیا باعث تسکین ہو سکتی تھی جب کہ بغداد کے قتل عام میں ہاشمی و غیر ہاشمی اور علوی و عباسی کی کوئی تمیز نہ تھی کہتے ہیں صحیح النسب حسنی و حسینی خانوادے بھی فنا کے گھاٹ اتر گئے باقیماندہ مختلف دیار و امصار میں منتشر ہو گئے۔ بعد میں خود جمال الدین کو بھی نجف میں کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس کے قاتلوں میں سے ایک شخص جلال الدین بھی جو یاغی کہلاتا تھا قتل کیا گیا (عمدۃ الطالب ص ۲۲۲) یوں بعض افراد سے انتقام گو ممکن تھا اس سے عام تباہی کا کیا مداوا ہو سکتا تھا۔ غرضیکہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں جب بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا نقابت بنی ہاشم کا ادارہ بھی ختم ہوا اسی ادارے کے ذریعہ ہاشمی خانوادے کے عباسی و علوی گھرانوں کے شجرے اور خاندانی ریکارڈ مرتب رہتے تھے بعد کے مولفین کتب انساب نے نسابین متقدمین کی کتابوں سے مطالب اخذ کیے چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد سے صحیح و غلط کی جانچ اور مدعیان نسب کی تردید اور روک ٹوک کا ذریعہ باقی نہ رہا۔ عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں ۹۲۳ھ تک عباسی خلفا کا

جو سلسلہ قائم رہا پھر ترکی کے خلفاء کا سلسلۂ عثمانیہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء تک جاری رہا مگر نہ خلافت بنی ہاشم یا کوئی ادارہ پھر قائم ہو سکا اور نہ اقامت دین کا وہ فرض ادا ہو سکا جو حسب ارشاد نبوی حکومت (اموی و عباسی) کے لئے لازمی قرار پایا تھا (بخاری)

بغداد کی تباہی پر دردناک مرثیے لکھے گئے شیخ سعدی بھی یہ کہہ کر ماتم کرتے ہیں

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں — بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمد گر قیامت بر آری سر ز خاک — سر بر آر و ایں قیامت در میان خلق بیں
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ — ہم بر آں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

مرکزی سیاسی نظام ملت کے تاتاری کفار کے ہاتھوں برباد ہو جانے کے بعد خصوصاً سمرقند و خوارزم کی بربادی کے بعد دارالخلافہ بغداد کی تباہی سے حرمان و قنوط و یاس انگیزی کے بادل قومی فضا پر ایسے چھا گئے کہ اس اندھیرے میں متصوفہ تحریک کے پھیلنے کا موقع مل گیا۔ ان کے نظریہ ولایت اور شیعیت کے نظریہ امامت میں مماثلت ہی نہیں یکسانیت ہے کیونکہ شخصیت پرستی اور مطلق العنان نسلی و نسبی امتیاز تو ان دونوں کا محور ہے۔ صوفی لٹریچر میں یہ دلچسپ صورت آب و تاب سے یہ بیان کی جاتی ہے کہ معراج کی شب میں جو خرقۂ گلیم سیاہ پیغمبر خدا کو دربار خداوندی سے عطا ہوا تھا سفر معراج سے واپسی پر حضرت علیؓ کو پہنا دیا پھر حضرت حسنؓ نے پہنا کہتے ہیں کہ "پیر امام حسن کو تصوف میں گہری معرفت حاصل تھی" رسالہ اندرین موقعیت خلاصے تمام بو بوند قائق عبارت حفظ و فر" ان کے بعد باری باری ان سب حضرات نے یہ خرقہ پہنا جنہیں ائمہ یعنی امام کہتے ہیں متصوفہ نے بھی ان سب کو اپنے سلسلہ میں شامل کر رکھا ہے بلاشبہ یہ سب حضرات نیک صالحات وقت گزار تھے مگر نہ "ہو ہو" کی آوازیں بلند کرتے تھے نہ غیر شرعی مراقبہ کرتے نہ چلے باندھ کر بیٹھتے اور نہ راہبانہ زندگی بسر کرتے۔ اللہ کے اس ارشاد سے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان جتنی اشیاء پیدا کی گئی ہیں وہ سب انسان کے استعمال اور فائدہ کے لئے ہیں یہ بزرگ بھی ان نعمتوں سے جائز طور سے متمتع ہوتے افزائش نسل کی غرض سے نکاح پر نکاح کرتے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد بکثرت نکاح کئے تھے تزوج بعدھا بزوجات کثیرۃ[1] (البدایہ ج ۷ ص ۳۳۳) حضرت

[1] علاوہ ان متعدد ازواج کے جو حضرت علیؓ کے سامنے فوت ہو گئیں تھیں یا جنہیں طلاق ہو گئی تھی ان کی چار منکوحہ بیویاں اور ۱۹ کنیزیں ان کے وقت موت موجود تھیں۔ اپنی اقتصادی حالت

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۷ پر)

حسنؓ کے کثرتِ نکاح کا حال تو سب ہی جانتے ہیں متصوفہ کے ترکِ دنیا و رہبانیت سے ان بزرگواروں کا واسطہ نہ تھا محض اپنی تحریک عوام میں مقبول کرانے کی خاطر نسلی و نسبی امتیاز و شخصیت پرستی کے لئے متصوفہ کو اپنے سلسلے میں ان کا شامل کرنا ضروری ہوا چنانچہ جس زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے روحانی پیشوایت کے لئے "ولایت مآب" حضرت علیؓ اور ان کے فاطمی نسب صاحبزادگان کی اولاد میں ہونا لازمی قرار دیا گیا پھر تو نسبی امتیاز کی وہ وبا پھیلی کہ صدی ڈیڑھ صدی پہلے جو عباد و زہاد و صالحین فوت ہو گئے تھے جنہوں نے نہ فلاں ابن فلاں سے کوئی سروکار رکھا تھا نہ اپنے نسب کا اظہار ہی کیا تھا ان کے اخلاف نے بھی حسنی و حسینی نسب کو اظہار فضیلت کے کے لئے اور جلب منفعت کی خاطر ضروری سمجھا اس کے بعد تو یہ نوبت پہنچی کہ ہر ممتاز روحانی پیشوا کا نسباً حسنی و حسینی ہونا لازمی سا ہو گیا۔ دوسری جانب عراقی و ایرانی خاص کر ان شیعوں نے جو کوفہ و حلہ و کربلا و نجف میں تاتاریوں سے امان پا کر مقیم تھے اور بعد میں تاتاری حکمران "خدابندہ" کے شیعہ مسلک اختیار کر لینے سے ایسی تقویت حاصل کر لی تھی کہ منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ نام کتاب تائید شیعیت میں تصنیف ہوئی نسبی امتیاز و تفاخر کے لئے لفظ سید کا استعمال شروع کیا اگرچہ ابتداءً علماء اور ممتاز افراد کے ناموں کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا جیسا خود شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب ہی کی تصریحات سے ثابت ہے اپنے منہ سے کوئی اپنے کو سید نہ کہتا تھا۔

برصغیر ہند میں عربوں کی آمد و بود و باش اموی عہد سے شروع ہوئی ثقفی و تمیمی و ضبی مغیرہ وغیرہ کے علاوہ بعد میں بعہد عباسی دیگر انصاری و قریشی گھرانوں میں سے عباسی و علوی صدیقی و فاروقی وغیرہ خاندان آباد ہوئے کسی نے اپنے کو نسباً سید و شیخ نہ کہا۔ پھر کئی صدی بعد ترکستان

(بقایا نوٹ صفحہ ۳۲۳ کا) کے لحاظ سے اکثر قریشی و ہاشمی کئی کئی نکاح کرتے اور کنیزیں رکھتے تو خود حضرت علیؓ ہی کے پوتے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی سند سے جاحظ نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ثابت ہے کہ متصوفہ کی رہبانیت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا وہ فرماتے تھے۔

قال علی بن ابی طالب خصصنا بخمس فصاحة وصباحة ونجدة وحظوة یعنی عند النساء۔
(البیان والتبیین ج [illegible] صفحہ [illegible])

علیؓ بن ابی طالب نے کہا کہ پانچ باتوں میں ہمیں خصوصیت ہے فصاحت میں، گوری رنگت میں، فیاضی دلی میں، دلیری میں اور صنف نازک سے محظوظی حاصل کرنے میں۔

ماوراء النہر و خراسان و عراق و ایران وغیرہ سے لوگ خصوصاً پندرہ شاہزادے سلطان بلبن کے زمانہ میں بقول صاحب تاریخ فرشتہ آسیب سپاہ چنگیزیہ سے تنگ آکر ہندوستان آئے سلطان نے ان کی حسب مراتب عزت و توقیر کی ان میں سے دو جو خلفائے عباسی کی اولاد سے تھے بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھتے تھے "دو پادشاہ زادے کہ بر پائے تخت می نشستند وآں ہر دو از اولاد خلفائے عباسی بودند" ان سب کی سکونت کے لیے دہلی میں پندرہ محلے قائم ہوئے محلہ عباسی، محلہ علوی و محلہ چنگیزی وغیرہ حسب تصریحات کتب تاریخ مخدوم زادہ شیخ و سردار و سید الفاظ احترام و تعظیم کے لئے اس زمانہ میں استعمال ہوتے تھے اظہار نسب میں۔ ہندو قوم تو چار ذاتوں میں جنھیں چار برن کہتے ہیں منقسم ہوئی برہمن، چھتری، ویش اور شودر برہمن کا رتبہ سب سے اعلیٰ قرار پایا کہا گیا کہ برہمن کی پیدائش برہما کے منہ سے، چھتری کی بازو سے، ویش کی ران سے اور شودر کی پیر سے ہوئی۔ غرض چار برن ذاتوں کی بے شمار گوتیں ہیں۔ پنجاب و سندھ میں مسلم اقوام کی سکونت تو غزنوی عہد سے ہوئی لیکن سلطان معز الدین محمد سام نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں جب ملک کا بیشتر حصہ فتح کر لیا باہر ملکوں سے آئے ہوئے مسلمانوں میں ترکوں کا ایک کا عنصر غالب تھا اور عربوں کا جزو قلیل مختلف اضلاع میں جو متوطن ہوتے گئے ہندی عورتوں کی کثرت سے زوجیت میں آنے سے ان غیر ہندی مسلمانوں کی جو نسل پیدا ہوئی پھر مختلف ذاتوں کے ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے ان کے میل جول طور طریق اور رسوم کا اثر مسلم معاشرے پر پڑ گیا مسلمانوں میں بھی شیخ، سید، مغل، پٹھان ذاتیں بننے لگیں برہمن کی جگہ سید نے لی اور شیخ عام طور سے وہ مسلم شامل ہوئے جو ویش اور شودر ذاتوں سے تھے چھتری و ٹھاکر مسلمان ہو کر خطاب خان سے سرفراز ہوئے۔ عربی و فارسی کے یوں تو متعدد الفاظ ہیں جن کی عوامی بول چال میں قلب ماہیت ہو گئی مثلاً خلیفہ لفظ خلف سے ہے جس کے معنی پیچھے آنے کے ہیں رسول خدا کے جانشین خلیفہ کہلائے یہاں یہ لفظ جو اظہار بزرگی کے لئے تھا عام طور سے حجام و درزی وغیرہ پیشہ وروں کے لئے مستعمل ہے فارسی لفظ مہتر کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں یہاں خاکروب کے لئے مستعمل ہے۔ سید کی طرح شیخ کے عربی میں بزرگ و محترم و سردار اور بوڑھے و سن رسیدہ نیز مشہور عالم و درویش کے لئے مستعمل ہے نسل و قوم اور نسب و خاندان کے اظہار میں اہل زبان نے نہ کبھی استعمال کیا اور نہ اب کرتے ہیں اس ملک میں شیخ و شیخزادہ ذاتیں کہلانے لگیں یہی کیفیت لفظ پیر کی ہوئی جو بوڑھا اور بزرگ کے معنی میں ہے۔ متصوفہ نے شیخ طریقت کو پیر طریقت کہا۔

بگو ورنہ مانندِ میر پیرزادگان، میرزادہ و میرجی خاندان اور نسب کے اظہار میں مستعمل ہونے لگے۔ میر بھی فارسی لفظ ہے شاہ و شاہزادہ و سردار و سربراہ و قائد کے معنی میں مستعمل ہے بلوچ سردار میر کہلاتے۔ عہد مغلیہ کے مختلف عہدوں کے ناموں میں میر شامل تھا جیسے میر عدل، میر عرض، میر ساماں، میر بکاول وغیرہ۔ ایران میں یہ لفظ صفویوں کے عہد سے ہاشمیوں کے لیے مستعمل ہونے لگا وہیں سے یہ بدعت اس ملک میں بھی آئی اردو کے مشہور شاعر میر نے تخلص ہی اپنا میر رکھا خاندان کا حال تو ان کے صحیح صحیح معلوم نہیں نہ خود (خت) سوانح عمری میں انھوں نے اس کا ذکر کیا اپنے کو البتہ سید کہتے تھے آزاد کہتے ہیں شرفائے اکبر آباد سے تھے اپنے باپ کو بتاتے ہیں ایسے درویش تھے کہ عالم شباب (حضرت امیر معاویہؓ) کا نام بہت الحز زبان پر نہ لائے۔ معتقدوں کے اثبات میں بھی غالب رہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں غلو اس درجہ تھا فرماتے ہیں۔

مسکن علی نگر ہے مرا میں علی پرست　　بے شبہ اس جگہ کا علی ہے خدا علی
یعنی کہ ذات پاک ہے اس کی خدا کی ذات

یہ جاہل عقیدہ تو نصیری کا تھا جس کے جنبیوں میں کوئی صحیح النسب ہاشمی و علوی بھی نہ تھا۔ راقم حروف کو اپنے ملک و بیرون کے صحیح النسب علوی و حسنی و حسینی امراء علماء و فضلاء کے بے شمار کتابت شجروں اور نوشتوں کے مطالعہ کا اکثر موقع ملا جو تین چار سو برس پرانے ہوں اس کے بعد کے تھے یہ بزرگ خود اپنے قلم سے اپنے کو سید و میر نہیں لکھتے تھے نسب کا اظہار علوی و حسنی و حسینی سے کرتے بزرگوں کے ناموں میں البتہ لکھتے یا مخاطب کو احتراماً سید کہتے۔ عرب ممالک میں تو غیر مسلم معزز شخص کو بھی احتراماً سید کہتے ہیں جیسے سید جواہر لال نہرو یا سید چو این لائی۔ ہاشمیوں کے شریف و سید مخصوص کرنے کی بدعت پانچویں صدی سے شروع ہوئی جس کا تفصیلی تاریخی مقالہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ مولف مناجۃ الطرب کا یہ بیان مطابق واقعہ ہرگز نہیں کہ اسلام کے بعد ہی سے شرف عربی بنی ہاشم سے مخصوص ہو گیا تھا اما بعد الاسلام فقد انحصر الشرف العربی فی سلالۃ آل ہاشمیۃ یہ تو صدیوں بعد کی بات ہے شریف اور سید مترادف المعنی ہیں السید و الشریف معروف (لسان العرب) اس معنی کا یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی ہاشمی شریف نہیں کہلایا جب یہ اطلاق لقب سید کا نہیں تھا ہو گو قرشی اور غیر قرشی سب ہی معزز اشخاص کے لیے یہ لقب ابتداء میں احتراماً استعمال کرتے تھے نہ اہل نسب اپنے منہ سے اپنے کو سید کہنا اور نام کے ساتھ میر و سید شامل کرنا تعلی امتیاز و تفاخر نسبی کے جذبہ سے ہے جس میں ایک فتنہ تھا کہ جس میں یہ فقیر بھی مبتلا رہا تھا ہاشمی سیادت کے سلسلہ میں صحیح کے صفحے اپنی بعض تالیفات میں سیاہ کئے اب آخر عمر میں کتاب اہل البیت و آل محمد کی تالیف کے دوران سیادت نسبی کی حقیقت منکشف ہوئی۔ اپنے ان گناہوں سے توبہ ہے۔

[illegible]

قطعہ تاریخ طباعت

از قلم حضرت علامہ تمنا عمادی زید مجدہٗ
مقیم ڈھاکہ

میزان میں عمل ہی صرف تُلیں گے حشر میں
اس میں نہ رکھا جائیگا کبھی پاسنگِ نسب

نخوت، کینہ، تحقیر و تعصب، جنگ و جدل
لاتا ہے ہمیشہ رنگ نیا نیرنگِ نسب

ڈرتا ہوں کھلائے بیٹھے بٹھائے گُل نہ کوئی
سُنتا ہوں کسی مجلس میں اگر بانگِ نسب

سب علم و عمل کے طالب ہیں سُنتا ہے کون؟
یوں بیٹھے بجاتے رہا کرو تم چنگِ نسب

ہر فضل و کمال اک مسلم کا ہے تقویٰ میں
ارباب فنا بھرتے نہیں ایسی ہی اُمنگِ نسب

دیوانِ عمل میں "ابنِ فلان" کا ذکر کہاں؟
ریکارڈ میں ایمان کے دیکھو آہنگِ نسب

یہ یاد رکھو اعمال کی جب پرسش ہوگی
کام آئیگا محشر میں نہیں عذرِ لنگِ نسب

نازک ہے بہت یہ آئینہ ہو جائیگا چور
تم شیشۂ تقویٰ سے نہ ٹکراؤ سنگِ نسب

ابلیسِ لعین کا نعرہ تھا اَنَا خَیرٌ مِّنہ
تم بھی نہ یہ کہہ کے لڑاؤ آپس میں سنگِ نسب

علامہ عباسی نے لکھی کیا خوب کتاب
یہ کتاب نہیں کہئے اس کو فرہنگِ نسب

تحقیق و علم و تنقیدِ سیر اس طرح کرتے ہیں علماء
سب لکھ ڈالا از رنگِ نسب تا سنگِ نسب

تاریخ و سیر کے سارے مرقع ہیں اس میں
حق ہے جو کہوں اس کو نقشِ ارژنگِ نسب

تاریخ طباعت کی ہے تمنا فکر اگر
لکھو فخرِ نسب اے اہلِ زمن ہے رنگِ نسب

۱۳۸۳ھ

عہ انگریزی کے جو الفاظ اصطلاح عربی یا علم کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو فارسی ترکیب میں عربی وفارسی الفاظ کے ساتھ لانا جائز ہے خصوصاً جو الفاظ خود اہل ایران بھی استعمال کرتے ہیں۔

تمنا عمادی عفی عنہ